ماہنامہ

حنا

ستمبر 2020

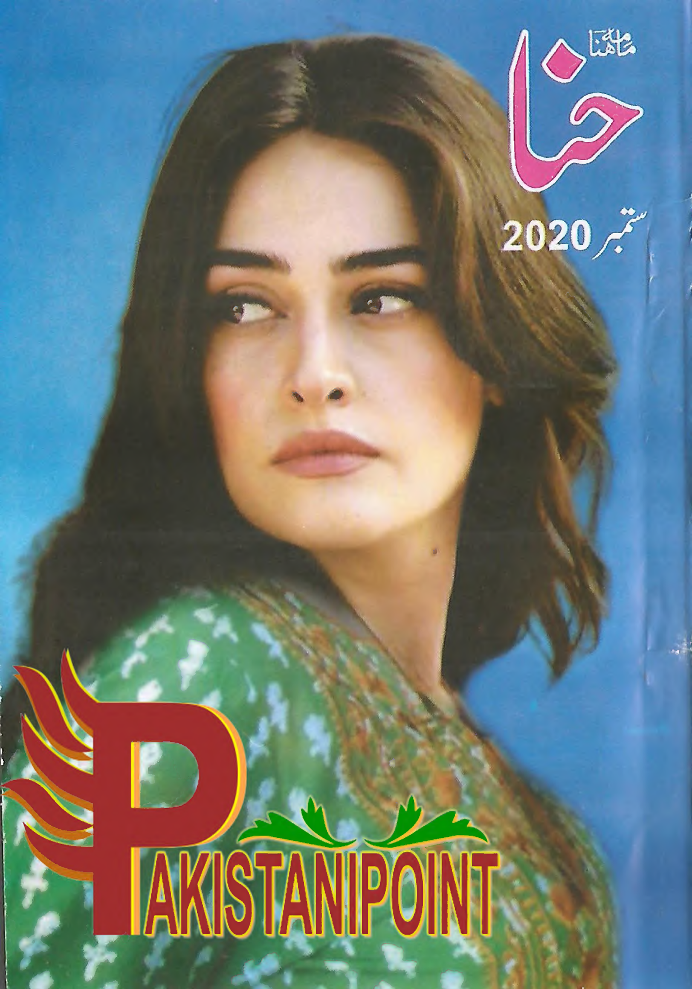

PAKISTANIPOINT

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اسلامیات

حمد تنویر پھول 7
نعت ناصر کاظمی 7
پیارے نبیﷺ کی پیاری باتیں ادارہ 8

انشاء نامہ

خاموش رہو۔ ابن انشاء 11

سلسلے وار ناول

اُمید صبح جمال ام مریم 12
اسیر عشق سدرۃ المنتہیٰ 166

مکمل ناول

آرزوئے محبت امبرین ابدال 32
جب وہ مہرباں ہوا حمیرا نوشین 128

ناولٹ

مجھے عشق ہے سباس گل 92
قربت ہجر میں محبتیں ندا حسین 70
کہو اک دن قرۃ العین سکندر 200

افسانے

کچھ تم بولو کچھ ہم بولیں ام اقصیٰ 65
محبت بڑھتی جائے گی زارا مجرا 195
اک کمی سی ہے قرۃ العین رائے 219
عید کی شام شمسہ الطاف زندگی 187

PakistaniPoint
www.pakistanipoint.com

انتباہ: ماہنامہ حنا کے جملہ حقوق محفوظ ہیں، پبلشر کی تحریری اجازت کے بغیر اس رسالے کی کسی بھی کہانی، ناول یا سلسلہ کو کسی بھی انداز سے نہ تو شائع کیا جاسکتا ہے، اور نہ کسی ٹی وی چینل پر ڈرامہ، ڈرامائی تشکیل اور سلسلے وار قسط کے طور پر کسی بھی شکل میں پیش کیا جاسکتا ہے۔ خلاف ورزی کرنے کی صورت میں قانونی کارروائی کی جاسکتی ہے۔

مستقل سلسلے

حاصل مطالعہ تحریم محمود 225
بیاض تسنیم طاہر 227
رنگ حنا بلقیس بھٹی 229
میری ڈائری سے صائمہ محمو 233
حنا کی محفل عین غین 233
حنا کا دسترخوان افراح طارق 235
کس قیامت کے یہ نامے فوزیہ شفیق 239

سردار طاہر محمود نے نواز پرنٹنگ پریس سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ حنا 205 سرکلر روڈ لاہور سے شائع کیا۔
خط و کتابت و ترسیل زر کا پتہ، **ماھنامہ حنا** پہلی منزل محمد علی امین میڈیسن مارکیٹ 207 سرکلر روڈ
اردو بازار لاہور فون: 042-37310797, 042-37321690 ای میل ایڈریس،
monthlyhina@hotmail.com, monthlyhina@yahoo.com

کچھ باتیں ہماری

قارئین کرام! ستمبر کا شمارہ 2020ء پیش خدمت ہے۔

یہ مہینہ پاکستان کے دفاع کا سبق یاد دلاتا ہے، جب 1965ء میں اسی مہینے قوم کے بہادر اور جیالے سپوتوں نے دشمن کے چھکے چھڑا دیے تھے، اپنی جان وطن عزیز پر قربان کر کے قربانی کی بے مثال داستانیں رقم کی تھیں مگر وطن پر آنچ نہیں آنے دی تھی، ان ہی کی یاد میں ہر سال 6 ستمبر یوم دفاع کے طور پر منایا جاتا ہے جبکہ ہماری فضائی افواج اپنی شجاعت اور بہادری کی داستانوں کی یاد میں 7 ستمبر کو یوم فضائیہ کے نام سے مناتی ہے، یہ دن دراصل اس سبق کو دہرانے اور یاد رکھنے کے لئے منائے جاتے ہیں کہ وطن عزیز کو جب بھی ضرورت پڑی تو اس مشکل گھڑی میں کسی بھی قربانی سے دریغ نہیں کریں گے ہمارا دشمن مسلسل موقعوں کی تلاش میں رہتا ہے اور جارحیت کر کے ہمارے نہتے شہریوں کو نشانہ بناتا ہے لیکن دشمن یہ جان لے کہ ہم وطن عزیز کے دفاع کی خاطر کبھی سمجھوتہ نہیں کریں گے اور وطن کے چپے چپے کا دفاع کریں گے، پاکستان اللہ کے فضل سے دنیا کی ساتویں بڑی ایٹمی طاقت اور بہترین مسلح افواج کا حامل ملک ہے۔

پاکستان ہماری شناخت ہے۔

وطن عزیز کو آج بھی اندرونی و بیرونی دشمنوں کا سامنا ہے، ہم اپنے وطن عزیز کی تعمیر و ترقی کے بجائے گروہی و انفرادی مفادات کے حصول میں الجھ کر اتنے بے پروا ہو گئے ہیں کہ ہمیں اپنے وطن کے استحکام اور سالمیت کی بھی پرواہ نہیں رہی، آیئے یوم دفاع پاکستان کے موقع پر ہم سب ایک ہو کر 1965ء کا جذبہ دلوں میں جگا کر یہ عہد کریں کہ ہر طرح کے تعصبات سے بالاتر ہو کر وطن کے اندرونی و بیرونی دشمنوں کا مقابلہ کریں گے اور وطن عزیز کی حفاظت دل و جان سے کریں گے۔

دعائے مغفرت: ۔ ستمبر کا مہینہ آتے ہی دل کو ایک ٹیس سی لگتی ہے یہ سوچ کر کہ وہ تاریخ پھر قریب آ رہی ہے جس دن میری والدہ مرحومہ ہمیں اداس چھوڑ کر خالق حقیقی سے جا ملی تھیں، سترہ ستمبر کو میری والدہ مرحومہ کی نویں برسی ہے میری قارئین سے التماس ہے کہ ان کے ایصال ثواب کے لئے دعا کریں اللہ کریم جنت الفردوس میں ان کے درجات بلند کرے آمین۔

اس شمارے میں: ۔ عنبرین ابدال اور حمیرا نوشین کے مکمل ناول، ندا حسین، سباس گل اور قرۃ العین سکندر کے ناولٹ، ام اقصیٰ، شمسہ الطاف، زارا ہنجرا اور قرۃ العین رائے کے افسانے، ام مریم اور سدرۃ المنتہیٰ کے سلسلے وار ناولوں کے علاوہ حنا کے بھی مستقل سلسلے شامل ہیں۔

آپ کی آرا کا منتظر
سردار طاہر محمود

حمد باری تعالیٰ

پار ہے ہیں رزق سب انسان بھی حیوان بھی
وہ ہے خالق وہ ہے رازق اور ہے منان بھی

نعمتیں اس نے زمیں کو دی ہیں بے شمار
اس کے احساں کے مظاہر کھیت بھی کھلیان بھی

رحمتہ اللعالمینؐ کو اس نے بھیجا ہے یہاں
اہل عالم پر ہوا ہے اس کا یہ احسان بھی

ہے عطا اس کی ہماری رہنمائی کے لئے
سیرت شاہؐ مدینہ بے بدل قرآن بھی

شرک جو کرتے ہیں جانیں یہ گہنہ ظلم عظیم
مانتا ہے وحدت معبود کو شیطان بھی

بخشتا ہے وہ گناہوں کو وہ کرتا ہے گرفت
نام اس کا ایک ہے قہار وہ رحمٰن بھی

پھول کرتا ہے دعا ہر شر سے یہ محفوظ ہو
خار و خس تخلیق اس کی سنبل و ریحان بھی

تنویر پھول

نعت رسول مقبول ﷺ

دل کی دنیا میں ہے روشنی آپؐ سے
ہم نے پائی نئی زندگی آپؐ سے

کیوں نہ نازاں ہوں اپنے مقدر پہ ہم
ہم کو ایمان کی دولت ملی آپؐ سے

کل بھی معمور تھا آپؐ کے نور سے
ہے منور جہاں آج بھی آپؐ سے

دشمنوں پر بھی در رحمتوں کا کھلا
راہ و رسم محبت چلی آپؐ سے

دل کا غنچہ چٹکتا ہے صلی اللہ
اپنے گلشن میں ہے تازگی آپؐ سے

سب جہانوں کی رحمت کہا آپؐ کو
کتنا خوش ہے خدا یا نبی آپؐ سے

ختم ہے آپ پر شان پیغمبری
یہ روایت مکمل ہوئی آپؐ سے

ناصر کاظمی

پیارے نبیﷺ کی پیاری باتیں

ادارہ

مسجد حرام اور مسجد نبویؐ میں نماز کی فضیلت

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''میری اس مسجد میں ایک نماز، مسجد حرام کے سوا کسی بھی مسجد میں پڑھی جانے والی ہزار نمازوں سے افضل ہے۔''

دنیا میں سب سے افضل مسجدیں تین ہیں، مسجد حرام جس کے اندر خانہ کعبہ ہے، مسجد نبویؐ اور مسجد اقصیٰ، اس لئے ان تینوں مسجدوں کی زیارت کے لئے اور وہاں عبادت کی نیت سے سفر کرنا جائز اور ثواب کا کام ہے، ان کے علاوہ کسی بھی مقام، مسجد، مزار وغیرہ کی طرف اس نیت سے سفر کر کے جانا جائز نہیں کہ وہاں عبادت کا ثواب زیادہ ہوگا کیونکہ قبرستان میں تو نماز پڑھنا منع ہے اور دوسری تمام مساجد کا ثواب برابر ہے، لہٰذا سفر کا فائدہ نہیں، البتہ مسجد قباء کی فضیلت بھی دیگر احادیث سے ثابت ہے، اس لئے یہ چوتھی مسجد ہے جس کی مدینے میں ہوتے ہوئے زیارت کے لئے جانا مستحب ہے۔

مسجد نبویؐ میں ایک نماز کا ثواب ایک ہزار نماز کے برابر ملے، اس لئے جب مدینہ شریف جانے کا موقع ملے تو زیادہ سے زیادہ نمازیں مسجد نبویؐ میں باجماعت ادا کرنے کی کوشش کرنی چاہیے، اس میں چالیس نمازیں پوری کرنے کی شرط نہیں۔

بعض روایات میں مسجد نبویؐ میں ایک نماز کا ثواب پچاس ہزار نمازوں کے برابر آیا ہے۔

بیت المقدس کی مسجد میں نماز کا بیان

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آزاد کردہ خاتون حضرت میمونہ بنت سعدؓ سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا، میں نے عرض کیا۔

''اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! ہمیں بیت المقدس کے بارے میں مسئلہ بتا دیجئے۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''وہ حشر نشر کی سرزمین ہے، وہاں جا کر نماز پڑھا کرو کیونکہ اس جگہ میں ایک نماز پڑھنا کسی اور جگہ ہزار نمازیں پڑھنے کی طرح ہے۔''

میں نے عرض کیا۔

''یہ فرمائیے کہ اگر مجھے سفر کر کے وہاں جانے کی طاقت نہ ہو؟'' (تو کیا کروں؟) فرمایا۔

''اس مسجد کے لئے تیل بھیج دو جس سے اس میں چراغ جلائے جائیں جس نے یہ کام کیا، وہ بھی ایسے ہی ہے جیسے وہ شخص جو (زیارت کے لئے) وہاں گیا۔''

حضرت عبد اللہ بن عمروؓ سے روایت ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''جب حضرت سلیمان بن داؤد علیہ السلام بیت المقدس کی تعمیر سے فارغ ہوئے تو انہوں نے اللہ سے تین چیزیں مانگیں۔

''ایسا فیصلہ جو اللہ کے فیصلے کے مطابق ہو۔''

''ایسی بادشاہت جو ان کے بعد کسی کو عطا نہ ہو۔''

''جو شخص بھی اس مسجد میں صرف نماز کی نیت سے آئے وہ گناہوں سے اسی طرح پاک صاف ہو جائے جس طرح اس دن (گناہوں سے پاک) تھا جب اسے اس کی ماں نے جنم دیا تھا۔''

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''دو چیزیں تو انہیں مل چکیں اور مجھے امید ہے کہ تیسری بھی مل ہی گئی ہے۔''

اللہ کے فیصلے کے مطابق کا مطلب یہ ہے کہ انہیں صحیح فیصلے کرنے کی توفیق ملے اور ان سے اجتہادی غلطی نہ ہو۔

پہلی دو درخواستوں کی قبولیت قرآن میں مذکور ہے، ارشاد ہے، ترجمہ:۔ ''ہم نے اسے حکمت دی اور بات کا فیصلہ کرنا'' نیز ارشاد ہے۔ ترجمہ:۔ ''انہوں نے کہا، اے میرے رب! مجھے بخش دے اور مجھے ایسی بادشاہت عطا فرما جو میرے سوا کسی کے لائق نہ ہو، بلاشبہ تو ہی بہت عطا کرنے والا ہے، چنانچہ ہم نے ہوا کو ان کے ماتحت کر دیا، وہ ان کے حکم سے جہاں وہ چاہتے، نرمی سے پہنچا دیا کرتی تھی اور ہر عمارت بنانے والے غوطہ خور شیاطین (جنات) کو بھی (ان کے ماتحت کر دیا،) اور دوسرے (جنات) کو بھی جو زنجیروں میں جکڑے ہوئے تھے۔''

اس حدیث میں بیت المقدس کی زیارت اور وہاں نماز پڑھنے کی فضیلت کا بیان ہے۔

ثواب کی نیت

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''کجاوے کس کر صرف تین مسجدوں کی طرف سفر کیا جا سکتا ہے، مسجد حرام، میری یہ مسجد (مسجد نبویؐ) اور مسجد اقصیٰ۔''

کسی اور مسجد، قبر، پہاڑ یا غار وغیرہ کی طرف ثواب کی نیت سے سفر کرنا زیارت کے لئے جانا ممنوع ہے، صرف یہ تین مساجد ایسی ہیں جن کی طرف ثواب کی نیت سے سفر کرنا جائز ہے، حجاج کرام کو چاہیے کہ جب مکہ سے مدینہ جائیں تو نیت مسجد نبویؐ کی ہونی چاہیے نہ کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر مبارک کی، کیونکہ قبر کی نیت سے سفر کرنے کا حکم نہیں دیا گیا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''کجاوے کس کر سفر کیا جائے مگر تین مسجدوں کی طرف، مسجد حرام کی طرف، مسجد اقصیٰ کی طرف اور میری اس مسجد کی طرف۔''

زیارت کے لئے سفر صرف ان تین مساجد کی طرف جائز ہے، اس کے علاوہ کسی جائز مقصد کے لئے سفر کر کے کسی بھی مقام پر جانا جائز ہے، مثلاً حصول علم کے لئے جہاد کے لئے علما و صلحاء سے ملاقات کے لئے اقارب اور احباب سے ملاقات کے لئے یا تجارت اور ملازمت کے لئے اسی طرح جو شخص مدینہ میں موجود ہے تو وہ مسجد قباء میں جائے تو یہ بھی جائز ہے کیونکہ یہ سفر نہیں۔

مسجد قباء میں نماز کی فضیلت کا بیان

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابی حضرت اسید بن ظہیر انصاریؓ سے روایت ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''مسجد قباء میں ایک نماز ایک عمرے کے برابر ہے۔''

مسجد قباء وہ مسجد ہے جو ہجرت کے بعد سب سے پہلے تعمیر ہوئی، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ پہنچنے سے پہلے چند روز قباء تشریف فرما رہے اور وہاں مسجد کی بنیاد رکھی، نبی اکرم صلی اللہ علیہ

وآلہ وسلم ہفتہ میں ایک بار وہاں جا کر نماز پڑھا کرتے تھے۔

مدینہ میں قیام کے دوران میں مسجد قباء کی زیارت کے لئے جانا چاہیے تاکہ عمرے کا ثواب حاصل ہو اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اتباع کا ثواب بھی مل جائے۔

جامع مسجد میں نماز کا ثواب

حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

”آدمی کا اپنے گھر میں نماز پڑھنا ایک نماز کے برابر ہے اور اس کا قبیلے (یا محلے) کی مسجد میں نماز پڑھنا پچاس نمازوں کے برابر ہے اور جامع مسجد میں نماز پڑھنا پانچ سو نمازوں کے برابر ہے ور مسجد اقصیٰ میں نماز پڑھنا پچاس ہزار نمازوں کے برابر ہے اور میری مسجد (مسجد نبویؐ) میں نماز پڑھنا پچاس ہزار نمازوں کے برابر ہے اور مسجد حرام میں نماز پڑھنا ایک لاکھ نمازوں کے برابر ہے۔“

سب سے پہلے منبر کیسے بنا؟

حضرت ابی بن کعبؓ سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا۔

جب مسجد نبویؐ ایک چھپر کی صورت میں تھی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کھجور کے ایک تنے کی طرف (منہ کر کے) نماز پڑھا کرتے تھے اور اسی تنے سے ٹیک لگا کر خطبہ دیتے تھے، ایک صحابیؓ نے عرض کیا۔

”کیا ہم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے کوئی ایسی چیز نہ بنا دیں جس پر آپ جمعہ کے دن (خطبہ دینے کے لئے) کھڑے ہوا کریں تاکہ لوگ آپ کی طرف متوجہ ہوسکیں اور آپ کا خطبہ (اچھی طرح) سن سکیں؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

”ہاں۔“

اس نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے (منبر کے) تین درجے بنا دیے، وہی (تین سیڑھیاں) اب (موجود) منبر کا سب سے بالائی حصہ ہے۔

جب منبر تیار ہوگیا تو صحابہ کرامؓ نے اسے اسی مقام پر رکھا جہاں وہ اب ہے، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اٹھ کر منبر پر جانے لگے تو اس تنے کے پاس سے گزرے جس سے ٹیک لگا خطبہ دیا کرتے تھے، جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس سے آگے بڑھے تو وہ زور زور سے رونے لگا حتیٰ کہ (شدت غم سے) اس کی آواز پھٹ گئی، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنے (کے رونے) کی آواز سنی تو (منبر سے) نیچے تشریف لے آئے، اس (تنے) پر ہاتھ پھیرتے رہے حتیٰ کہ وہ خاموش ہوگیا، اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پھر منبر پر تشریف لے گئے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب نماز پڑھتے تھے تو اس کے پیچھے نماز پڑھتے تھے، جب مسجد نبوی کو (دوبارہ تعمیر کرنے کے لئے) مہندم کیا گیا اور مسجد کی عمارت میں تبدیلی (اور توسیع) کی گئی تو وہ تنا حضرت ابی بن کعبؓ نے لے لیا، وہ ان کے پاس ان کے گھر ہی میں رہا، حتیٰ کہ بہت پرانا ہوگیا پھر اسے دیمک نے کھا لیا اور وہ ریزہ ریزہ ہوگیا۔

خطبہ کھڑے ہو کر دینا مسنون خطبہ منبر پر دینا چاہیے۔

☆☆☆

خاموش رہو

ابن انشاء

کچھ کہنے کا وقت نہیں یہ، کچھ نہ کہو، خاموش رہو۔
اے لوگو خاموش رہو...... ہاں اے لوگو خاموش رہو

سچ اچھا، پر اس کے جلو میں، زہر کا ہے اک پیالا بھی
پاگل ہو؟ کیوں ناحق کو سقراط بنو، خاموش رہو

حق اچھا، پر اس کے لئے کوئی اور مرے تو اور اچھا
تم بھی کوئی منصور ہو جو سولی پر چڑھو؟ خاموش رہو

ان کا یہ کہنا سورج ہی دھرتی کے پھیرے کرتا ہے
سر آنکھوں پر، سورج ہی کو گھومنے دو، خاموش رہو

محبس میں کچھ حبس ہے اور زنجیر کا آہن چبھتا ہے
پھر سوچو، ہاں پھر سوچو، ہاں پھر سوچو، خاموش رہو

گرم آنسو اور ٹھنڈی آہیں، من میں کیا کیا موسم ہیں
اس بگیا کے بھید نہ کھولو، سیر کرو، خاموش رہو

آنکھیں موند کنارے بیٹھو، من کے رکھو بند کواڑ
انشاء جی، لو دھاگا اور لب سی لو، خاموش رہو

☆☆☆

امید صبح جمال

اُم مریم

نویں قسط کا خلاصہ

حسین شاہ باخوشی حمدہ کی ضرورت پوری کرتا ہے اس کی توقع سے زیادہ رقم پیش کر کے مگر اس کا مطالبہ حمدہ کو مضطرب کر کے رکھ دیتا ہے۔

آیت مام کی توقعات پہ پوری اترنے میں خود کو ناکام محسوس کرتی ہے تو اپنی ہار تسلیم کرتے معیز کے پاس مدد کے لئے آتی ہے، بدگمان معیز اسے بری طرح رد کر ڈالتا ہے۔

آیت ایک بڑا قدم اٹھانے کا فیصلہ کر کے سب کو حیران کر دیتی ہے۔

اپنا گھر چھوڑ کر وہ حویلی آ چکی ہے اور واپس جانے سے انکار کر رہی ہے۔

کسی بھی متوقع پریشانی سے بچنے کو ابا معیز اور آیت کے نکاح کا فیصلہ کر چکے ہیں۔

اب آپ آگے پڑھیئے

دسویں قسط

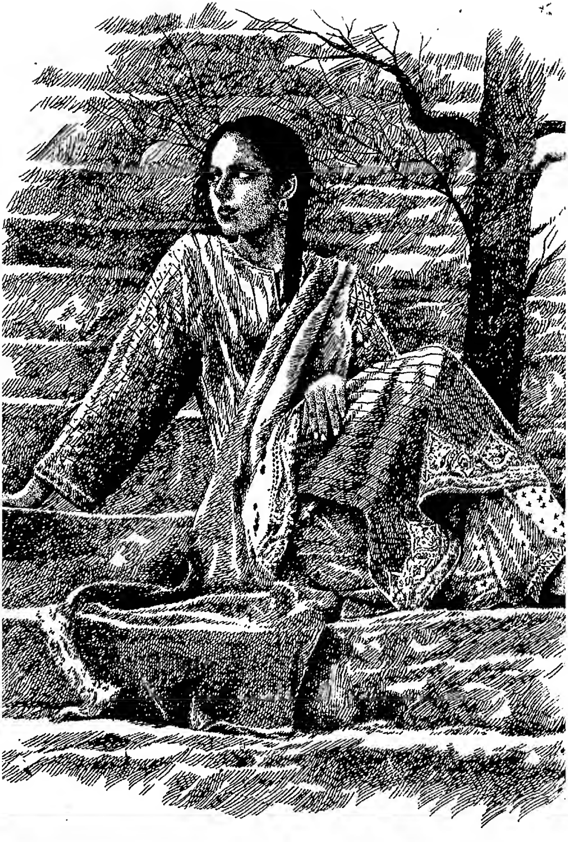

معیز کے ماتھے پہ بل پڑ گئے اور آنکھوں میں عجیب سی تلخی چھاتی چلی گئی، کچھ دیر وہ یونہی خ
نظروں سے انہیں دیکھتا رہنے کے بعد بے حد تیکھے لہجے میں گویا ہوا تھا۔

''نکاح...... مگر کس کے ساتھ؟''

''کس کے ساتھ؟''

ابا کو اس سے ایسے سوال کی بالکل توقع نہیں تھی، بپھر کر ایسے پھاڑ کھانے والے انداز میں ا
کی سمت پلٹے کہ ایک لمحے کو اماں ڈر گئیں کہیں معیز کو سچ مچ تھپڑ نہ جڑ ڈالیں۔

''اوئے تجھے کس نے کہا کہ تو کہیں کا شہزادہ ہے اور تیرے لئے رشتوں کی لائن لگی ہوئی ہے
اونہہ نخرہ دیکھو کس کے ساتھ؟'' ابا کا قہر ختم ہونے میں نہیں آیا، معیز انہیں پر تپش نظروں سے دیک
رہا۔

''میرا خیال ہے ایک اس قسم کا اقدام آپ پہلے بھی کر چکے ہیں بلکہ اسے میں اگر کھیل کہوں
زیادہ مناسب ہوگا۔''

ادھر بھی لحاظ کا فقدان پڑ گیا، بڑا اکھڑا توڑ جواب آیا تھا تو اس کی وجہ اندر بیٹھی آیت کی یہاا
موجودگی تھی وہ ابا کو نہیں درحقیقت اس پہ اس کی اوقات واضح کر رہا تھا۔

''بھائی...... کیا ہو گیا آپ کو...... ادھر آئیں پلیز۔'' محسن بیٹھک سے تقریباً بھاگتا آیا ا
عجلت بھری مداخلت کی ساتھ ہی ابا کا ہاتھ پکڑ لیا۔

''ابا جی...... آپ بھی آئیں، غصہ تھوک دیں مہربانی کر کے۔'' اس کا انداز منت آمیز
دونوں کو تقریباً اپنے ساتھ کھینچتا ہوا وہ زبردستی بیٹھک میں لے گیا۔

''یہاں بیٹھیں آپ۔''

اس نے انہیں کرسیوں پہ بٹھایا پھر باری باری دونوں کو عاجزی سے دیکھا، جن کے چہر
تنے ہوئے تھے، معیز کا ابا سے زیادہ تو ابا کا معیز سے زیادہ۔

''غصہ کیوں کر رہے ہیں آپ؟''

''غصہ میں نہیں، یہ کر رہے ہیں۔'' معیز نے جھٹ نخوت بھرا جواب دیا۔

''ہاں اس کی زبان سے تو باپ کے لئے پھول جھڑتے ہیں۔'' ابا نے بھی جواب شکوہ کر د
محسن نے گہرا سانس کھینچا۔

''معذرت کے ساتھ ابا جی، آپ کو پہلے بھائی کو اعتماد میں لینا چاہیے تھا، آپ کو طریقے سلی
سے یہ بات رات ہی بھائی سے کرنی بنتی تھی۔'' محسن نے مصالحانہ انداز میں باپ کو غلطی کا احسا
دلایا تو ابا ہتھے سے اکھڑنے لگے۔

''شاباشے پتر...... یہی دن دیکھنا باقی تھا مجھ بڈھے کو کہ میری اولاد اٹھ کر مجھے میری غلطیا
بتائے گی۔''

انداز ایسا ملامت آمیز تھا کہ محسن گڑبڑا کر رہ گیا، وہی روایتی رویہ، بزرگ غلط ہو کر بھی اپ
غلطی تسلیم کرنا توہین سمجھتے ہیں، حالانکہ ضروری نہیں ہمیشہ اولاد ہی غلطی پہ ہو، غلطی کسی سے بھی
سکتی ہے مگر ضروری امر اپنی غلطی کو ماننا اور اصلاح ہے اس پہ قائم رہنا اکڑنا نہیں مگر یہ بات محس

PakistaniPoint
www.pakistanipoint.com

بہر حال انہیں نہیں سمجھا سکتا تھا کہ جواب میں مزید ڈانٹ پڑ سکتی تھیں، گستاخی کا طعنہ مل سکتا تھا تو اس میں قصور بھی ابا کا نہیں تھا، ان کو ماحول اور حالات ہی ایسے ملے تھے کہ وہ خود کو والد اور بزرگ ہونے کے ناطے درست ہی تصور کرتے تھے ہر لحاظ سے۔

''میرا یہ مطلب نہیں تھا، خیر چھوڑیں ابا...... آپ بھائی کو اصل بات بتائیں کس وجہ سے یہ نکاح ضروری ہے۔'' محسن نے بے حد نرمی سے صلح کا پرچم لہرانے کی کوشش کی مگر ابا روٹھے ہوئے ہی رہے۔

''نا...... میں تو ٹھہرا ان پڑھ جاہل، تو خود سمجھا دے اپنے بھائی کو۔'' انہوں نے نروٹھے پن سے منہ پھلا کر کہا، محسن سرد آہ بھر کے رہ گیا۔

''بھائی دراصل ابا......''

''یہ سب بے کار ہوگا محسن، رات میں سب کچھ سن چکا ہوں، یہ لڑکی جو کل تک کسی طرح بھی میرے ساتھ کو گوارا نہ کرتی تھی مجھے اپنے قابل نہیں سمجھتی تھی، آپ لوگ یہ کیوں نہیں سوچتے کہ اب اچانک یہاں اس طرح کیوں چلی آئی، اتنی آسانی سے آپ لوگ اگر اس کی سازش کا شکار ہو جائیں گے تو پھر اس کے سوا کیا کہا جا سکتا ہے کہ ہماری عقلیں گھاس چرنے گئی ہوئی ہیں۔'' اس کے انداز میں بھرے ہوئے تنفر نے ابا کو آگ لگا کے رکھ دی۔

''سن لیا...... ٹھنڈ پڑ گئی تجھے اس کی سن کر؟ یہ خود کو بہت عقل مند سمجھتا ہے اور میرا ہر جگہ پہ سر جھکانا چاہتا ہے۔'' ابا چمک کر بول پڑے، معیز نے ہونٹ بھینچ کر بہت ہارے ہوئے انداز میں انہیں دیکھا تھا، پھر گہرا متاسفانہ سانس بھر کے اٹھ کھڑا ہوا۔

''میں ایسا کبھی نہیں چاہوں گا ابا کہ آپ کا کبھی بھی سر میری وجہ سے جھکے میں نکاح کے لئے تیار ہوں آپ بے فکر ہو کر تیاری کر سکتے ہیں۔''

بے حد ٹھہرا ہوا انداز تھا ابا ڈھنگ سے خوش بھی نہ ہو پائے تھے کہ ادھ کھلے دروازے کو پورا وا کرتی ہوئی آیت اندر کمرے میں چلی آئی۔

''میں اس نکاح کو ایسے نہیں کر سکتی میری شرط انہیں ماننا پڑے گی۔'' معیز کو دیکھتے وہ مخاطب ابا ے ہوئی تو تینوں بیک وقت چونک پڑے، معیز خاص کر بہت حیران ہو کر اسے دیکھنے لگا تھا، ابھی ات ہی جب وہ چائے بنا کر کچن سے نکلا تو اسے واش بیسن پہ ہاتھ دھوتے پا کر کسی طرح بھی خود کو اس کے پاس جانے سے روک نہیں سکا تھا۔

''اپنی معصومیت کا ڈھونگ رچا کر تم باقی سب کو تو بے وقوف بنا سکتی ہو مگر یاد رکھنا میں تمہاری س چال میں نہیں آؤں گا، مجھے بتانا پڑے گا تمہیں کہ تم یہاں کس سازش کے تحت آئی ہو، کس نے یجا ہے تمہیں۔''

اس کا بازو بہت بے دردی سے اپنی فولادی گرفت میں جکڑ لینے کے بعد وہ اتنے بے رحم سرد از میں سوال کر رہا تھا کہ آیت کو لگا تھا اس شخص کے اندر دل نام کی کوئی چیز نہیں، رحم سے عاری ں کا انداز آیت کو روہانسا کر گیا تھا۔

''چھوڑیں مجھے۔'' وہ بے بسی سے کراہی تھی، معیز بہت سفاکی سے مسکرایا۔

”میں تو چھوڑنا ہی چاہتا تھا مگر اب تم ایسا نہیں چاہتی تو......“ معنی خیز انداز ادھوری بات آیت کو اس پل بہت بڑے آنگن میں اس کے ہمراہی پہ بہت خوف محسوس ہوا۔

”معیز ...... میرا بازو چھوڑیں۔“ اس کی آواز غم و غصے کی شدت سے بھیگ گئی، وہ اس ک عزت تھی مگر اس پل بہت گری پڑی شے لگی خود کو۔

”یہاں سے میرا کمرا زیادہ فاصلے پہ نہیں ہے، پورا قانونی و شرعی حق بھی ہے تم پہ، جسے اگر می استعمال کرلوں تو کون روک سکے گا مجھے۔“

اپنی بہت گستاخ آنکھیں اس کی ڈری سہمی نم آنکھوں میں گاڑھتا ہوا وہ جیسے پھر اس پہ اس حیثیت جتلا رہا تھا، آیت کی ریڑھ کی ہڈی میں سرد لہریں دوڑتی چلی گئیں، خشک ہونٹوں پہ زبا پھیرتے اس نے رحم طلب نظروں سے اس بے حس شخص کو تکا تھا۔

”آپ ایسی باتیں نہیں کر سکتے مجھ سے۔“ بے مائیگی کا احساس اسے دلا گیا تھا۔

”میری جان...... اتنا بے قرار تھیں میری پناہوں میں آنے کو تو پھر یہ گریز کیسا، کیوں ڈر ر ہو۔“ اس نے یک دم اسے بانہوں میں بھر کے ایسے بھینچا کہ آیت کو لگا اس کا دم کھل جائے طنزیہ انداز میں کہی گئی بات الگ پانی پانی کر گئی تھی۔

”ہٹ جائیں ورنہ میں شور مچا دوں گی، سب کو اکٹھا کرلوں گی، عزت تو قائم رکھنا چاہیں ۔ آپ اپنی......“ اس کی کلائی میں دانت گاڑھتے وہ اتنی تلخی سے گویا ہوئی کہ معیز بجائے خائف ہونے کے ہنستا چلا گیا تھا۔

”تم اپنا یہ ارمان بڑے شوق سے پورا کرو تمہارا یہ اقدام میری مشکل آسان کردے گا تمہ اور آسانی سے ذرا اور جلدی میری کمرے تک پہنچا دے گا، بھلا بتاؤ کس کا بھلا کرو گی تم؟“ اس چہرہ ہاتھوں میں اٹھا کر اس پر جھکتا ہوا وہ کیسے غرور سے بات کر رہا تھا، آیت کی آنکھیں چھلک پڑیں۔

”مجھے اندازہ ہوتا آپ ایسے گھٹیا ہیں تو کبھی یہاں نہ آتی۔“ وہ بھی پھٹ پڑی، معیز ب عجیب انداز میں مسکرایا۔

”چلو اب آ ہی گئی ہو تو بتا دو کس مقصد کے تحت آئی ہو؟“ اس کا انداز نہیں بدلا تھا، آیت غ سے پاگل ہوگئی۔

اس کے سینے پہ دونوں ہاتھ رکھ کر مشتعل انداز میں دور دھکیل دیا۔

”میں چاہتی تھی میں تم سے محبت کروں، مگر میں غلط تھی، اب ایسی حماقت میں نہیں پڑ گی۔“ بھرائی ہوئی آواز میں کہتی وہ پلٹ کر بھاگ گئی، معیز کتنا ڈسٹرب ہوگیا تھا، ساری رات ا آواز کی بازگشت اسے مضطرب کرتی رہی اور اب وہ ایک نئے روپ میں سامنے کھڑی تھی۔

”آیت پتر......“ ابا پریشان ہو کر اٹھ کھڑے ہوئے، محسن بھی حیران نظروں سے اسے تک تھا۔

”محبت کا وعدہ نہیں ہے تاؤ جان مگر وفاداری پہلی شرط ٹھہرے گی، میں کبھی آپ لوگوں کو ا دھوکہ نہیں دوں گی، میری شرط نہیں گزارش سمجھ لیں، یہ نکاح اکیلا نہیں اس میں ایثال اور آزر کو

شامل کرلیں، وہ دونوں بہت پسند کرتے ہیں اک دوسرے کو، میری ریکوئسٹ ہے میرے بھائی کو اس کی خوشی دے دیں۔" وہ کہہ رہی تھی تو کیا، معیز حق دق کھڑا رہ گیا، محسن نے گہرا سانس بھرا، ابا نم آنکھوں سے مسکرا دیئے تھے، پھر آگے بڑھ کر اپنا ہاتھ آیت کے سر پہ رکھ دیا، یہ رضا مندی کا اشارہ تھا جسے پا کر اس کا چہرہ چمک اٹھا تھا، جھک کر ان کے ہاتھ کا بوسہ لیتی وہ سرخوشی کے عالم میں پلٹ کر بھاگ گئی۔

"میں آزر کو خوشخبری سناتی ہوں۔"

"چل پتر...... اک میں دو نکاحوں کا بندوبست کرواں۔" انہوں نے نہال ہو کر محسن کو کہا اور اماں کو آوازیں دیتے خود بھی باہر چلے گئے۔

"آپ کو خوشی نہیں ہوئی، آپ کا سونا کمرہ چوڑیوں کی کھنک سے آباد ہونے جا رہا ہے۔" محسن نے شرارت سے کہتے اسے کاندھا مارا تھا، معیز پہلے کھسایا پھر اسے گھورنے کا فریضہ انجام دیتا خواہ مخواہ کھانسنے لگا۔

☆☆☆

بے قراری کوئی شیوہ تو نہیں کہ بس اب
عمر بھر کے لئے اپنا ہی لیا جائے اسے
دل گرفتہ کسی لمحے میں جنم لینا، اگرچہ کوئی معیوب نہیں
پھر بھی بہت مشکل ہے
دل گرفتہ کسی لمحے سے رہائی کبھی ملتی ہی نہیں
ہم نے بارش سے بیاہی ہیں اگرچہ آنکھیں
پھر بھی صحراؤں کی تاثیر جلاتی ہے انہیں
ہم اگرچہ کسی پیچاک میں الجھے ہوئے لگتے تو نہیں
ہم کسی خاک میں لتھڑے تو نہیں
ہم اگرچہ کسی زرتار کی پوشاک میں جکڑے تو نہیں ہیں لیکن
پھر بھی دنیا کے دکھاوے کے لئے اچھا ہے
ایسی درویشی بھی اچھی نہیں ہوتی کہ یہ دنیا ہمیں کم تر سمجھے
خود سے یا اور کسی سے بھی ہم کم سمجھے
بے قراری کوئی شیوہ نہیں
جاں لیوا ہے
بے قراری کوئی عادت نہیں
مجبوری ہے
بے قراری کوئی بے وجہ نہیں
دل گرفتہ کسی لمحے میں جنم لینے کی بیماری ہے

سادگی کا پر زور نعرہ لگاتے بھی اچھی خاص گہما گہمی تو ہو ہی گئی تھی، وہ بہت سکون کی کیفیت

میں کھڑی یہ ہلچل دیکھتی رہی، معیز کے سارے چچا اپنی فیملیوں سمیت پہنچ چکے تھے، اماں خاص بوکھلاہٹ کا شکار لگتی تھیں، انہیں بہو اور بیٹی کے لئے اتنا اچانک کوئی عروسی جوڑا ایسا نظر نہیں آ رہا تھا جو انہیں زیب تن کروا دیتیں، تبھی دیورانی کے ہمراہ شہر سدھاریں خریداری کو، آیت نے آزر کو فون کر کے بس اتنا کہا تھا۔

’’تم گاؤں آ جاؤ تاؤ جان کی حویلی میں، تمہارے لئے سرپرائز ہے۔‘‘ جبکہ وہ تو اس کی آواز سن کر ہی جیسے زندہ ہو گیا تھا، پے در پے سوال کرتا چلا گیا۔

’’تھنک گاڈ تم زندہ ہو، میں تو سمجھا اللہ کو پیاری ہو گئی ہو اور یہ تم سسرال کی حویلی کیا کر رہی ہو، ارے کہیں معیز بھائی کے ہمراہ خود ہی رخصت تو نہیں ہو گئیں اور اب مجھے اپنے ولیمے پہ انوائیٹ کر رہی ہو۔‘‘

’’بکو مت...... آ جاؤ باقی باتیں آمنے سامنے۔‘‘ اس نے منہ بنا کر ٹوکا، آزر بھی اسی شد و مد سے شروع ہوا۔

’’ادھر مام کا ہارٹ فیل ہو رہا ہے تمہیں غائب پا کر، تمہاری سب فرینڈز کے پاس ڈھونڈ لیا تمہیں، اب معیز بھائی کے خلاف ایف آئی آر درج کروانے گئی ہیں اور ہاسپٹل پہنچ گئی ہیں، بس انتظار کرو تمہارے دولہا کو پولیس پکڑنے آتی ہو گی۔‘‘ وہ ہنسا، آیت مسکرا دی۔

’’اچھا ہے پولیس پکڑ کر لے جائے۔‘‘

’’ہائیں، تم کیسی دلہن ہو جو اپنے شوہر کو خود با خوشی پولیس کے حوالے کر رہی ہو۔‘‘ وہ چیخا، آیت نے جھلا کر فون بند کر دیا، اور اگلے تین گھنٹوں میں وہ اس کے سامنے تھا۔

’’اگر یہی سب کرنا تھا تو اتنے کھڑاگ پیدا کرنے کی کیا ضرورت تھی نکمی لڑکی۔‘‘ وہ اسے ڈانٹ رہا تھا، آیت یاسیت سے مسکرا دی۔

’’یہ کھڑاگ تمہاری وجہ سے پیدا کیے، ورنہ وہ ہٹلر تمہیں ہرگز آسانی سے اپنی بہن نہ دیتا۔‘‘ اس جواب پہ آزر کی آنکھیں پوری کھل گئیں۔

’’کیا کہا؟‘‘

’’سرپرائز کے بارے میں نہیں پوچھا تم نے۔‘‘

’’ارے ہاں، کون سا سرپرائز؟‘‘ وہ چونکا۔

’’وہی جس کے لئے تمہیں یہاں بلوایا ہے۔‘‘ آیت اب کھل کر مسکرا رہی تھی۔

’’یہ دیکھ رہے ہو؟‘‘ اس نے باہر اشارہ کیا، جہاں مہمان تھے اور شام کی تقریب کے لئے کھانے کی تیاری میں دیگیں چڑھ رہی تھیں۔

’’ہاں تو......؟‘‘ آزر نے ابرو اچکایا۔

’’تم اس تقریب کے دولہا ہو بے وقوف، تمہارا نکاح ہو رہا ہے، ایشال کے ساتھ۔‘‘ آبدیدہ ہو کر کہتی وہ اٹھ کر اس کے کاندھے سے آ لگی، آزر تو جیسے شاکڈ رہ گیا تھا۔

’’تم مذاق کر رہی ہو؟‘‘ وہ سٹپٹا گیا۔

’’بالکل نہیں۔‘‘ اس نے اطمینان سے کہا تو آزر بھونچکا سا اسے دیکھتا رہ گیا۔

''یہ......سب کیسے کیا تم نے؟'' اس کے لہجے میں تشکر عقیدت اور مسرت ہی مسرت تھی۔

''کسی کو سبق سکھانے اور آئندہ کے لئے قابو رکھنے کے لئے ضروری تھا۔'' وہ زیر لب بولی تھی، آزر کو سمجھ نہیں آئی تھی۔

''کیا کہا؟''

''کچھ نہیں بس اب تم انجوائے کرو، میں یہی چاہتی تھی کہ ہم دونوں کے لئے جو خواب پپا کی آنکھوں نے بنے وہ شرمندہ تعبیر پا جاتیں۔'' اس نے اپنی آنکھیں ہاتھ کی پشت سے رگڑیں تو آزر چونک اٹھا۔

''تم خوش کیوں نہیں ہو آیت، معیز بھائی واقعی اس قابل ہیں کہ تمہارے شریک حیات کا درجہ پاتے۔''

آزر نے اس کے ہاتھ تھام لئے، وہ محض یاس زدہ انداز میں مسکرا دی۔

''آپ یہی سمجھ سکتے ہیں، میرے پاس اور کوئی راستہ بھی نہیں تھا۔'' وہ بڑبڑائی تو آزر ٹھٹک گیا۔

''کیا تم نے یہ سب کچھ میرے لئے کہا ہے؟'' آیت ایک دم خود کو سنبھال گئی۔

''اب ایسا بھی نہیں ہے، وہ پینڈو ضرور ہے مگر ہے خاصا ہینڈسم، سوچا پپا کی چوائس کو ہی ایکسیپٹ کر لوں۔'' مقدور بھر شوخی لہجے میں سمو کر وہ اس طرح بولی کہ آزر واقعی مطمئن ہو گیا تھا۔

☆☆☆

دشمنی دل سے ہوئی وابستہ
اک جہاں بھاگ پڑا دل کی طرف
کون جھپٹے گا بھلا پہلے رگ نازک پر
کون کس خانے پہ ٹوٹے گا مصیبت بن کر
وار پہلے کوئی کس سمت سے کر جائے گا
اپنی اپنی کسی بے مائیگی ذات کے ہاتھوں میں پلے لوگ کہاں چھوڑتے ہیں
اپنی اپنی کسی محرومی کی محکومی میں آئے ہوئے منحوس غلام
نیتوں کی ہی مریضانہ روش میں جکڑے
بڑھ رہے ہیں چاروں جانب
گھیرتے جاتے ہیں معصوم دل آزردہ
شہر میں جرم ہے معصومی و پاکیزگی و سادہ دلی
اب تو حکمت کے سوا چارہ نہیں ہے کوئی
یہ ضروری تو نہیں ہے کہ ہمیشہ وہی قربانی دے جو سچا ہو
جھوٹ کو کیوں نہ لتاڑا جائے
کیوں نہ بھالا کوئی شیطان کے سینے میں اتارا جائے
کیوں نہ اس بار کیٹس سر

سر میداں یزیدوں کے مہارت کے ساتھ
کیوں نہ اب مشعلیں تاریکی کے سینے میں اتاری جائیں
کیوں نہ فرعون کی گردن میں شکنجہ ہو کس موسیٰ کا
دشمنی دل سے ہے وابستہ تو پھر بھی کیا ہے
دل تو وابستہ عداوت سے نہیں
دل تو مائل نہیں بے دل کی طرف
وقت کو چاہیے کچھ دیر کو الٹا بھی چلے
کچھ تو مظلوموں کی تاریخ بھی بدلے آخر
حکمت غم کا اجارہ بھی ضروری ہے
حکومت بھی بہت لازم ہے

جب وہ پیدا ہوا تو ہرگز اسے خوب صورت بچہ نہیں کہا جا سکتا تھا، اس نوزائیدہ بچے کو گود میں لئے ماں یاس سے اسے دیکھتی رہتی کس پہ چلا گیا، یہی خیال جب اپنی ماں سے ظاہر کیا تو بوڑھی نانی اس بدخیالی پہ بیٹی سے خفا ہو گئیں، بچے کو اپنی گود میں لیا اور بیٹی کو تنبیہ کی تھی۔

”خبردار...... دوبارہ ایسا سوچنا بھی مت...... اللہ نے پہلا بیٹا دیا ہے اس طرح نعمت کی ناشکری نہیں کرے اور میری یہ بات پلے باندھ لے، یہ بچہ بڑا ہو کر عزت و عظمت کی بلندیوں کو چھوئے گا، اگر زندگی نے وفا کی اور میں اسے بلندیوں کے سفر پہ گامزن دیکھ سکی تو تمہیں ضرور یاد دلاؤں گی ورنہ میری قبر پر آ کر مجھے بتانا ضرور۔“

اور آج ماں نم آنکھوں سے سوچتی تھی۔

”اماں......آپ نے سچ کہا تھا، میرے بیٹے نے میرا سر فخر سے بلند کر دیا، واقعی سیالکوٹ کی تحصیل پسرور میں رانا محمد ابراہیم کی حویلی کے ایک چھوٹے سے نیم تارک کمرے میں آنکھیں کھولنے والے اس ننھے سے بچے کے بارے میں کون جانتا تھا کہ یہ بڑا ہو کر آسمان جہاد پر ایک درخشاں اور تابندہ ستارے کی مانند ابھرے گا اور اپنی کرنوں سے کفر کے ایوانوں کو بھسم کر کے رکھ دے گا، کون جانتا تھا کہ اس بچے کا بچپن قابل رشک جوانی قابل فخر اور موت دائمی زندگی کا پیغام ہو گی، پانچ مارچ بہار کی وہ ایک نوخیز صبح تھی اس کے دنیا میں آتے ہی مسجد سے ”اللہ اکبر“ کی صدائیں بلند ہونے لگی تھیں، ہر طرف سے یہ آوازیں گونج رہی تھیں، اللہ بڑا ہے، ہاں صرف اللہ ہی سب سے بڑا ہے، کافی دیر اس کی معصوم سماعتوں سے صدائیں ٹکراتی رہی، پھر یہ بات گویا اس کی گھٹی میں شامل ہو گئی کہ صرف اللہ ہی بڑا ہے اور وہ ساری زندگی اللہ کے سوا کسی سے ڈرا اور نہ کسی کے آگے جھکا، اس کی ذہانت سے معمور بڑی بڑی چمکدار آنکھیں اور چوڑی کھلتی ہوئی پیشانی دیکھ کر اس کی نانی نے جو پیش گوئی کی تھی وہ ایک مدت بعد حرف با حرف سچ ثابت ہوئی، اس کے بازو پہ قدرتی طور پر ”باز“ کا نشان تھا، اس کے نانا ابو نے اس کا نام اشعر شہباز رکھ دیا، پسرور میں اس کا ننھیال تھا اور وہ جتنا عرصہ وہاں رہا اسی نام سے پکارا گیا، اس کا آبائی علاقہ ضلع رحیم یار خان کا علاقہ صادق آباد تھا، مجاہد کالونی گلی نمبر 8 میں اس کا بچپن گزرا، وہ بچپن میں انتہائی ضدی ہوا کرتا

تھا، رات کو جب وہ نیند سے بیدار ہوتا تو جس چیز کا نام زبان سے نکالتا اس کے علاوہ کسی چیز پہ راضی نہ ہو پاتا، نہ ملنے کی صورت میں ساری رات رو کر گزارتا، یہی وجہ تھی کہ اس کے والد محترم نے اس صورتحال سے نپٹنے کے لئے ہر روز ہر طرح کا پھل اس کے لئے لانا شروع کر دیا تا کہ رات کو وہ جس چیز کی طلب کرے وہی پیش کر دی جائے، وقت کے ساتھ ماں کا یہ شکوہ بھی دور ہوا کہ بچہ خوب صورت نہیں ہے، اشعر بڑی اور ساحر آنکھوں گھنگھریالے بالوں والا گول مٹول خوبصورت اور توانا بچہ تھا، ابتدائی تعلیم اپنے محلے کے اسکول سے حاصل کی، بہن بھائیوں میں وہ سب سے منفرد طبیعت کا مالک ثابت ہوا، اسکول میں نہ صرف ہونہار بے باک بلکہ انتہائی ذہین طالب علم کے طور پر جانا گیا، اسکول کے تمام پروگرامز میں چیلنج کے ساتھ حصہ لیتا اور جیت ہمیشہ اس کا مقدر ٹھہرتی، اسے ناکامیوں سے نفرت تھی، اس لئے کوئی بھی کام کرنے سے پہلے محنت بھرپور کیا کرتا، وہ بہادر اور نڈر ہونے کے ساتھ انتہائی رحمدل بھی واقع ہوا تھا، نیکی کا جذبہ وافر مقدار میں موجود تھا، دل میں خوف خدا اور جذبہ جہاد کب پیدا ہوا کسی کو کانوں کان خبر نہ ہو سکی، اللہ نے اسے جو تندرست توانا اور فولادی مضبوط جسم عطا کیا تھا، وہ اس کا حق ادا کرنے کو تڑپ رہا تھا، اسی تڑپ نے اسے ابتدائی طور پہ کرش انڈیا کے نام سے ایک گروپ بنانے پہ اکسایا، جس کے تحت وہ مظلوم مسلمانوں کی مالی امداد کے لئے فنڈ اکٹھا کرتا، اس نے کرش انڈیا، یعنی بھارت کے ٹکڑے ٹکڑے کرنا اپنا عزم بنا رکھا تھا، اپنا سارا جیب خرچ وہ کشمیر فنڈ میں جمع کراتا عید کے مواقع پہ چھوٹے بہن بھائیوں سے کچھ نہ کچھ عیدی زبردستی نکلوا کر کشمیر فنڈ میں جمع کراتا، یعنی وہ پیدا ہی مجاہد ہوا تھا گویا، راہ وفا کا راہی بننے سے قبل اس نے خود کو ہر لحاظ سے تیار کیا، تعلیم کے ساتھ ساتھ جوڈو کراٹے کی ٹریننگ حاصل کی، اس طرح اپنے نظریے کے علاوا اپنے جسم کو بھی پختہ کر لیا، گھر میں اس کی عجیب مشقیں جاری رہتی تھیں، کبھی وہ ریت سے بھرے تھیلے پہ مکے برساتا، کبھی گندم کے ڈرم پہ، گندم بھرنے والا لوہے کا ڈرم آج بھی ٹیڑھا میڑھا اس کی یاد دلانے کو موجود ہے، والد اس کی حرکتوں سے پریشان تھے، ان کی خواہش تھی بیٹا پڑھ لکھ کر بڑا آدمی بنے مگر وہ سب سے پہلے ماہر کراٹے ماسٹر بنا، اس نے صادق آباد میں ایک کراٹے کلب کھولا اور کافی عرصہ نوجوانوں کو ٹریننگ دیتا رہا، کشمیر جانے سے قبل وہ ابھی نوخیز نوجوان تھا، سچ تو یہ کہ وہ عظیم مجاہد تلواروں کے سائے میں محاذوں پر جوان ہوا، اس کے وجود میں بجلیاں بھری رہتی تھیں، کشمیر جانے سے قبل وہ اکھاڑے میں بھی اترا اور نامور پہلوانوں کو مات دے کر دنیا کو حیران کر دیا، نامور پہلوان نے اپنا بلیک بیلٹ اتار کر اسے پیش کرتے ہوئے کہا تحفہ سمجھ کر رکھ لو، مگر اشعر نے شکریہ کے ساتھ واپس لوٹاتے ہوئے جواباً کہا تھا۔"

"مجھے کسی انعام کا لالچ نہیں، میں تو محض اپنی طاقت آزما رہا تھا، مجھے تو کفار سے مقابلہ کرنا ہے۔" یہ بات ان سے پہلے ان کے گھر پہنچ گئی، ماں اتنا ڈری کہ خاندان کی سب سے حسین لڑکی کو اس کے نام کرنے کا تہیہ کر کے گویا اس عزم سے باز رکھنے کی کوشش کی مگر وہ عشق ہی کیا جو طوفان نہ اٹھا دے اور عشق جیت گیا، طوفان آ گیا، اشعر ہر دنیاوی حسن و خوبصورتی کو ٹھکرا کر راہ خدا کا راہی بننے نکل کھڑا ہوا۔"

☆☆☆

آزمائش کے نہاں خانوں میں
اپنے اعزاز کی تسکین بھی پوشیدہ ہے
فطرت کون و مکاں
سود و زیاں کی پابند
آزمائش کی حدیں ختم کہاں ہوتی ہیں
خود پرستی کی بھی تکمیل نہیں ہے ممکن
زخم پر زخم لگاتے جاؤ
درد پہ درد سجاتے جاؤ
خون پر خون بہاتے جاؤ
اپنے اس جرم کا اخفاء بھی
بدل دیتا ہے کردار بظاہر لیکن
وہ جو باطن میں ہے باطن میں ہی ہے
ہم ضرورت سے زیادہ بھی ہوں چالاک تو پھر بھی کم ہیں
ہم فقط باعث دلداری میں
آزمائش جو ہوئی ہے ایجاد
آزمانے کو بھی کچھ چاہیے
اس ہستی بے پایاں کو
راکھ میں پاؤں ڈبو لینا کوئی بات نہیں
بات آتش کی ہوا کرتی ہے
دور تک آگ بچھی ہے تو بچھی رہنے دو
پاؤں انگاروں کو سہتے ہیں تو پھر سہنے دو

پہلے معیز کا پھر آزر کا نکاح بھی خیر و عافیت سے ہو گیا، مبارک بادوں کے شور میں کھانا کھایا گیا، اسی وقت ابا نے اعلانیہ انداز میں آزر کو مخاطب کیا تھا۔

”برخوردار عقد تمہارا ہو گیا مگر پہلے اپنی تعلیم مکمل کرو اور سب سے بڑھ کر اپنی ماں کو راضی کرنے کی کوشش بھی، رخصتی جبھی ہو گی۔“ آزر کا چہرا اتر گیا تھا۔

”یہ بھی شکر ہے ہمیں اپنی بھابھی پوری ملی ہے، تمہاری دلہن کی طرح ادھوری نہیں، یعنی صرف نکاح پہ نہیں ٹرخایا گیا۔“

معیز کی ایک کزن بہت شوخی سے آزر کو چھیڑتے ہوئے بولی تھی، پھر اسی وقت آیت کو مخاطب کر لیا تھا۔

”آیئے بھابھی ہم آپ کو آپ کے حجلہ عروسی میں پہنچا کر آئیں، کھانا وہیں کھایئے گا آپ اپنے دولہا میاں کے ساتھ۔“

ڈل گولڈن شرارے ریڈ چولی اور ریڈ میرون اورنج اور ڈل گولڈن کونبی نیشن کے بے حد خوب صورت دوپٹے میں میک اپ کے نام پہ صرف لپ اسٹک سے سجی آیت رواداری سے مسکرا دی۔

''اس کا فیصلہ ہونا ابھی باقی ہے کہ یہ رخصتی بھی ابھی ہوگی یا تعلیم مکمل ہونے پہ، کیوں آیت؟'' آزر نے تو شرارت سے کہا تھا مقصد محض چھیڑ چھاڑ تھی مگر آیت پوری طرح سنجیدہ ہوگئی۔

''وٹے سٹے میں تو ہر کام ایک جیسا ہوتا ہے، جیسے کو تیسا ہی ہوگا نا پھر۔'' اس نے ترچھی نگاہوں سے معیز کو دیکھتے جتلایا، انداز میں ناراضگی بھی نمایاں تھی، معیز جو بہت ریلیکس انداز میں بیٹھا ہوا تھا بہت چونک کر بلکہ ڈسٹرب سا ہوکر اسے دیکھنے لگا۔

''اس بات سے کیا مطلب ہے آپ کا؟'' اس کا انداز کچھ تپ سا گیا۔

''ان کا مطلب ہے اگر وہ رخصتی نہیں ہو رہی تو یہ بھی نہیں ہوگی۔'' وہی کزن ٹھٹھا لگا کر ہنستے ہوئے بولی، معیز چڑ کر رہ گیا۔

''میں تم سے نہیں پوچھ رہا۔''

''جن سے آپ پوچھ رہے ہیں وہ تو آپ سے خفا لگتی ہیں۔''

اب دوسرا کزن میدان میں کودا، ان سب نے مل کر معیز کو عاجز کرنے کا پروگرام بنا لیا تھا گویا، معیز سوالیہ نگاہوں سے آیت کو دیکھ رہا تھا جواب بے نیاز نظر آ رہی تھی۔

''معیز بھائی بھابھی تو واقعی آپ سے ناراض لگتی ہیں، آپ وہ والا گانا گایئے نا۔''

روٹھے ہو تم تم کو کیسے مناؤں پیا
سینے سے لگ جاؤں کیسے تم کو مناؤں

وہ باقاعدہ لہک کر گانا شروع ہوئی، ہر طرف یا ہو کار مچ گئی، ہنسی کا نہ تھمنے والا بدتمیز قسم کا طوفان شروع ہوگیا، معیز کچھ خفیف نظر آ رہا تھا اب۔

''نہیں نہیں یہ کچھ قابل اعتراض ہے، دیکھو معیز بھائی بھی خجل ہو چکے ہیں، اسے چھوڑیں آپ یہ والا گانا ٹرائی کریں بھائی۔''

کچھ لوگ روٹھ کر بھی لگتے ہیں کتنے پیارے
چپ رہ کر بھی نظر میں
ہیں پیار کے اشارے
کچھ لوگ..............

اب دوسرے کزن نے اپنی پرفارمنس دی، ایک بار پھر سب ٹھی ٹھی کرنے لگے۔

''نہیں نہیں بھائی میرے والا گانا زیادہ بیسٹ ہے، یہ تو ویسے ہی مجھ سے جلتا ہے اس میں قابل اعتراض کیا ہے، دونوں میاں بیوی ہیں اب۔'' پہلے کزن نے بات کو خواہ مخواہ طول دیا، آیت کا چہرا خود کو موضوع گفتگو بنے پا کر سرخ ہوتا جا رہا تھا۔

''اوہو، میاں بیوی تو یہ پہلے بھی تھے، تو کیا معیز بھائی یوں کھلے عام بھابھی کو سینے سے لگاتے پھرتے تھے، اسٹوپڈ...... تم بھی مجھ سے مت جلو اور میرا سلیکٹ کیا گانا ہی گانے دو انہیں۔'' دوسرا

بھی شروع ہوا تھا کہ معیز کا ضبط چھلک گیا۔

''شٹ اپ، جاؤ کھانا کھاؤ جا کر، دفع ہو جاؤ۔'' وہ غصے میں کہہ رہا تھا، سب نے کہاں اثر لیا۔

''ہاں ہم دفع ہوں تا کہ آپ بھابھی سے کھل کر رومینس کر سکیں۔'' انہوں نے مل کر تان لگائی اور پھر رکے نہیں تھے، سر پہ پاؤں رکھ کر سب بھاگے، معیز نے سر زور سے جھٹکا۔

''بدتمیز، شرارت ان کی گھٹی میں شامل ہے۔''

وہ پتا نہیں آیت کو تسلی دے رہا تھا یا اطلاع، وہ کچھ نہیں بولی، ہونٹ بھینچے بیٹھی رہی، معیز نے اسے غور سے دیکھا اور پھر اس کا یہ روپ دیکھ کر بے ساختہ مسکرا دیا۔

''اگر میں تمہاری تعریف کروں تو تم مجھ سے لڑنا تو نہیں شروع کر دو گی۔'' اس کا انداز اب بے حد شریر قسم کا تھا، آنکھیں تک مسکرا اٹھی تھیں، آیت پہلے چونکی پھر اسے گھورنے لگی۔

''میں تمہیں اس کی اجازت نہیں دوں گی۔'' وہ غرائی، معیز کی مسکراہٹ گہری ہو گئی۔

''اجازت مانگی کس نے ہے، میں تو بس اس خوبصورت دن کو کسی تلخی کی نظر نہیں کرنا چاہتا اس لئے احتیاطاً پوچھا تمہیں، اجازتیں تو اب ہمیں ساری از خود مل چکی ہیں۔'' اس کا انداز ذومعنی تھا، آیت نے تنفر سے سر جھٹک دیا۔

''اونہہ، دیکھیں گے۔''

''تم تھک گئی ہو گی، آؤ کمرے تک چھوڑ دوں۔'' معیز نے اپنا ہاتھ اس کی سمت بڑھایا، کوئی خاص اہتمام نہیں تھا، بلیک شلوار سوٹ پہ براؤن لیدر کی جیکٹ پہنے وہ اس عام حلیے میں بھی خاص نظر آ رہا تھا، آیت نے پرتپش نظروں سے پہلے اس کے ہاتھ پھر اس کے چہرے کو دیکھا تھا۔

''جتنی بھی تھک چکی ہوں آپ کے سہارے کی محتاج خود کو کبھی نہیں بننے دوں گی۔'' برہم لہجہ خفگی لئے ہر انداز، معیز نے گہرا سانس بھرتے خود کو ڈھیلا چھوڑ دیا۔

''ایسے بڑے بڑے دعوے نہیں کرتے نادان لڑکی، اب ساری زندگی ہمیں ساتھ رہنا ہے تو......''

''میں ایسا کچھ نہیں سوچتی۔'' وہ اسی متنفر انداز میں ٹوک کر اس کی بات کاٹ گئی، معیز نرمی سے مسکراتے ہوئے کچھ دیر اسے دیکھتا رہا تھا۔

''اتنی اکڑ اچھی نہیں ہوتی، سب جھگڑے چھوڑو، چلو دوستی کر لیں۔'' گمبھیر لہجہ مصالحانہ انداز لو دیتی نرم نگاہیں۔

''یہ بات آپ نے اس وقت کیوں نہ سوچی جب میں آپ کے پاس جھک کر آئی تھی۔''

آیت پھٹ پڑی، معیز ایک دم چونک گیا۔

''اچھا......تو یہ اصل ناراضگی ہے۔'' اس کی مسکراہٹ گہری ہوئی، آیت نے بغیر کسی تاثر کے منہ پھیر لیا، بہرحال وہ اتنی آسانی سے اس مطلبی شخص کو معاف نہیں کر سکتی تھی۔

''یہ کیا کہہ رہی تھیں، رخصتی نہیں کروانی۔'' معیز نے اپنا کاندھا اس کے کاندھے سے ٹکرا کر زبردستی توجہ حاصل کرنی چاہی۔

''ہاں نہیں کروائی۔'' اس کے تاثرات مزید قہر ساماں ہونے لگے۔

''سمندر میں رہتے ہوئے مگر مچھ سے دشمنی مول نہیں لینی چاہیے، کسی دن مہنگی پڑ جائے گی، چپکے سے اٹھا کر لے جاؤں گا۔''

معنی خیز بات بہت سنجیدگی سے کی گئی تھی، آیت کا دل بہت زور سے دھڑکا، چہرے کا رنگ بھی بدل گیا مگر لہجے کو متزلزل نہیں ہونے دیا۔

''جو مقابل کو کمزور سمجھنے کی غلطی کرتا ہے پچھتاوا بھی اسی کے حصے میں آتا ہے۔'' وہ بڑے غرور سے بولی تھی، معیز بے ساختہ مسکرایا۔

ہم چھین لیں گے تم سے
یہ شان بے نیازی
تم مانگتے پھرو گے
اپنا غرور ہم سے

وہ گنگنایا آیت پرنخوت تاثرات کے ساتھ اٹھ کھڑی ہوئی۔

''میری آفر ابھی بھی موجود ہے۔'' ہاتھ پھر سے اس کی سمت بڑھا کر وہ مچلتی مسکان سمیت گویا ہوا۔

''جسے میں ٹھکرا چکی۔'' وہ کون سا کم تھی، شرارہ سنبھال کر قدم اٹھایا۔

''ہمارا کمرہ اس طرف ہے چلو تم میں آتا ہوں تمہیں ہیلپ کی ضرورت ہوگی۔'' معیز بھلا شرارت سے کیوں باز آتا، اسے ستا کر انوکھا لطف مل رہا تھا، زندگی ایک دم بدل گئی تھی اور کیا حسن سمیٹ لائی تھی، ایسا جس کا کبھی معیز نے تصور بھی نہیں کیا تھا، محض انا کو بیچ سے نکالا تھا اور محبت اپنی ریشمی بانہیں کھولے اسے اپنی آغوش میں لے گئی تھی۔

''منہ دھو کے رکھو۔'' آیت نے پھر غصہ دکھایا۔

''اوکے فائن، اب پھر رات کو میرا انتظار کرنا، میں یہ بات نہیں بھولنے والا کہ یہ میری گولڈن نائٹ ہے۔'' آیت کے بڑھتے قدموں کو اس کی بھاری گمبھیر آواز نے زنجیر ڈالی تھی، وہ ایک لمحے کو ٹھٹکی تھی پھر تیز قدموں سے آگے بڑھتی چلی گئی، کمرے میں آ کر دروازہ لاک کر لینے کے بعد بھی اس کا دل دھک دھک کرتا رہا۔

''مطلبی، بہروپیا، فراڈ انسان، میں کبھی اس سے دھوکہ نہیں کھاؤں گی۔'' وہ خود سے عہد باندھ رہی تھی، عہد کو مضبوط کر رہی تھی۔

☆☆☆

غم کے کچھ اپنے بھی حالات ہوا کرتے ہیں
تیز بارش کی شکایت پہ اگر کان دھروں
عہد و پیماں تو مقدر ہو جائیں
وقفے وقفے سے اتر آتے ہیں بے چین خیالات
دم رخصت بھی

جنگلوں میں بھی تیری یاد چلی آئی ہے
غم سے کیا شکوہ کریں
چاہے تو لحد تک آجائے
سرد مہری کسی میت کی طرح
برف کی برف کا دکھ دیتی ہے
انگلیاں شہر میں اٹھتی ہیں تو یکلخت ہنسی آتی ہے
کوہ ساروں کی برف بنی سمندر سے بھی گہری ہو مگر
بحر برنم کی دروں بنی بھی آخر کچھ ہے
رات گہر ہو تو دل اور بھی گہرا ہو جاتا ہے بے نور مقدر کی طرح
ہم نے تقدیر کے ہاتھوں میں دعا دی ہی نہیں
کوئی ویراں ہے اگر تو سدا باغ کی حسرت میں رہے
ہم تو آنسو سے کئی کام لیا کرتے ہیں
دل پہ گر گرا سے کچھ حوصلہ ہی دے آئے
دن کو تاریکی بہت تھی مگر اے عالم غم
تیرے ہر غم میں ہوئے ہم بھی برابر کے شریک
پھر بھی ہم جانتے ہیں مانتے ہیں
غم کے کچھ اپنے بھی حالات ہوا کرتے ہیں

علاج جاری تھا مگر اسے لگتا وہ سروائیو نہیں کر پا رہیں، مایوسی اس کے اندر پنجے گاڑھنے لگی، ڈاکٹرز سے بات کرتی تو وہ امید دلانے لگتے۔

''ہم اپنی سی کوشش کر رہے ہیں، باقی آپ خدا پہ بھروسہ رکھیں، دعا کریں۔'' اور وہ نم آنکھیں لئے سربسجود ہو جاتی، مناجات کرتے روئے جاتی، وہ بھی ایسا ہی دن تھا جب بہت دنوں بعد امی نے اس سے ذرا سی بات کی۔

''حمدہ......!''

''جی امی!'' ان کی آواز سن کر وہ جی اٹھی تھی گویا۔

''بیٹے! میرے علاج کے لئے، پیسہ کہاں سے لیا تم نے؟'' بنیادی سوال جس سے وہ ہمیشہ خائف رہی تھی۔

''یہاں مفت علاج ہوتا ہے امی، ٹینشن نہ لیں۔'' اس نے جھوٹ بول دیا اور امی جیسے بہت تھک کر آنکھیں موند گئیں۔

''تم نے ایسا کیا کیا حمدہ کہ......'' ان کی بند آنکھوں سے آنسو بہنے لگے، حمدہ کا دل گویا پھٹنے کے قریب جا پہنچا۔

''امی پلیز......'' ان کا سر تھپکی وہ سسک اٹھی۔

''میری منزل تو اب قبر ہی تھی میری بیٹی تم نے خود کو کیوں مشکل میں ڈال دیا۔'' وہ باقاعدہ

رونے لگیں، حمدہ گھبرا گئی، ان پہ بے ہوشی طاری ہو چکی تھی، وہ ڈاکٹر کو بلانے بھاگی تو اندر داخل ہوتے حسین شاہ کے سینے سے ٹکرا گئی، نم آنکھیں حواس باختگی کا عالم، حسین شاہ اسے دیکھتا رہ گیا، کیسی چلی پھرتی قیامت تھی وہ ہر روپ میں انوکھی دل ربا اور پرکشش۔

''خیریت، اس قدر پریشان کیوں ہیں آپ؟'' اسے شانوں سے تھام کر سنبھالا دیتا وہ نرمی سے سوال کر رہا تھا، جواب میں حمدہ کچھ کہنے کی بجائے اور شدتوں سے رو دی۔

''امی...... ان کی طبیعت بالکل ٹھیک نہیں۔'' وہ سراسیمہ سی پلٹ کر دیکھتی ہوئی بولی، حسین شاہ نے اس کی نظروں کے تعاقب میں اس کی والدہ پہ نگاہ کی، پھر ہمدردی سے گویا ہوا تھا۔

''ریلیکس...... میں ابھی ڈاکٹر کو بلاتا ہوں۔''

اسے وہیں چھوڑتا وہ خود عجلت میں واپس پلٹ گیا، اگلے چند لمحوں میں ڈاکٹرز کا جمگھٹا لگ گیا تھا، والدہ کو پھر سے انتہائی نگہداشت کے وارڈ میں منتقل کر دیا گیا، حمدہ کی آنکھیں مسلسل رونے سے سوجی ہوئی اور سرخ ہو چکی تھیں۔

''اپنا خیال نہیں رکھتیں آپ، میں آپ کو ایسا لاپرواہ تو نہیں دیکھنا چاہتا خود سے۔'' کافی کا مگ اسے پیش کرتا ہوا وہ اپنے مخصوص مالکانہ انداز میں بولا تھا اور وہ واقعی اب اس کا مالک تھا، اس کا آقا تھا اور وہ اس کی ادنیٰ کنیز ایک غلام تھی، حمدہ پہ ایک بار پھر آگاہی کا دردناک اذیت انگیز در وا ہوا تو دل اتھاہ گہرائیوں میں ڈوبتا چلا گیا۔

''کافی لیں آپ۔'' مگ اس کی سمت بڑھائے وہ آرڈر کر رہا تھا، حمدہ نے بے بسی سے سر نفی میں ہلایا۔

''میرا دل نہیں چاہ رہا۔'' وہ پھر سے سسکی، آنسو صاف کرتی تھی جو پھر بہہ پڑتے تھے۔

''میں نے آپ سے پوچھا تو نہیں کہ دل کر رہا ہے یا نہیں، میں نے کہا پیئو، تو پیئو، مس حمدہ، مت بھولیں کہ میں نے آپ کی خوب صورتی پہ اپنا مال خرچ کیا ہے، یہ آپ کے پاس میری امانت ہے، ایسے کیئر لیس ہو کر آپ......'' کچھ سخت کہتے شاید وہ اس کی دلی کیفیت کا خیال کرتے زبان دبا گیا، حمدہ کے چہرے پہ ایک زرد رنگ مستقل آ کر ٹھہر گیا۔

''میں اپنے وعدے پہ قائم ہوں، جب تک آپ کی والدہ کا علاج جاری ہے میں آپ سے اپنا ذاتی کوئی کام نہیں لوں گا، لیکن آپ کو بھی معاہدے کی خلاف ورزی نہیں کرنی چاہیے۔'' وہ جتلا کر کہہ رہا تھا، حمدہ گنگ کھڑی تھی، پھر خود کو سنبھال کر کافی کا مگ تھام لیا۔

''مجھے تو لگتا ہے آپ نے کھانا بھی جانے کب سے نہیں کھایا، ٹھہریں میں کھانا منگواتا ہوں، کافی چھوڑ دیں۔'' حکمیہ انداز میں کہتا وہ اپنا سیل فون نکال کر پتا نہیں کیسے کھانے کا آرڈر دے رہا تھا، حمدہ کے چہرے پہ چھائی بے بسی میں اضافہ ہو گیا، اسے اپنا وجود ایسے قفس میں محسوس ہوا جہاں سانس لینے پہ بھی پابندی عائد کر دی گئی ہو۔

☆☆☆

رات کی راکھ میں انگلیاں پھیریں تو ستارے مل جائیں
کسی اوقات کے بے پایاں تعرف میں ہے پرنور دیار

اس طرح چاند کی قربانی بھی ناجائز ہے
جیسے تم بات کے رشتوں میں بھٹک جاتے ہو
نیند آنکھوں کو تھکا دیتی ہے
زندگی نیند سے تھک ہار کے سو جاتی ہے
زندگی سے تجھے دیکھا ہے اگرچہ ہم نے
پھر بھی راکھ پڑی رہتی ہے
بے نام مزاروں کی طرح
انگلیاں کب ہیں سلامت کہ ستارے نہ گریں
رات ہر روز قیامت میں دبک جاتی ہے
آڑے کے بھی کوئی پیار کیا کرتا ہے
یہ تو اک حملے کا انداز ہے محتاط عدو کی مانند
خواب آلود نشانی کی طرح
دل پشیمان ہے دل ہے ہی نہیں
راکھ میں لتھڑا ہوا پتھر ہے
ہم تجھے اس لئے ویران گزرگاہوں میں لے کر نکلے
بھیڑ کم ہو گی تو جی بھر کے تجھے دیکھیں گے
شور کم ہو گا تو جی بھر کے سنیں گے تجھ کو
شور کم ہو گا تو تم ساتھ زیادہ ہو گے
ہم تجھے کھل کے کریں گے محسوس
وقت کم ہو گا تو ہم ٹوٹ کے چاہیں گے تجھے

کمرے میں آیا تو رات کے گیارہ بج رہے تھے، باہر ابھی بھی ہلکا ہلکا ہنگامہ تھا، مہمان زیادہ تر اپنے گھروں کو چلے گئے تھے، ہاں نوجوان پارٹی وہیں براجمان تھی، معیز چونکہ تھکاوٹ محسوس کر رہا تھا تبھی آرام کی نیت سے چلا آیا تھا مگر شریر ٹولے کو چین نصیب نہیں تھا، اس کے پیچھے دھاوا بول دیا۔

”آپ کس خوشی میں کمرے میں چلے آئے۔“

”اپنی شادی کی خوشی میں۔“ وہ انہیں دیکھ کر خاصی بے بسی محسوس کرتا بند دروازہ کھول کر ایک سائیڈ پہ ہو گیا۔

”یار مجھے سونا ہے۔“ اس نے عاجزی وانکساری کا مظاہرہ کیا۔

”جو سوتا ہے وہ کھوتا ہے، سنا تو ہو گا۔“ اس کا کزن بن کر بولا، معیز نے کان نہ دھرا۔

”یار ذرا سمجھانا ڈاکٹر پلس پروفیسر صاحب کو۔“ اس کی بے نیازی دیکھ کر محسن کو میدان میں گھسیٹا گیا۔

”بھائی یہ لوگ آیت بھابھی کے ساتھ آزر اور ایشال کو بھی گھیر لائے ہیں، الاؤ پچھلے صحن میں

ابا سے چھپ کر چلایا ہے، رتجگے کا پروگرام ہے۔'' محسن نے تفصیلات حاضر کر دیں، معیز کی بے رغبتی پھر بھی ختم نہیں ہوئی۔

''ہاں تو کرو رت جگا، کس نے منع کیا، مگر شور ذرا کم کرنا، میری نیند خراب نہ ہو۔'' اس جواب کی بھلا کس کو توقع تھی، سب اس پہ پل پڑے۔

''اور جب ہماری نیندیں حرام کی تھیں اس وقت کو بھول گئے اور ذرا دھیان سے سنا نہیں تم نے تمہاری دلہن بھی ہم اغواء کر چکے، اسے نہیں بازیاب کراؤ گے بھلا؟'' عارف بھائی جو شادی شدہ تھے ان کے کان کھینچتے ہوئے بولے پھر اس پہ اکتفا نہیں کیا گیا، اسے کھینچ تان کر سب ساتھ لے کر ہی ٹلے تھے۔

''آپ دونوں کے ہی نخرے ختم نہیں ہو رہے آپ کی مجاجوں والی دلہن کو بھی ہزار منت سماجت کر کے لائے ہم۔'' اسے آیت کے برابر دھکیلتے ہوئے سخت احتجاج کیا گیا، وہ گہرا سانس بھر کے رہ گیا، آیت بھی جمائیاں لے رہی تھی بار بار۔

''یہ دونوں اس لئے ایسے ری ایکٹ کر رہے ہیں کہ انہیں تنہائی کی طلب ہے۔'' ایک بار پھر ان دونوں کو نشانہ بنایا گیا، معیز اب کے ڈھیٹ بن کر کاندھے اچکا گیا۔

''اگر اصل مسئلہ ہی سمجھ میں آ گیا ہے تو پھر حل کیوں نہیں نکالتے، اپنی شکلیں گم کرو۔'' اس جواب پہ جو طوفان بدتمیزی برپا ہوا، آیت کا چہرہ سرخ پڑ گیا۔

''محفل کا باقاعدہ آغاز گرما گرم چائے سے، سب اپنے اپنے مگ اٹھا لیں لیکن اسنیکس تمیز کے دائرے میں رہ کر کھائے جائیں، یہ نہ ہو کسی کو ایک بھی نہ ملے اور کچھ سارا ہڑپ کر جائیں۔''

ایک کزن بڑی ٹرے میں چائے کے مگ اور دوسری میں دیگر اشیاء لے آئی تھی، مونگ پھلی، چلغوزوں، ریڑیوں کے پیکٹ الگ تھے، سب ایک ساتھ دونوں ٹروں پر ٹوٹ پڑے، یہ رش تھما تو ٹرے میں محض ایک کپ بچا تھا چائے کا، اور صرف آیت اور معیز تھے جن کے ہاتھ خالی تھے۔

''ارے واہ، کیا حسن اتفاق ہے۔'' من چلوں کو پھر سے ان کا ریکارڈ لگانے کا موقع مل گیا۔

''ایسا کریں اب باری باری ایک گھونٹ بھرتے جائیں دونوں، سنا ہے اس طرح محبت بہت بڑھتی ہے۔''

''ہمارے درمیان ایسے بھی بہت محبت ہے، تم اس فکر میں خود کو ہلکان نہ کرو۔'' معیز نے بہت سکون سے کہتے چائے کا کپ اٹھا کر آیت کو بہت خاص انداز میں پیش کیا تھا۔

''پی لو، تمہیں نیند آ رہی ہے اس لئے۔'' انداز دوستانہ تھا، آیت جو اس کی فقرہ بازی سے ویسے ہی کنفیوژ تھی اس حرکت پہ مزید پزل ہو کر رہ گئی۔

''لے لیجئے بھابھی، ہمارے بیچارے بھائی کا دل نہ توڑیئے۔'' وہ سب پھر چٹکلے چھوڑنے لگے، آیت نے چپ چاپ مگ تھام لیا، جان تو یہاں سے چھوٹتی نہیں تھی، پھر کیا حرج تھا اگر اس چائے کی طلب کو پورا کر لیا جاتا۔

''کم آن بھابھی، آپ ایک گھونٹ پہلے بھر تو لیتے، وہ کیا کہہ رہے تھے یہ لوگ کہ محبت بڑھتی ہے۔'' ایشال نے اب کے اسے چھیڑا تھا۔

''پھر تو یہ قبولیت ہی نہیں ہونی تھی یقیناً۔'' کسی نے مضحکہ اڑایا تھا، آیت نے چونک کر دیکھا ان آنکھوں میں رقابت تھی۔

''انہیں تو بڑے دھڑلے سے مشورہ دے رہی ہو، ادھر کیوں نہ یہ ٹرک آزمالی۔'' آزراس کی سمت جھک کر شا کی ہوا، ایشال گھبرا کر ادھر ادھر یوں دیکھنے لگی گویا ڈر گئی ہو کسی نے سن تو نہیں لیا۔

''کم آن یار، ہمارا نکاح ہو چکا ہے اب۔'' آزراس کی سراسیمگی سے مسکرایا تھا۔

بے میں ہندی ڈھولنا ہائے ڈھولنا۔
سونے دی تو تڑی
رہندی گل نال لگ کے تیرے
سانواں دے نیڑے نیڑے
اگاں لاندی ڈھولنا ہائے ڈھولنا
سونے دی تو تو تڑی......

کسی ایک نے تان اڑائی گئی، اس کے بعد تو باقاعدہ مقابلہ شروع ہو گیا، ایک گروپ لڑکیوں کا بنا ایک لڑکوں کا، دونوں خم ٹھونک کر میدان میں اترے تھے نہ ہارنے کا عہد لے کر۔

میرے سر تے پھلا دی تھالی
تیرا راہ تک تک میں ہاری
لٹھے دی چادر اتے سلیٹی رنگ ماہیا
آ بو سامنے کولوں دی رس کے نہ لنگ ماہیا

لڑکیوں نے لڑکوں کو چیلنج بھری نظروں سے دیکھنا شروع کیا تو لڑکوں کو کیسے جوش نہ آتا۔

لٹھے دی چادر اتے سلیٹی رنگ ماہیا
آ بو سامنے کولوں دی رس کے نہ لنگ ماہیا
تیری ماں نے پکائے انڈے
اساں منگے تے پے گئے ڈنڈے
لٹھے دی چادر اتے سلیٹی رنگ ماہیا

محسن جواب دے کر اٹھ کر ناچنے لگا، لڑکیاں ایسے تھیں گویا ذہن پہ زور ڈال رہی ہوں۔

میرے کناں چے چھدے جھمکے
آ تک اک واری ٹھمکے
لٹھے دی چادر اتے سلیٹی رنگ ماہیا

کزن نے بھی اٹھ کے مقابلے میں ناچنا شروع کر دیا، لڑکوں کی طرف سے سٹیاں اور تالیاں بجائی جانے لگیں۔

لٹھے دی چادر اتے سلیٹی رنگ ماہیا
آ بو سامنے کولوں دی رس کے نہ لنگ ماہیا
تیری ماں نے پکائیاں روٹیاں

جواب آ گیا تھا، آیت بہت حیرانی سے یہ سارا کچھ دیکھ اور سن رہی تھی، معیز کی نگاہیں اس پہ تھیں اور بہت دلچسپی اور چمک لئے اس پر ٹھہری تھیں۔

وہ سب اب بھی ان دونوں کو ہی چھیڑ رہے تھے اک نیا گانا گا کر، آیت گھبرائی ہوئی ادھر ادھر دیکھنے لگی، جب کچھ نہ سوجھا تو ایک دم اٹھ کر کھڑی ہو گئی مقصد وہاں سے جانا تھا مگر اچانک معیز نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

بہہ جا کول ماہیا نے کچھ بول ماہیا
جند تیرے ناں لاوا خیر پاویں مر جاواں

وہ بہت شرارتی انداز میں گنگنایا پھر جو ہاہوکار مچی، معیز نے ہاتھ کھینچ کر ہنستے ہوئے اسے واپس بیٹھا لیا تھا، وہ خائف نظر آنے لگی تھی۔

محسن تالیاں بجا کر داد دے رہا تھا، باقی سب بھی تائید کر رہے تھے، معیز کھنکارا۔

”خیر خیر اتنے معمولی جذبات عیاں کر کے تو ان کی تعریف کا حق ادا نہیں ہوتا۔“

”تو پھر کچھ اور عرض کریں۔“

چنڈال چوکڑی اس کے پیچھے پڑی، وہ دانستہ شرارت بھرے انداز میں آیت کی طرف جھکا۔

”اجازت ہے۔“ وہ گڑبڑا گئی جبکہ وہ سب چلانے لگے۔

”بالکل اجازت ہے۔“ معیز اسے مسکرا کر دیکھتے ہوئے پھر سے گنگنانے لگا۔

حسن جاناں کی تعریف ممکن نہیں
آفریں آفریں آفریں آفریں
تو بھی دیکھے اگر تو کہے دل نشین
آفریں آفریں آفریں آفریں

گمبھیر آواز جذبات سے بوجھل تھی، اتنی بوجھل کہ آیت کے دل کے تاروں کو خواہ مخواہ چھیڑتی چلی گئی اسے زبردست داد ملی تھی، پھر اس کے بعد آیت سے فرمائشیں ہونے لگی مگر اس نے طے کر لیا کچھ نہیں سنائے گی اور قائم رہی، اس کے ضد کے سامنے معیز کا رنگ پھیکا پڑ گیا تھا، باقی سب البتہ اس کی جان چھوڑ کر آزر اور ایشال کے سر ہو گئے، یونہی شوخی و شرارت میں رات بیتتی چلی گئی، آیت جس پل اٹھ کر اندر جا رہی تھی حویلی کا بڑا پھاٹک بہت زوردار بے ہنگم آواز میں دھڑ دھڑایا جانے لگا، سب چونک اٹھے، لڑکے پھاٹک کی طرف لپکے، ابا کی بھی آنکھ کھل گئی۔

”کون ہے؟“

”پولیس...... دروازہ کھولو، معیز چوہدری کا گھر یہی ہے۔“ باہر سے گونجدار آواز میں کہا گیا، بڑے ابا ٹھٹک گئے، ٹھٹک تو دور کھڑی آیت بھی گئی تھی، اور پھر اس کی نظروں کے سامنے معیز کو پولیس اپنے ساتھ لے گئی، مام نے اس پہ اسے اغواء بالجبر کا پرچہ جو کٹوا دیا تھا، ہنستے بستے گھر میں لمحوں میں پریشانی اور اضطراب کی لہر دوڑ گئی تھی۔

(جاری ہے)

آرزوئے محبت

عنبرین ابدال

وہ کرسی کی بیک سے ٹیک لگائے دور افق پہ اڑتے پرندوں کو دیکھ رہی تھی، ٹولیوں کی صورت میں وہ اپنے گھر لوٹ رہے تھے۔

دلاج کا بھی دل چاہتا تھا وہ بھی ان ننھے منے مہمانوں کے پیچھے دور تک اڑ جاتی اور کہیں دور بہت دور وہ اپنے نام کی وادی میں اتر جاتی۔

ایک چھوٹا سا آشیانہ اس کا بھی ہوتا، جس میں اس کے بابا ہوتے، اس کی ماں ہوتی اور وہ ہوتی، اس سے زیادہ کی خواہش تو نہ تھی اسے۔

وہ خوشیوں کے ہنڈولے میں جھومتی بابا کا ہاتھ تھامے دور تک سنسان سڑک پر چلتی ڈھیروں چیزیں خرید کر پھر سے اپنے اکلوتے آشیانے کی طرف جس کے چار سو پھولوں کے اور پھلوں کے درخت ہوتے۔

اور سامنے ہی بہتی ندی ہوتی، وہ بابا کا ہاتھ تھامے واپس اپنے گھر آتی تو گھر میں کھانے کی خوشبو پھیلی ہوتی۔

اس کی ماں مسکرا کر ان کا استقبال کرتی اور دیر سے لوٹنے پہ خوب غصہ کرتی، ان کے چہرے پہ پھیلی مسکراہٹ چیخ چیخ کر بتاتی وہ غصہ نہیں پیار بھرا مان ہے، بھلا ان کے سوا تھا ہی کون۔

وہ تینوں ہی ایک دوسرے کی کل کائنات جو تھے، پیار بھری ڈانٹ کھا کر اسے زوروں کی بھوک لگتی، اشتہا آمیز کھانوں کی خوشبو پا کر پیٹ میں چوہے اودھم مچانے لگتے اور اس کی ماں اس کا ماتھا چوم کر بس ابھی لائی کہہ کر کچن کی جانب چل پڑتی، زندگی کس قدر حسین ہوتی نا، جیسے یہ شام کا سہانا منظر، سورج اپنی نارنجی کرنیں سمیٹ کر اپنے دوسرے سفر پر گامزن ہو چکا تھا۔

شام رات سے گلے ملنے کے لئے بے قرار ہو رہی تھی، لمحہ لمحہ سرکتی شام رات میں ڈھل جانے کو بے چین تھی، مگر وہ چاہتی تھی یہ وقت تھم

مکمل ناول

جائے، سورج اس کی خواہش کے احترام میں وہی رک جائے۔

رات سے ملنے کو بے قرار شام کو قرار آ جائے، لمحہ لمحہ سرکتے لمحے رک جائیں، اس کا سپنا کبھی نہ ٹوٹے، کیا کبھی خواب حقیقت کا روپ دھار سکتے ہیں، آہ کاش یہ معجزہ کیونکر رونما نہیں ہو جاتا۔

ایک کن ہی کی تو محتاج ہے ہر چیز، تو پھر کیوں کن کی یہ سوغات اسے مل کیوں نہیں جاتی، کیوں یہ چھوٹی سی خواہش حقیقت میں ڈھل نہیں جاتیں۔

وہ کتنی دیر سے وہاں بیٹھی تھی، فضا میں ہلکی ہلکی خنکی بڑھنے لگی تھی، شام نے اس پاگل لڑکی کو دیکھا اور رات کے گلے میں بانہیں ڈال دی۔

''یہاں کیوں بیٹھی ہو۔'' جبران پینٹ کی جیب میں ہاتھ ڈالے اسے اکیلے بیٹھے دیکھ کر لان میں چلا آیا، وہ ابھی ابھی باہر سے آیا تھا۔

بلاج نے سر اٹھا کر اسے ایک نظر دیکھا اور پھر نظروں کا زاویہ بدل کر دائیں جانب دیکھنے لگی۔

جہاں سرخ گلاب کی کیاری میں ڈھیروں پھول کھلے ہوئے تھے، مگر شاید پھول بھی رات میں سر نیہوڑے ایک دوسرے سے گلے ملے محو خواب تھے۔

''میں تم سے کچھ پوچھ رہا ہوں۔'' جبران نے اسے اپنی نظروں کے حصار میں لیا، بلاج کو اس کی آنکھوں کی تپش چبھنے لگی تھی۔

وہ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی، حالانکہ کتنا دل چاہ رہا تھا، وہ چاند کی میٹھی میٹھی چاندنی میں بیٹھ کر خود سے ڈھیروں باتیں کرنے کو، مگر ہر بار کی طرح اس کی خواہش دم توڑ گئی۔

اس نے خاموشی سے جبران کی سائیڈ سے نکل کر اندر جانا چاہا، مگر اس کا بازو جبران کے ہاتھ میں قید ہو چکا تھا۔

''جبران بھائی پلیز۔'' وہ چلائی۔

''چھوڑیں مجھے۔'' اس نے جھٹکے سے اپنا بازو اس کی ہاتھ سے چھڑوایا۔

''میں نے تم سے کچھ پوچھا ہے۔'' جبران پھر سے اس کی راہ میں حائل ہوا۔

''میں آپ کے سوالوں کے جواب دینے کی پابند نہیں ہوں۔'' وہ اب کے رسانیت سے بولی۔

''کیوں پابند نہیں ہو۔'' جبران نے اپنے بازؤں سینے پہ باندھتے ہوئے اس کی حالت سے حظ اٹھاتے ہوئے کہا۔

اسے جیسے بلاج کو تنگ کرنے میں مزہ آ رہا تھا، بلاج اب کے خاموشی سے اپنے ہونٹ کاٹنے لگی، لائٹ پنک سوٹ میں ملبوس بالوں میں ڈھیلی ڈھالی چٹیا بنائے، بڑی بڑی غلافی آنکھوں والی بلاج سر جھکائے دبران کے سامنے کھڑی تھی۔

''جبران بھائی، پلیز مجھے جانے دیں، ممانی نے مجھے یہاں دیکھ لیا، میری عزت دو کوڑی کی نہیں رہے گی۔'' آنسو پلکوں کی باڑ توڑ کر اس کے گلنار گالوں پر پھیلنے لگے، بے بسی کا احساس اسے سر تا پیر اپنی لپیٹ میں لے چکا تھا، جبران کا جی چاہا، ہاتھ بڑھا کر اس کے گالوں پر بکھرے موتی اپنی انگلیوں کی پوروں پر چن لے۔

مگر اس کے لرزتے وجود نے اسے اپن سوچ پر عمل کرنے سے نہ صرف روک دیا، بلکہ د اس کے راستے سے ہٹ گیا، بلاج نے بے یقین سے سر اٹھا کر جبران کو دیکھا جو ایک طرف ہٹ کر کھڑا تھا۔

''جاؤ بلاج۔'' اس نے ہاتھ کے اشارے

سے کہا، بلاج بھاگتی ہوئی اندر کی جانب بھاگ گئی، جبران اسی چیئر پر بیٹھ گیا، جس پر بلاج بیٹھی تھی۔

اس نے اپنے پاؤں سامنے ٹیبل پر رکھے اور کرسی کی بیک سے سر لگا کر چاند کو دیکھنے لگا، جو اپنی پوری خوبصورتی کے ساتھ آسمان کو اپنی سلطنت بنائے طمطراق سے براجمان تھا، جبران کی پرسوچ نظریں چاند کو اپنے حصار میں لئے ہوئے تھیں، اس کے ہونٹوں پر بڑی پراسرار سی مسکراہٹ رینگ رہی تھی، وہ تھوڑی دیر بعد گنگناتا ہوا اندر کی جانب بڑھ گیا۔

☆☆☆

''کہاں تھی تم، اتنی بار کہا ہے شام کے بعد لان میں جا کر نہ بیٹھا کرو، مگر مجال ہے کہ میری بات سن لو، اوپری چیزیں گزرتی ہیں، کسی نے اپنے سائے میں لے لیا، تمہارا تو کچھ نہیں جائے گا، آ جا کر میری جان عذاب میں آ جائے گی۔'' بلاج سر جھکائے طیبہ بیگم کی ڈانٹ سن رہی تھی، دفعتاً ان کی نظر بلاج کے ہاتھوں پر پڑی۔

''تمہیں کیا ہوا ہے؟ کانپ کیوں رہی ہو؟'' انہوں نے کڑے تیوروں سے دوپٹہ ٹھیک کرتی بلاج سے استفسار کیا۔

''کک...... کچھ نہیں ممانی۔'' دلاج نے اپنی آواز کی کپکپاہٹ پر قابو پاتے ہوئے کہا۔

''السلام علیکم امی۔'' جبران کی آواز اس کی پشت پر ابھری، ناگواری کی شدید لہر بلاج کے دل میں ابھری۔

''وعلیکم السلام ماں کی جان۔'' طیبہ بیگم نے بیٹے کے لئے بانہیں وا کر دیں اور جبران آ کر ان کے گلے لگ گیا۔

''اب تم یہاں کھڑی کیا کر رہی ہو؟ دیکھ نہیں رہی میرا بچہ صبح کا گیا اب گھر لوٹا ہے، جاؤ جا کر اس کے لئے کھانا لگاؤ۔'' بلاج کو اپنی جگہ ساکت کھڑے دیکھ کر طیبہ کو پھر سے غصہ آ گیا، جبران کے چہرے پہ ابھرتی مسکراہٹ بلاج سے پوشیدہ نہیں رہ سکی تھی۔

دل تو چاہ رہا تھا ابھی اسی وقت وہی کھڑے کھڑے ممانی کو ان کے لاڈلے سپوت کے کارنامے سنا ڈالے، مگر وہ دل مسوس کر کچن کی جانب بڑھ گئی، جبران علوی کی نظروں نے دور تک اس کا پیچھا کیا۔

''جی کیا کہہ رہی ہیں آپ۔'' اس نے بلاج کے کچن میں غائب ہونے کے بعد طیبہ بیگم سے سوال کیا، جو اسے خاندان میں ہونے والی تازہ ترین خبروں سے باخبر کر رہی تھیں۔

''افوہ جبران، ایک تو تم نہ جانے کہاں کھوئے رہتے ہو۔'' اس کی بے توجہی پہ طیبہ بیگم نے اپنے ماتھے پہ ہاتھ مارا۔

''امی پلیز مجھے کوئی انٹرسٹ نہیں ہے نہ خالہ میں نہ نیلما میں۔'' وہ بے زاری سے کہتا ریموٹ اٹھا کر چینل سرچ کرنے لگا۔

''تم تو بالکل باپ پہ چلے گئے ہو، بس جاب اور خبریں، یا موا یہ تمہارا فون، نہ ماں کی پرواہ نہ اس کی باتوں کی۔'' طیبہ بیگم نے کلس کر کہا۔

''فکر مت کریں پاپا آئیں گے میں خوب دل سے آپ کا مقدمہ لڑوں گا کیوں وہ اپنی بیگم کی باتیں اور ان کی پرواہ نہیں کرتے۔''

''میں تو اپنی بیگم کی باتیں سنا کروں گا، خوب دل لگا کر اور پورے دھیان سے۔'' جبران اپنے سامنے کھانا رکھتی بلاج کو دیکھ کر بولا۔

اور جان بوجھ کر اس کے ہاتھ سے گلاس اس اسٹائل سے پکڑا کہ بلاج کا ہاتھ اس کے ہاتھ میں آ گیا، بلاج نے ایک غصے بھری نظر اس

پہ ڈالی اور جلدی سے گلاس ٹیبل پر پٹخ دیا۔

''آرام سے ٹوٹ جائے گا۔'' طیبہ بیگم نے بلاج کو گھرکا۔

''اور تم بس بیوی کی سننا ماں کی نہ سن لینا۔''

دبران ہنس کر کھانے پہ جھک گیا، طیبہ بیگم پھر سے اسے اپنی بہن اور بھانجی کی تعریفیں اس کے کانوں میں انڈیلنے لگی۔

اب کے دبران ان کی باتوں پہ ہوں ہاں کرنے لگا، بلاج جو اپنے کمرے میں جا چکی تھی، اور اب اس کی توجہ ماں کی جانب ہو گئی تھی۔

☆☆☆

وہ جلدی جلدی ناشتا بنا کر کالج جانا چاہتی تھی، اپنا یونیفارم پریس کر کے رکھا اور کچن میں آ گئی، صاف ستھرا جدید طرز کا کچن اس کے سامنے تھا، بلاج نے فریج کھول کر دیکھا، تو آٹا نہیں تھا، اس نے بریڈ اور انڈے نکالے اور شیلف پہ رکھ دیئے، حیدر ناشتے میں پراٹھا ضرور لیتا تھا، ابھی وہ آٹا گوندھ کر فارغ ہوئی ہی تھی، دروازے میں جبران کھڑا فرصت سے اسے ہی دیکھ رہا تھا، اس کی تو روح ہی فنا ہو گئی۔

''مم...... میں ناشتا بنا کر ٹیبل پر رکھ رہی ہوں۔'' وہ اپنا دوپٹہ ٹھیک کرتے ہوئے ہکلائی، جبران کے وجود میں کوئی حرکت نہیں ہوئی، سوائے اس کے کہ اس کے لبوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

کاش جتنی اچھی اس کی پرسنالٹی ہے اس کی عادتیں بھی اتنی ہی اچھی ہوتی، بلاج نے نظر اٹھا کر اسے دیکھا اور دل میں خود سے کہا وہ رخ پلٹ گئی، جبران دھیرے سے چلتا ہوا اس کے قریب آ کھڑا ہوا۔

''بلاج!'' اس نے پکارا۔

آواز اتنے قریب سے آئی، بلاج نے تیزی سے پیچھے ہٹتے ہوئے خوف زدہ ہو کر اِدھر اُدھر دیکھا۔

خوف سے لرزتے لب، کپکپاتی پلکیں، جبران بہت غور سے اسے دیکھنے لگا، بلاج نے اپنی بڑی بڑی آنکھیں اوپر کیں، جہاں ڈھیروں نمکین پانی برسنے کو تیار تھا، نہ جانے کیا تھا ان آنکھوں میں جبران پیچھے ہٹ گیا اور کچھ بھی کہے بنا باہر نکل گیا، بلاج لرزتی ٹانگوں سے کچن میں رکھی پلاسٹک کی چیئر پہ آ بیٹھی۔

''یہ ایسا تو نہیں تھا، پھر اب کیوں ایسا ہو گیا ہے۔'' بلاج نے دکھ سے سوچتے ہوئے اپنا سر سامنے رکھے میز کی سطح پر ٹکا دیا۔

آسان تو پہلے بھی نہیں تھی زندگی، جواب جبران، بے بسی اور تنہائی کے احساس سے اس کی آنکھوں میں جمع ہوا پانی قطروں کی مانند اس کے سرخ و سفید گالوں پہ پھیلنے لگا۔

''کیوں اللہ کیوں آپ ایک کے بعد ایک آزمائش میں ڈالتے جا رہے ہیں، کہتے ہیں اگر کسی آزمائش میں بندہ ہو، تو اس کے لئے آسانی کی راہ بھی نکال دیتے ہیں، مگر میں تو مسلسل آزمائش میں ہوں، جبران کے آنے سے لگا تھا کہ وہ آسانی کا ذریعہ بنا کر بھیجا ہے مگر وہ تو...... وہ تو ایک نئی آزمائش کی صورت میں واپس آیا ہے، کیا کروں؟ کہاں جاؤں؟ کس کو بتاؤں اللہ میری اذیتوں کو آپ جانتے ہیں، مگر پھر بھی کم کرنے کے بجائے بڑھتی ہی جا رہی ہیں۔'' وہ شدت سے رو دی۔

''ممانی کو بتاؤں گی تو وہ مجھ پہ یقین کرنے کی بجائے الٹا الزام لگا دیں گی، کہ میں ان کے بیٹے کو پھنسا رہی ہوں، ماموں کو بتاؤں تو......''

''جب دیکھو کھوئی کھوئی بیٹھی رہتی ہے۔''

اس کی سوچوں کی مہار طیبہ بیگم کی تیز آواز نے

کھینچی، وہ جلدی سے انسو صاف کرتی اٹھ کھڑی ہوئی۔

”کیا ہوا؟ کیوں رو رہی ہو تم۔“ طیبہ بیگم اس کے قریب آ کر تفتیشی انداز میں کمر پہ ہاتھ رکھ کر استفہامیہ لہجے میں پوچھا۔

”کک...... کچھ نہیں ممانی۔“ وہ اپنے دوپٹے کے پلو سے آنسو صاف کرتی بولی۔

”کچھ تو ہوا ہے جو یوں رو رہی ہو، کوئی یوں بھی بلاوجہ روتا ہے۔“ انہوں نے اب کے نرم لہجے میں کہا، ولاج کا دل چاہا وہ فوراً سے پہلے ان کے بیٹے کے کرتوت سے انہیں آگاہ کر دے، مگر......

”امی پلیز ناشتہ تو دے دیں، کالج سے لیٹ ہو جاؤں گی میں۔“ ثانیہ آندھی کی طرح کچن میں نوارد ہوئی۔

”ناشتا نہیں بنانا تھا مجھے آرام سے کہہ دیتی، اس میں رونے والی کون سی بات ہے، ایک تو بات بات پہ تمہاری آنکھیں برسنے کو تیار رہتی ہیں، جاؤ تم بھی جا کر کالج جانے کی تیاری کرو، ناشتا میں خود بنا دیتی ہوں۔“ طیبہ بیگم ناشتا نہ بنانے کی وجہ بلاج رو رہی ہے خود ہی قیاس کر لیا اور خلاف توقع اسے خوب ڈانٹنے کے بجائے خود ناشتا بنانے لگی۔

”امی آپ کو کیا ضرورت ہے کام کرنے کی جب یہ ہے۔“ ثانیہ منہ بناتی کرسی پہ بیٹھتے ہوئے بولی۔

”نہیں ممانی ایسی بات نہیں، میں بنا لیتی ہوں ناشتہ۔“ ولاج نے گہرا سانس لے کر اپنے اندر کی گھٹن کو باہر کا رستہ دکھایا اور طیبہ بیگم کے پاس آ کھڑی ہوئی۔

”ثانیہ تم زیادہ بکواس مت کیا کرو۔“ طیبہ بیگم نے پلٹ کر اپنی عزیز از جان بیٹی کو ڈانٹا، ثانیہ کے ساتھ ساتھ بلاج بھی ششدر رہ گئی۔

”آج ممانی کو کیا ہوا ہے۔“ ولاج نے حیرانگی سے طیبہ بیگم کو دیکھا جو چائے کا پانی چڑھا رہی تھی۔

”امی رات کو آپ کے خواب میں پھپھو تو نہیں آ گئی تھیں اور آپ کو دھمکی دے گئیں، خبردار میری بیٹی سے اگر ناشتہ بنوایا۔“ ثانیہ نے تمسخرانہ انداز میں کہا۔

”بکواس مت کرو، ورنہ میرا پتا بھی ہے، ڈیوٹی بدل دوں گی، ایک دن تم ناشتا بنایا کرو گی اور ایک دن بلاج۔“

”اور تم یہاں میرے سر پہ کھڑی کیا کر رہی ہو، جاؤ جا کر کالج جانے کی تیاری کرو۔“ ثانیہ کے ساتھ ساتھ طیبہ بیگم نے سر جھکائے کھڑی بلاج کو بھی آڑے ہاتھوں لیا۔

بلاج نے کچن سے نکلنے میں عافیت جانی اور ثانیہ ماں کے ذہنی توازن بگڑنے پہ حیران بیٹھی تھی، پھر چند ثانیے بعد اس نے کاندھے اچکا کر ناشتے کی طرف متوجہ ہو گئی، جو طیبہ بیگم اس کے سامنے رکھ گئیں تھیں۔

☆☆☆

”تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے بلاج جو تم اس کی حرکتوں پہ خاموش ہو۔“ جاتی سردیاں اپنے ساتھ دھوپ کی نرماہٹ بھی لے گئیں تھیں، مگر پھر بھی سورج کی نارنجی کرنوں میں اتنی تپش نہیں تھی کہ دھوپ میں بیٹھا نہ جا سکے۔

ان کے اگلے دو پریڈ فری تھے، ذلاج اور نیناں گراؤنڈ میں آ بیٹھی تھیں، جب اس نے نیناں کو جبران کی حرکتوں کے بارے میں آگاہ کیا۔

”کس سے کہوں۔“ بلاج بے بسی سے بولی۔

''اپنی ممانی کو، ماموں سے اور کس سے۔''

نیناں نے اسے غصے سے گھورا۔

''سب مجھے ہی غلط کہیں گے، تمہیں پتا ہے نا ممانی کا، جبران میں تو ان کی جان ہے، تمہیں کیا لگتا ہے اپنے عزیز از جان بیٹے کو غلط کہنے دیں گی۔'' بلاج نے آہستگی سے کہا اور اپنی ہتھیلی کو غور سے دیکھنے لگی۔

''جن کے ماں باپ مر جاتے ہیں ان کے ساتھ ایسا ہی ہوتا ہے۔'' اس کے لہجے میں ٹوٹے کانچ کی سی چبھن تھی۔

نیناں نے دکھی ہو کر اس کے جھکے سر کو دیکھا اور اس کے ہاتھوں کو اپنے ہاتھ میں لے لیا۔

''تم ایسا کیوں سوچتی ہو بلاج، دنیا میں بہت سے لوگ ایسے ہوتے ہیں جن کے ماں باپ نہیں ہوتے۔''

''مگر بہن بھائی کوئی تو ہوتا ہے نا۔'' دلاج نے اس کی بات کاٹی۔

''کوئی تو ہوتا ہے نا، ان کا میرا کون ہے؟ میرے جیسا تہی داماں کون ہوگا، خون کے رشتے ہو کر بھی میں اکیلی ہوں، بس ایک ماموں تھے، جنہوں نے ہاتھ بڑھا کر میرے سر پہ ہاتھ رکھا، باقی سب نے میری ذمہ داری لینے سے صاف انکار کر دیا، تم جانتی ہو میری پھپھو نے تو یہاں تک کہہ دیا تھا، کسی بے اولاد جوڑے کو دے دیں یا پھر کسی دارالامان میں بھیج دیں، ماموں نے ممانی کے نہ چاہنے کے باوجود مجھے اپنے گلے سے لگایا، اب کیسے انہی مہربان انسان کو یہ بات کر کے دکھ دوں۔'' وہ سخت الجھی ہوئی تھی، بے کل تھی، نیناں کی آنکھوں میں اس پیاری لڑکی کے دکھ پہ آنکھیں نم ہو گئیں۔

اس کا دل چاہ رہا تھا وہ ہر تکلیف کو دلاج کی زندگی سے دور کر دے، ڈھیروں خوشیاں اس کے دامن میں ڈال دے۔

''کاش میں ایسا کر سکتی۔'' وہ رنجیدہ ہوئی۔

''بلاج!'' اس نے گھٹنوں میں سر دیئے بیٹھی بلاج کو پکارا۔

''ہاں۔'' بلاج نے سر اٹھا کر اسے دیکھا، اس کی آنکھوں میں اتنی اداسی تھی کہ نیناں نے بے ساختہ اسے اپنے گلے لگا لیا۔

''تم بہت بہادر ہو بلاج، ہمت کرو، ہمت کرو گی بڑے سے بڑے طوفان کا مقابلہ کر جاؤ گی، جینا تو ہے نا، سر اٹھا کر جینا ہے، تو ہر برائی کا سامنا حوصلے اور طاقت سے ہی کرنا پڑتا ہے، پتا ہے جب ہر راستہ بند ہو جاتا ہے ہر طرف سے نا امیدی گھیر لے، ہر جانب رات کی سیاہی پھیل کر بکھر جائے، ہمیں نظر رکھتے ہوئے بھی کچھ دیکھائی نہ دے، تو اس پل ہر درد کی دوا یعنی دعا کو ہمسفر بنا لیا جاتا ہے، جانتی ہو وہ اللہ تو ہے نا وہ تو اس پل کا انتظار کرتا ہے، جب اس کا بندہ اس ک دامن تھام لے، دعا تو ہر لا علاج مرض کی دو ہے، بلاج تم اس بات سے بے خبر تو نہیں، تم نے ہی تو بتایا تھا مجھے، ایم اے میں ایڈمیشن لینے ک کوئی امید نہیں تھی، مگر تم نے اللہ سے دعا کی او اچانک ہی جبران یو کے سے لوٹ آیا، اسی کے کہنے پر تمہاری ممانی نے تمہارا ایڈمیشن ہونے دیا۔'' نیناں اسے یاد دلا رہی تھی۔

''کاش میں ایڈمیشن لینے کی دعا ہی نہ کرتی۔'' اس نے حسرت سے کہا۔

''اپنی ممانی سے بات کرو، کچھ بھی سہی وہ جیسی بھی سہی مگر انہوں نے تمہیں پالا ہے، وہ تمہیں سمجھیں گی۔'' نیناں نے اس کی پشت تھپکتے ہوئے کہا۔

بلاج نے دور فضا میں پر سوچ نظروں سے دیکھا اور پھر سر نفی میں ہلا دیا۔

''اگر ممانی نے ہنگامہ کیا تو؟'' وہ سراسیمگی نظروں سے نیناں کو دیکھ کر بولی۔

''تو تم جبران سے خود بات کرو، سختی سے، اسے اپنے ماموں کو بتا دینے کی دھمکی دو۔''

''نہیں نیناں مجھے اس سے بہت ڈر لگتا ہے۔'' اس نے شدت سے نفی میں سر ہلایا۔

''ہیں اتنے خوفناک ہیں؟'' نیناں نے برجستہ کہا، بلاج مسکرا بھی نہ سکی۔

''ویسے بلاج میں نا ایک بات سوچ رہی تھی۔'' نیناں کی رگ شرارت پھڑک اٹھی تھی۔

''کیا؟'' بلاج نے اسے دیکھا۔

''اگر تمہاری جبران سے شادی ہو گئی تو۔'' نیناں نے ابرو اچکائے۔

''تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے، اللہ نہ کرے ایسا ہو۔'' وہ غصے سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

''اچھا سوری سوری۔'' نیناں نے فوراً اپنے کانوں کو پکڑا۔

''آج کے بعد کبھی نہیں کہوں گی پرامس۔'' اس نے بمشکل بلاج کو راضی کیا اور بیگ میں سے چپس کا پیکٹ نکال کر بلاج کے ہاتھ میں دے دیا۔

''کھولو یار کھاتے ہیں، کھانے کے لئے ہیں، دیکھنے کے لئے نہیں آئی سویئر۔'' نیناں نے شرارت سے کہا، بلاج نے چپس کا پیکٹ اس کی گود میں پھینک دیا۔

''کھول کر دو۔'' بلاج نے آڈر دیا۔

نیناں اس کے حکم کی تعمیل کرنے لگی، اور سامنے سے آتی دو لڑکیوں پر کمنٹ پاس کرنے لگی۔

''کسی کو تو بخش دیا کرو۔'' بلاج مسکرائی۔

''شکر ہے تم مسکرائی تو، ورنہ تو تمہاری سڑی شکل دیکھ کر مجھے تو اختلاج قلب ہونے لگا تھا۔'' اس نے آنکھیں مٹکا کر کہا، بلاج نے ہنس کر اس کے بازو پہ ہلکے سے تھپڑ لگایا اور چپس کھانے لگی۔

☆☆☆

عمران صاحب بنا بتائے گھر چلے آئے، اس بار وہ کافی عرصے بعد گھر آئے تھے، سب انہیں دیکھ کر بے حد خوش ہو گئے اور سب نے وقتی طور پر اپنی اپنی مصروفیات ترک کر دی تھیں۔

عمران صاحب بینک میں اچھی پوسٹ پر فائز تھے، ٹرانسفر کی وجہ سے آج کل کراچی میں مقیم تھے، طیبہ بیگم نے صاف الفاظ میں اپنا گھر نہ چھوڑنے کا عندیہ دے دیا، سو مجبوراً عمران صاحب کو اکیلے ہی اتنی دور جانا پڑا۔

''بابا اب نہیں آپ نے جانا۔'' ثانیہ نے عمران صاحب کے برابر بیٹھتے ہوئے لاڈ سے ان کے گرد اپنے بازو پھیلا کر کہا۔

''جی بابا ثانیہ بالکل ٹھیک کہہ رہی ہے، ہمارا نہیں آپ کے بغیر دل لگتا۔'' حیدر نے ثانیہ کی بات کی تائید کی، وہ دونوں عمران صاحب کے چہیتے تھے، بہت سی باتیں جو طیبہ بیگم مان کر نہ دیتی تھیں، عمران صاحب جھٹ سے سفارش کر کے بل منظور کروا دیتے تھے، اب سب سے زیادہ مسئلہ بھی انہی دونوں کا ہوا تھا، دبران تو تھا ہی دونوں کا لاڈلہ۔

''میں تو خود کہہ رہی ہوں ریٹائرمنٹ لیں اور گھر آ جائیں، ماشاء اللہ دبران اچھا خاصا کمانے لگ گیا ہے، حیدر کی بھی سٹڈی مکمل ہونے والی ہے۔'' طیبہ بیگم نے ایک بار پھر وہی بات کی، جو وہ ہر بار فون پہ کرتیں تھیں۔

''ایک سال رہ گیا ہے بیگم، فکر مت کریں یہی آ کر خوب تنگ کروں گا آپ کو۔'' عمران صاحب نے مسکرا کر کہا اور پھر دفعتاً بلاج کا خیال آیا۔

''بلاج کہاں ہے؟'' انہوں نے اپنی بیگم سے پوچھا۔

''وہ کچن میں ہے۔'' طیبہ بیگم نے لاپرواہی سے کہا۔

''سب یہاں ہیں اور بلاج کچن میں اکیلی کام کر رہی ہے۔'' عمران صاحب کے ماتھے شکنیں نمودار ہوئیں۔

''شاہدہ تھی اس کے پاس۔'' طیبہ بیگم کی لاپرواہی ہوا ہو چکی تھی۔

''ثانیہ تم بہن کا ہاتھ کیوں نہیں بٹاتی۔'' انہوں نے اب کے ثانیہ سے پوچھا، ثانیہ گڑبڑا کر رہ گئی۔

''ممانی کھانا بن چکا ہے اور میں نے ڈائیننگ ٹیبل پر لگا بھی دیا ہے آپ سب کھانا کھا لیں۔'' بلاج اپنے پلو سے پیشانی پہ آیا پسینہ صاف کرتے ہوئے بولی، تھکن اس کے روم روم سے نمایاں تھی۔

طیبہ بیگم کا دل چاہا تو اس کا گلا دبا دیں، یا اسے چٹکی بجا کر عمران کی نظروں کے سامنے سے غائب کر دیں۔

''اس لڑکی کو ہمارا دو پل سکون سے بیٹھنا نہیں بھاتا، معصوم شکل بنائے چنگاری لگا جاتی ہے۔'' طیبہ بیگم پہلو بدل کر رہ گئیں۔

''تم کھانا نہیں کھاؤ گی بلاج۔'' عمران صاحب نے اسے اپنے کمرے کی جانب بڑھتا دیکھ کر آواز دے کر پوچھا۔

''نہیں ماموں جان، میں نے کالج سے آ کر کھانا کھا لیا تھا، اب دل نہیں ہے اور نہ ہی بھوک۔'' وہ بمشکل مسکرائی۔

''تھوڑا سا کھا لو بیٹا۔'' ان کے لہجے میں محبت ہی محبت تھی، بلاج نے ایک شکوہ کناں نظر جبران پر ڈالی جو اسے ہی دیکھ رہا تھا، وہ سب سے نظریں چرا کر نرمی سے انکار کر کے اپنے کمرے میں آ گئی، ان سب کے بیچ اسے اپنا آپ بہت فالتو لگ رہا تھا۔

وہ فیملی تھی اور وہ ان میں زبردستی شامل نہیں ہونا چاہتی تھی، سیاہ چادر اوڑھے آسمان پہ چمکتے چاند نے اداسی سے اپنی دوست کو ڈھونڈا مگر آج وہ اسے کہیں نظر نہ آئی، ستارے بھی اداسی کا لبادہ اوڑھے مدہم ہو گئے تھے۔

ان سے ڈھیروں باتیں کرنے والی دلاج آج بے سدھ تھکن سے چور جسم لئے اپنے بستر میں گھس چکی تھی۔

ماں باپ کی یاد نے آج پھر اسے گھیر لیا تھا، اسے تو یاد بھی نہیں تھا اس کی ماں اور باپ کیسے دکھتے تھے۔

دد سال کی تو تھی جب وہ ایک روڈ ایکسیڈنٹ میں اسے سے دور بہت دور چلے گئے تھے، ان کی گاڑی مکمل طور پر تباہ ہو چکی تھی، بس دلاج ہی تھی جو معجزانہ طور پر محفوظ رہی تھی، اسے چند خراشیں آئی تھیں، سب حیران تھے، اتنی چھوٹی سی بچی اتنے بڑے حادثے میں کیسے بچ گئی تھی، مگر جسے اللہ رکھے اسے کون چکھے والا محاورہ ہر ایک کی زدزبان پر تھا۔

''کاش میں بھی آپ کے ساتھ ہی چلی جاتی۔'' وہ سرگوشی میں بولی، آنسوؤں نے آنکھوں کے رستے باہر کا راستہ دیکھ لیا تھا، نہ جانے وہ کتنی دیر تک روتی رہی۔

اور نہ جانے کب نیند نامی پری نے اسے اپنی بانہوں میں بھر لیا تھا، وہ اس کی میٹھی میٹھی لوری سنتے خوابوں کی حسین وادی میں اتر گئی۔

جو اس کا ہاتھ تھام کر اس ندی کے کنارے واقع گھر میں لے آئی، جہاں ہر سو پھولوں کی خوشبو بکھری پڑی تھی، اس کے ماں، بابا دروازے

پہ کھڑے اس کے استقبال کے لئے بانہیں پھیلائے ہوئے تھے، وہ بھاگ کر ان کی بانہوں میں سما گئی، باقی کی رات ان خوابوں میں ہی گزرنے والی تھی۔

☆☆☆

''ناشتہ۔'' جبران نے کچن میں آ کر کہا، ولاج جو جلدی جلدی کام سمیٹ رہی تھی، جی بھر کے بدمزہ ہوئی، وہ ان سب کے آنے سے پہلے کچن سے نکل جانا چاہتی تھی، مگر وہ گہرا سانس لے کر رہ گئی۔

''کیا چاہیے؟'' وہ اس کی جانب دیکھے بنا بولی۔

''تم۔'' جبران نے دونوں بازو اپنے سینے پر باندھتے ہوئے نہایت آرام سے کہا، اس کے لبوں پر بکھری مسکراہٹ نے کسی کو سرتا پیر جلا کر بھسم کر دیا تھا، بلاج پلٹ کر بنا آنکھیں جھپکے اسے دیکھے گئی۔

''کیا بات ہے، پیارا لگ رہا ہوں۔'' وہ اس کی جانب جھکتے ہوئے بولا، وہ شاید ابھی ابھی باتھ لے کر آیا تھا، اس کے سلکی کالے سیاہ بال اس کے ماتھے پہ بکھرے پڑے تھے، نکھرا نکھرا سا دبران علوی بلاج کو اس لمحے نہایت برا لگا۔

''جبران بھائی۔'' ذلت کے احساس سے اس سے آگے کچھ بولا ہی نہ گیا، نمکین پانی کا گولہ اس کے حلق میں اٹک سا گیا تھا، آنسوؤں سے لبریز آنکھیں، بھیگا لہجہ، سرخ ناک، وہ بہت کچھ کہنا چاہتی تھی، مگر اس کی زبان اس کا ساتھ نہیں دے رہی تھی۔

''کم آن بلاج میں نے کون سی ایسی بری بات کہہ دی جو تم اس طرح خود پہ ظلم کر رہی ہو۔'' وہ دو قدم آگے بڑھا۔

''آپ کو یہ حرکتیں زیب نہیں دیتیں دبران بھائی، اپنی حد میں رہیں، ورنہ میں ماموں کو سب کچھ بتا دوں گی۔'' اس کی ڈھٹائی پہ وہ غصہ کرتی شعلہ بار نظروں سے اسے دیکھنے لگی اور پھر سائیڈ سے نکل کر اپنے کمرے میں چلی گئی، جبران اپنے بالوں میں ہاتھ چلاتا ہوا مسکرا دیا۔

''اسے کیا ہوا بھیا؟'' ثانیہ نے بلاج کو غصے سے اپنے کمرے کی طرف جاتا دیکھ کر جبران سے استفسار کیا۔

''آئی ڈونٹ نو، میں تو ابھی آیا ہوں۔'' اس نے لاپروائی سے کندھے اچکا کر کہا اور فریج کھول کر انڈے نکالنے لگا۔

''بھیا اس نے تو ناشتہ بھی نہیں بنایا۔'' حیدر نے کچن میں یہاں وہاں نظر دوڑائی اور پھر ناشتے کو نہ پا کر منہ بنا کر کہا۔

''نہیں بنایا نہ سہی، ہم خود بنا لیتے ہیں۔''

''آؤ ثانیہ انڈے فرائی کرو۔'' اس نے بریڈ اور انڈے ثانیہ کی جانب بڑھائے۔

''بھیا میں۔'' ثانیہ نے حیرانگی سے اپنی طرف انگلی کا اشارہ کر کے پوچھا۔

''کیوں تمہیں انڈے فرائی کرنے نہیں آتے، چلو میں بنا لیتا ہوں۔'' وہ لاپرواہی سے کہہ کر چولہے کی جانب پلٹا۔

''ارے نہیں بھیا، لائیں میں بناتی ہوں۔'' دل میں بلاج کو ڈھیروں گالیاں سنا کر وہ چہرے پہ مصنوعی مسکراہٹ سجا کر بولی اور آگے بڑھ کر دبران کے ہاتھ سے انڈہ لے لیا۔

''یار میرے لئے آملیٹ اور پراٹھا بنا دینا۔'' حیدر نے فرمائشی نوٹ جاری کیا۔

''میں نہیں بنا رہی، اگر ناشتہ کرنا ہے یہی کر لو۔'' وہ تڑخ کر بولی۔

''کیوں تمہارے ہاتھ ٹوٹ جائیں گے، اگر تم مجھے یہ ناشتا بنا دو گی۔'' حیدر نے ہاتھ میں

پکڑا گلاس ٹیبل پر پٹخا۔

''بری بات۔'' جبران نے تنبیہی لہجے میں حیدر سے کہا۔

''بھیا آپ اس کو بھی تو دیکھیں، مجھے بریڈ نہیں پسند۔'' حیدر نے کھا جانے والی نظروں سے ثانیہ کو دیکھا۔

''یہ تم سب نے کیا شور ڈال رکھا ہے اور یہ دلاج کہاں گئی۔'' طیبہ بیگم شور کی آواز سن کر کچن میں آئیں تھیں۔

''مما پتا نہیں کہاں گئی ہے یہ بلاج دلاری، آپ ناشتا بنا کر دیں ہمیں دیر ہو رہی ہے۔'' ثانیہ نے ماں کو دیکھتے ہی انڈہ شلف پہ رکھا اور آ کر کرسی پہ بیٹھ گئی۔

''یہ بلاج ہے کہاں؟'' طیبہ بیگم نے کا خود ناشتا بنانے کا دل نہیں تھا، بیگم صاحبہ وہ تو کالج چلی گئی، شاہدہ نے دانت نکالتے ہوئے انہیں مطلع کیا۔

''کالج چلی گئی۔'' طیبہ بیگم نے حیرانگی سے پوچھا۔

''جی جب میں گھر کے اندر آ رہی تھی وہ جا رہی تھیں۔'' شاہدہ نے ایک بار پھر سے اپنے دانتوں کی نمائش کی، طیبہ بیگم کو غصہ ہی آ گیا۔

''تمہارے دانت کیوں نکل رہے ہیں، آ کے ناشتا بناؤ جلدی سے۔'' انہوں نے اسے ڈپٹا تو وہ فوراً مودب ہو کر ناشتا بنانے لگی۔

''اس لڑکی کے پر پرزے زیادہ ہی نکلنے لگے ہیں، آ تو جائے دماغ ٹھیک کردوں گی اس کا، نہ ناشتہ بنائے اور بنا بتائے نکل گئی۔''

انہیں تو بلاج کی جرأت پہ یقین نہیں آ رہا تھا، وہ غصے سے پیچ وخم کھانے لگیں۔

''جلدی ہاتھ چلاؤ، میرے بچوں کو دیر ہو رہی ہے۔'' بلاج سے بعد میں نمٹنے کا سوچ کر طیبہ بیگم نے اپنا غصہ شاہدہ پر نکالا۔

جبران کھل کر مسکرا دیا۔

''میرے ساتھ رہو گی ایسے ہی بہادر ہو جاؤ گی بلاج علی۔'' اس نے دل ہی دل میں اسے مخاطب کیا اور سرشاری کے عالم میں آفس جانے کی تیاری کرنے لگا۔

☆☆☆

''ارے کیا ہوا ہے؟ جب سے آئی ہو روئے چلی جا رہی ہو، بتاؤ تو سہی، آج پھر تمہاری ممانی نے کچھ کہا ہے۔'' نیناں نے قیاس لگایا۔

''نہیں۔'' اس نے روتے روتے نفی میں سر ہلایا۔

وہ بے حد ضبط کر کے کالج پہنچی تھی، مگر نیناں کو دیکھتے ہی وہ خود پہ قابو نہ رکھ سکی۔

''جبران بھائی نے کچھ کہا ہے۔'' نیناں نے اس کے کندھے پہ ہاتھ رکھ کر پوچھا، بلاج نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

''نیناں وہ بہت بدتمیزی کرنے لگا ہے، روز بروز اس کی ڈھٹائی میں اضافہ ہو رہا ہے، آج تو اس نے حد ہی کر دی۔''

''اگر کچھ ہو گیا تو، ممانی نے دیکھ لیا تو میری رہی سہی عزت جس کا انہیں کبھی کبھار ہی خیال آتا ہے، دو ٹکے کی نہیں رہے گی، وہ تو پورے خاندان کے سامنے مجھے......'' بلاج سے بات مکمل ہی نہیں ہوئی۔

نمکین پانی کا گولہ اس کے حلق میں پھنس سا گیا تھا، نیناں اسے دکھ سے دیکھے گئی۔

''کاش میں تمہارے لئے کچھ کر پاتی دلاج۔'' وہ خود بھی حد درجہ ڈسٹرب ہو گئی تھی۔

''کیوں کیا اللہ نے میرے ساتھ ایسا، کوئی تو رشتہ دے دیتا، کسی رشتے کا سائبان تو میری زندگی میں دے دیتا، یہ جو رشتوں کی نعمت ہے نا

نیناں، بہت خاص لوگوں پر ہوتی ہے۔" اب کے وہ آنسو صاف کر کے رنجیدگی سے بول رہی تھی۔

"ثانیہ ماموں سے یا اپنے بھائیوں سے فرمائشیں کر کے ضد کر کے اپنی باتیں پوری کرواتی ہے اس لمحے کتنا سناٹا میرے اندر تک اتر جاتا ہے، شاید میں بتا بھی نہ پاؤں، کیا میں اتنی بری ہوں۔" اس نے آنسوؤں سے لبریز آنکھیں اٹھا کر نیناں کی طرف دیکھا۔

"نہیں بلاج تم بہت اچھی ہو۔" نیناں نے اس کا ہاتھ تھاما، وہ پھر سے رونے لگی، وہ دونوں گراؤنڈ میں نسبتاً الگ تھلگ ہو کر بیٹھی تھیں مگر پھر بھی اکا دکا لڑکیوں نے رک کر ہچکیوں سے روتی بلاج کو حیرت سے دیکھا اور آپس میں سرگوشیاں کرنے لگی۔

"بلاج اپنے آپ کو سنبھالو پلیز، دیکھو سب لڑکیاں تمہیں ہی دیکھ رہی ہیں۔" نیناں نے سامنے بیٹھی تین چار لڑکیوں کے گروپ کی طرف اشارہ کیا جو انہیں ہی دیکھ رہی تھیں، کافی دیر رونے کے بعد وہ خود ہی خاموش ہو گئی اور سر جھکا کر گھاس توڑنے لگی۔

"تمہیں پتا ہے میری زندگی کیسی ہے۔" اس نے سر اٹھا کر نیناں کو دیکھا۔

"ایسی۔" بلاج نے ٹوٹی ہوئی گھاس اپنی ہتھیلی پہ سجا کر کہا۔

"جب چاہا لگا دیا، جب چاہا اکھاڑ دیا اور جب چاہا گرا دیا۔" اس نے اپنی ہتھیلی الٹ دی، گھاس کے وہ چند ذرے زمین پر گر گئے۔

"میں سب کچھ ہنس کر برداشت کر لیتی تھی، ممانی کی تحقیر آمیز باتیں، ثانیہ کے طعنے، حیدر کی بدتمیزی، لیکن یہ سب نہیں، وہ تو ان سب سے آگے نکلا، میں نے اس کے آنے کے بعد بہت شکر کیا تھا، اس کے آنے کے بعد میری زندگی میں بہت کچھ بدلا تھا، اسی کے کہنے پر میرا ایڈمیشن ہوا، اسی نے گھر کے کاموں کے لئے نوکرانی رکھوائی، ورنہ سارا دن کام کام اور بس کام، جو مجھے ہی کرنے ہوتے تھے، مگر ممانی پھر بھی کبھی راضی یا خوش نہیں ہوتی تھیں، لیکن مجھے یہ نہیں پتا تھا وہ سب ایسا کیوں کر رہا تھا، میں دل سے ماموں کے بعد اس کی عزت کرتی تھی، مگر اس نے مجھے بہت غلط سمجھا، میرے پاس تو کچھ بھی نہیں ہے، سوائے عزت کے۔" آنسوؤں نے ایک بار پھر اس کا چہرہ بھگو دیا۔

"غلطی تمہاری ہے، تمہاری خاموشی اور ڈر اسے اور شہہ دے رہے ہیں، تمہیں فی الفور اپنے ماموں سے بات کرنی چاہیے یا پھر بنا ڈرے اسی سے دوٹوک بات کرو، اسے کہو تم ایسی لڑکی نہیں ہو، وہ شاید سمجھ جائے، رونے سے کچھ نہیں ہوتا، اگر رونے سے مسئلے حل ہوتے تو ہم سب حل کے بجائے بیٹھ کر صرف روتے، رونے سے سب کچھ ہو جائے گا تو میں بھی تمہارے ساتھ بیٹھ کر روتی ہوں، میری پیاری دوست ہمت سے کام لو، اپنی ممانی سے کہہ دو اور اس سب سے بہتر ہے۔" نیناں رکی۔

بلاج نے الجھ کر اسے دیکھا۔

"کیا بہتر ہے؟" بلاج نے آہستگی سے پوچھا۔

"شادی کر لو بات ہی ختم، جبران کا ممانی کا قصہ ہی ختم۔"

"اونہہ شادی۔" نیناں کی بات پر وہ ہنس پڑی۔

"اس میں ہنسنے والی کون سی بات ہے۔" نیناں نے منہ بنایا۔

"تمہارا دماغ نا مجھ سے زیادہ خراب ہو گیا ہے۔" بلاج نے سر کو دائیں سے بائیں جانب

ہلایا۔

''کس سے کروں گی شادی، شادی کے لئے ایک عدد لڑکے کی ضرورت ہوتی ہے، مجھ جیسی لاچار اور لاوارث لڑکی سے کون شادی کرے گا، میری قسمت ثانیہ جیسی تھوڑی ہے، اس کی خالہ اور اس کا منگیتر تو اس کے پیچھے پاگل ہوں جیسے۔'' اس کے لہجے میں حسرت در آئی۔

''ارے ہاں۔'' نیناں کے ذہن میں ایک خیال بجلی کی مانند کوندا۔

''تم بھی کتنی بے وقوف ہو یار، ترپ کا پتا تمہارے ہاتھ میں ہے اور تمہیں اس کا خیال تک نہیں، میرے ذہن میں ایک آئیڈیا آیا ہے۔'' نیناں نے پر جوش ہو کر چٹکی بجائی۔

''کیسا آئیڈیا؟'' بلاج نے الجھن آمیز نظروں سے اس کے پر جوش انداز کو دیکھا۔

''تمہارے پاس، آئی مین تمہارے نام تین دکانیں اور ایک مکان ہے نا، جس کا کرایہ ہر ماہ تمہاری ممانی صاحبہ آرام سے ہڑپ کر جاتیں ہیں، تمہارے ماموں کو تمہاری پڑھائی اور جہیز کی تھپکی دیئے رکھتی ہیں، تم یوں کرو، ان کا مطالبہ کر دو، یقین جانو تمہاری ممانی اتنی لالچی ہیں کہ......''

''نہیں نیناں میں یہ نہیں کر سکتی۔'' اس نے اس کی بات پوری ہونے سے پہلے ہی کاٹ دی۔

''کیوں بلاج یہ تو تمہارا حق ہے؟'' نیناں حیران ہوئی۔

''تمہیں اگر وہ گھر محفوظ نہیں لگے گا چھوڑ کر کسی ہاسٹل چلی جانا، یا پھر شادی کر لینا، مگر اپنی سیکورٹی تو بنالو۔''

''مجھے کوئی سیکورٹی نہیں بنانی، وہ سب میرے ساتھ کچھ بھی کر سکتے ہیں، مگر میں ایسا نہیں کر سکتی، ماموں جان نے کبھی مجھ میں اور ثانیہ میں فرق نہیں کیا، انہیں تو معلوم بھی نہیں ثانیہ اور ممانی میرے ساتھ اتنا ہتک آمیز سلوک کرتی ہیں، ماموں جب بھی گھر آتے ہیں، وہ دونوں ان کے سامنے یکسر بدل جاتی ہیں، میں ماموں کو دکھ نہیں دینا چاہتی، مجھے ان کے پیار اور خلوص پہ رتی بھر بھی شک نہیں، ان کی محبت کا صلہ اس طرح نہیں دے سکتی میں، بس تم دعا کر دو، میری شادی ہو جائے اور میں جلد از جلد یہاں سے چلی جاؤں پلیز۔'' بلاج نے اپنی انگلیاں مڑوڑتے ہوئے رسانیت سے کہا۔

نیناں کو اس پیاری لڑکی پہ ٹوٹ کر پیار آیا، جو رشتوں کے ہوتے ہوئے بھی تنہا تھی۔

''میں تمہارے لئے بہت دعا کروں گی۔'' نیناں نے صدق دل سے کہا اور اسے گلے لگا لیا۔

''میں تمہارے لئے کچھ کھانے کے لئے لاتی ہوں، مجھے پتا ہے تم نے کچھ نہیں کھایا ہوگا۔''

''نیناں پلیز نہ جاؤ مجھے چھوڑ کر۔'' بلاج نے اس کا دوپٹہ کھینچتے ہوئے لجاجت سے کہا تو وہ ہنس دی۔

''ارے میڈم یہ کالج ہے تمہارا گھر نہیں، بے فکر رہو یہاں مسٹر جبران تو کیا اس کی پرچھائی بھی نہیں آسکتی۔'' وہ ہنس کر کہتی کینٹین کی جانب بڑھ گئی جو کہ بائیں ہاتھ پہ تھی، بلاج نے دور تک نیناں کو جاتے دیکھا اور گہرا سانس لے کر نیلے آسمان کی جانب تشکر بھری نظروں سے دیکھنے لگی۔

''بعض رشتے ایسے ہوتے ہیں جو اپنی آتی جاتی سانسوں کی طرح بہت اہم ہو جاتے ہیں، زندگی کی راہ میں اچانک، یونہی سر راہ چلتے چلتے ہمیں کچھ لوگ ایسے بھی مل جاتے ہیں جن سے ہمارا کوئی مفاد نہیں جڑا ہوتا، وہ پھر بھی ہمارے لئے ضروری ہوتے ہیں، جن سے بات کر کے سکون ملتا ہے، اندھیری شب میں کسی چمکتے ہوئے

ستارے کی مانند، جن کے وجود کی روشنی ہماری زندگی کے تاریک لمحوں کو منور کرتی چلی جاتی ہے، بظاہر وہ ایک بے نام سا تعلق کبھی دوستی کے پردے میں چھپا ہوتا ہے، یا کبھی ایسا رشتہ جس کا کوئی نام ہی نہ ہو، لیکن سب سے جدا سب سے اہم ہوتا ہے، ایک ایسا رشتہ جسے ہم کبھی بھی کھونا نہیں چاہتے، ہوتے ہیں نا ایسے خوبصورت اور نایاب لوگ جو دل کے کونے میں خاموشی کے ساتھ جگہ بنا لیتے ہیں اور ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ہماری دعاؤں میں زندہ رہتے ہیں، کچھ لوگ ہوتے ہیں نا، جو کسی کا سہارا اور طاقت بن جاتے ہیں، ہماری اس دنیا میں ایسے بھی نرم دل لوگ ہوتے ہیں جن کی ننھی سی روشنی کسی کی زندگی کا چراغ بن جاتی ہے ایسا چراغ جو سخت آندھیوں، طوفانوں میں بھی جلتا رہتا ہے، کیونکہ اس کی روشنی کے ساتھ کسی کی امید، حوصلہ اور محبت جو جڑی ہوتی ہے۔’’

بلاج علی کے پاس وہ جگنو نیناں سبطین تھی وہ محبت سے نیناں کو سوچتی چلی گئی۔

‘‘یہ لو جی۔’’ وہ اس کے لئے نہ جانے کیا کیا اٹھا لائی تھی۔

‘‘اتنی چیزیں کون کھائے گا نیناں۔’’ بلاج نے حیرت سے اس کے ہاتھوں میں موجود برگر، چپس، چاکلیٹ اور کوک دیکھ کر حیرانگی سے ستفسار کیا۔

‘‘تم اور کون کھائے گا؟’’ بلاج کو برگر اور کوک پکڑا کر وہ اس کے سامنے آلتی پالتی مار کر ٹھ گئی، بلاج فٹا فٹ برگر کھانے لگی، اسے واقعی ں بہت بھوک لگ رہی تھی۔

‘‘میں یہ کھا لوں، پھر کلاس اٹینڈ کرنے چلتے ں۔’’ بلاج نے برگر کھاتے ہوئے کہا۔

‘‘شکر ہے میڈم کو بھی خیال آ ہی گیا، ہم یہاں پڑھنے آتے ہیں رونے نہیں۔’’ نیناں نے ہاتھ اٹھا کر کہا، بلاج نے اسے گھورا اور پھر وہ دونوں ہنس دی۔

☆☆☆

‘‘اب گھر کیسے جاؤں، صبح تو غصے میں ناشتہ دیئے بنا کسی کو بھی اطلاع دیئے بغیر گھر سے نکل آئی تھی، ممانی تو میرا باتیں سنا سنا کر برا حال کر دیں گی۔’’ وہ شولڈر پہ بیگ لٹکائے سر جھکا کر خود کو آنے والے وقت کے لئے تیار کر رہی تھی۔

نیناں سے اس بات کا ذکر کیا کرتی بعید نہیں تھا وہ اس کا سر پھاڑ دیتی۔

‘‘یا اللہ تو ہی میری مدد فرما دے، کوئی معجزہ ہی دکھا دے۔’’ وہ انتہائی سست قدموں سے گھر کی طرف جا رہی تھی، مگر اس کا دل مسلسل بضد تھا، کہ وہ گھر سے الٹی سمت چلنا شروع کر دے، مگر وہ جاتی کہاں؟ راستہ تو تھا مگر سامنے منزل نہیں تھی، اس کے گرد کتنے ہی چہرے تھے، ہنستے مسکراتے بے فکرے انداز میں لڑکیاں گھر جانے کی عجلت میں اس کے پاس سے تیز تیز قدموں سے گزر جاتی تھیں۔

وین والوں کا، گاڑیوں، رکشوں کا شور اس کے اردگرد سے گزر رہا تھا، سب کو اپنی اپنی پڑی تھی، ہر کوئی ایک دوسرے سے پہلے اپنی منزل پہ پہنچنے کے لئے سرگرداں تھا۔

مگر بلاج کو ایسی کوئی جلدی نہیں تھی، دفعتاً اسے اپنے ساتھ کسی کے چلنے کا احساس ہوا، سر اٹھا کر اپنے دائیں جانب دیکھا تو دنگ رہ گئی، اس کے سست قدم رک گئے، اور دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔

‘‘جبران بھائی، آپ یہاں۔’’ اس کے ہونٹ پھڑ پھڑا کر رہ گئے۔

‘‘ہاں چلو تمہیں لینے آیا ہوں۔’’ وہ اس کی

حیرت سے یکسر انجان یوں بولا جیسے وہ روز اسی کے ساتھ گھر واپس جاتی تھی۔

''چلو بھئی۔'' اس نے بے زاری سے اپنی کلائی میں بندھی واچ کو دیکھا اور پھر اس کی حیرت بھری آنکھوں میں جھانکا۔

''جبران بھائی پلیز۔'' غصے کی شدید لہر اس کے جسم میں دوڑ گئی۔

''کیا پلیز چلو دیر ہو رہی ہے۔'' وہ اس کی آنکھوں اور لہجے میں غصے کا رنگ دیکھ کر بھی انجان بن گیا۔

''میں خود گھر جاتی ہوں، اب بھی خود ہی گھر چلی جاؤں گی۔'' وہ اپنے پاس سے گزرتی لڑکیوں اور ان کی ذومعنی نظروں سے گھبرا کر بولی اور چل پڑی۔

''بلاج کبھی بحث کے بغیر کوئی بات مان بھی لیا کرو۔'' اس نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنی طرف کھینچا۔

''جبران بھائی۔'' وہ دھیمی آواز میں چلائی۔

''ٹھیک ہے، گھر جا کر امی کے عتاب کا نشانہ بننا، مجھے کیا میں نے تو ہمدردی کرنا چاہی تھی کہ تمہیں بچا لوں گا، مگر تمہارے نخرے ہی ساتویں آسمان تک کے ہیں۔'' اس نے اس کا ہاتھ چھوڑتے ہوئے منہ بنا کر کہا اور پلٹ گیا، مگر وہ اس کی کمزور رگ پہ ہاتھ رکھ چکا تھا۔

''ممانی کی باتیں اور طعنے اف۔'' اس کی آج کی غلطی پہ وہ اسے اتنی بے نقط سناتی کہ وہ اگلے کئی دن خود سے منہ چھپائے پھرتی۔

''جبران بھائی میں آپ کے ساتھ چلتی ہوں۔'' وہ بھاگ کر اس کے پیچھے آئی۔

''چلو ٹھیک ہے کیا یاد کرو گی بیٹھو۔'' اس نے نیو ماڈل کی چم چم کرتی بلیک کرولا کا دروازہ کھول کر اسے بیٹھنے کے لئے کہا۔

وہ گہرا سانس لے کر بیٹھ گئی، ممکن تھا اگر وہ کہتی مجھے پیچھے بیٹھنا ہے تو جبران گاڑی لے اڑتا، وہ بالکل دروازے کے ساتھ لگ کر بیٹھ گئی، دبران نے اس کے گریز کو دیکھا اور مسکرا دیا۔

''شکر ہے بیٹھ تو گئی، ورنہ مجھے تو زرہ بھر امید نہیں تھی، بلاج علی مجھے یہ شرف بھی عطا کر دے گی۔'' وہ اپنے بلیک کلر کے گلاسز لگاتے ہوئے سوچ کر ہنسا۔

''دیکھو مجھے آفس کی طرف سے گاڑی ملی ہے، کیسی ہے۔'' گاڑی اسٹارٹ کرتے ہوئے اس نے دوسری جانب منہ کیے بیٹھی ولاج کو مخاطب کیا۔

وہ اس سے ایسے بات کر رہا تھا، جیسے وہ دونوں بہت اچھے دوست ہیں، بلاج کے وجود میں ذرا سی جنبش نہیں آئی، وہ ہنوز کھڑکی سے باہر کے مناظر کو دیکھنے میں مصروف تھی۔

''اترو۔'' پانچ منٹ کے بعد جبران نے گاڑی کسی پارکنگ ایریا میں روک دی اور اسے اترنے کے لئے کہا، وہ جلدی سے دروازہ کھول کر نیچے اتر آئی اور پھر سٹپٹا گئی۔

''یہ مجھے کہاں لے آئے آپ۔'' وہ دونوں کسی ریستوران کے سامنے کھڑے تھے۔

جبران گاڑی لاک کر کے اس کے مقابل آ کھڑا ہوا۔

''مجھے بھوک لگ رہی ہے لنچ کر کے چلیں گے۔'' وہ آرام سے بولا۔

بلاج سلگ کر رہ گئی۔

''مگر مجھے بھوک نہیں ہے، مجھے گھر جا ہے، آپ نے کہا تھا گھر چلیں گے۔'' وہ منہ بناتی ہوئی بولی۔

''ہاں تو گھر ہی جائیں گے، لیکن لنچ کے بعد۔'' اس نے انتہائی اطمینان سے کہا اور اس

جواب سنے بنا ہی آگے بڑھ گیا، جیسے اسے یقین تھا، وہ اس کے پیچھے ضرور آئے گی۔

''تم خود آرام سے اس سے بات کرو۔''

اچانک ہی نیناں کے لفظ اس کے ذہن میں گونجے، ایک لمحہ لگا تھا اسے فیصلہ کرنے میں، وہ اس کے پیچھے چلی آئی۔

جبران نے پلٹ کر اپنے پیچھے آتی بلاج کو دیکھا اور اپنے یقین پر مہر ثبت ہونے پر کھل کر مسکرا دیا۔

''بیٹھو۔'' جبران نے بلاج کے لئے کرسی پیچھے سرکائی اور خود اس کے سامنے آبیٹھا، اس نے سب سے الگ گوشے میں رکھی ٹیبل کا انتخاب کیا تھا۔

''مجھے آپ سے ضروری بات کرنی ہے۔'' وہ وہی کھڑی ہو کر جھجکتے ہوئے بولی۔

''بیٹھ جاؤ، آرام سے لنچ کرو، پھر بات بھی کر لینا۔'' اس نے کہہ کر ویٹر کو اشارہ کیا، ولاج کوئی دوسرا چارا نہ پا کر بیٹھ گئی، اور اپنے لب کاٹنے لگی۔

''کتنے خوش ہیں سب اور میں۔'' ریستوران میں اتنا رش نہیں تھا، صرف چند لوگ تھے، مگر ان چند لوگوں کے چہروں نے بلاج کو افسردہ کر دیا تھا۔

''بولو کیا کہنا ہے تمہیں۔'' ویٹر کھانا سرو کر کے جا چکا تھا، جب جبران نے پلیٹ اٹھا کر اس کے سامنے بڑھا کر کہا، بلاج چند ثانیے جبران کی لائٹ براؤن آنکھوں میں دیکھتی رہی۔

''مجھے پتا ہے، میں بہت پیارا ہوں لڑکی نظر مت لگا دینا مجھے۔'' جبران کے لہجے اور آنکھوں میں شرارت در آئی، اس کی مسکراہٹ بہت پیاری تھی، یا آنکھیں، بلاج نے نظریں جھکا لی۔

''جبران بھائی آپ میرے ساتھ ایسا کیوں کر رہے ہیں۔'' وہ دھیمی آواز میں بولی۔

''کیا کر رہا ہوں میں تمہارے ساتھ۔'' جبران نے پلیٹ میز پر رکھی۔

''پلیز آپ مجھے بخش دیں میں کوئی ایسی ویسی لڑکی نہیں ہوں، ہاں مجبور ضرور ہوں۔'' وہ رونا نہیں چاہتی تھی، مگر اس کی آنکھوں میں ڈھیروں ڈھیر پانی جمع ہو چکا تھا۔

''ہاں مجبور ضرور ہوں، پلیز میری مجبوری کا فائدہ مت اٹھائیں، میری زندگی آسان نہیں ہے، بچپن کی محرومیاں، بچپن کی زیادتیاں اور بچپن کے سمجھوتے ہماری ذات، ہمارے اندر بہت بڑا خلا چھوڑ جاتے ہیں، جو وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ بڑے ہوتے جاتے ہیں، میں نے بہت سوچا، میں آپ کی شکایت ماموں سے کروں، لیکن میں بہت کمزور ہوں میں ماموں کو کھونا نہیں چاہتی، پوری کائنات میں ایک ماموں ہی تو ہیں جن کے خلوص اور پیار میں کوئی کمی نہیں، ان کی محبت ہی میرے لئے متاع حیات ہے، آپ کیوں چاہتے ہیں، میں یہ پیار بھی کھو دوں، میں سب کچھ برداشت کر سکتی ہوں، لیکن یہ حرکتیں نہیں جو آپ کر رہے ہیں، میرے پاس بس عزت ہے اپنا مان اپنی ذات کا مان ہے، نہ میں اسے کھو سکتی ہوں نہ ماموں جان کو کھونے کا حوصلہ ہے مجھ میں۔''

جبران کے ماتھے پہ بلوں میں اضافہ ہوتا ہی جا رہا تھا، بلاج نظریں جھکائے بس اپنی ہی کہے جا رہی تھی۔

''پلیز آپ کو بہت سی لڑکیاں مل سکتی ہیں، میرے ساتھ ایسا نہ کریں، میرے پاس بس یہی دو چیزیں ہیں، مجھے ان سے محروم نہ کریں، میں آپ کے آگے ہاتھ باندھتی ہوں کسی اور بات کا نہیں اسی بات کا خیال کر لیں، میں آپ کی مرحوم

پھپھو کی لاوارث بیٹی ہوں۔" وہ یکدم ہی پھوٹ پھوٹ کر رو دی، دبران گھبرا گیا۔

"یار پلیز چپ کرو، دیکھو سب لوگ متوجہ ہو رہے ہیں۔"

"پلیز وعدہ کریں آپ مجھے کچھ نہیں کہیں گے۔" وہ آج اس سے وعدہ لیئے بنا نہیں جانا چاہتی تھی۔

"چلو اٹھو، مجھے نہیں پتا تھا تم یہ ڈرامہ شروع کر دو گی، میں صرف تمہاری وجہ سے چلا آیا تھا، کہ تم صبح کی بھوکی ہو گی اور دوسرے مما کی ڈانٹ سے بچانے کے لئے اتنا ٹائم ویسٹ کیا، تم تو بہت بڑی ڈرامہ کوئین ہو اونہہ۔" وہ غصے سے بل ٹیبل پر پھینک کر باہر نکل گیا۔

"یہ اللہ یہ کیا ہو رہا ہے۔" وہ دل میں کراہی، اس کا دل چاہ رہا تھا، زمین پھٹ جائے اور وہ اس میں سما جائے، لیکن ہر بات پوری ہونے کی تھوڑی ہوتی ہے، وہ ایک بار پھر بوجھل دل، نم آنکھوں کے ساتھ وہ کانٹوں پر چل کر کار تک آئی، جہاں جبران ماتھے پہ ہزاروں بل ڈالے کھڑا سگریٹ پی رہا تھا۔

"اپنے ڈرامے بند کر دو، تماشا بنا کر رکھ دیا ہے، مجھے پتا ہے تم کیسی لڑکی ہو۔" وہ حد درجہ ناراضگی سے بولا۔

"جبران بھائی۔" اس نے آنسو بھری آنکھیں اس کی جانب اٹھائی تو وہ جھنجھلا اٹھا۔

"شٹ اپ خبردار اگر مجھے اب تم نے بلایا۔" وہ پلٹ کر گاڑی میں بیٹھ گیا۔

"اب جو بھی کرنا ہو گا، جلدی کرنا ہو گا ورنہ یہ۔" وہ بڑبڑا کر کار اسٹارٹ کرنے لگا، اس کے بیٹھتے ہی گڑای زن سے لے اڑا۔

☆☆☆

گاڑی گھر کے سامنے پارک کر کے وہ پلٹا تو وہ وہی کھڑی اپنے لب کاٹ رہی تھی۔

"چلو اندر۔" جبران نے اسے اپنی جگہ سے ہلتے نہ دیکھ کر کہا۔

"نہیں پہلے آپ جائیں۔" اس نے سراسیمگی لہجے میں کہا، تو جبران اسے گھورتا ہوا گیٹ کھول کر اندر چلا گیا، وہ بھی سر جھکائے اس کے پیچھے چل دی۔

"مما بلاج میرے ساتھ گئی تھی۔" طیبہ بیگم لاؤنج میں ہی بیٹھی بلاج کا انتظار کر رہی تھیں، جبران کی بات پہ کرنٹ کھا کر پلٹی، طیبہ بیگم نے غیض وغضب بھری نظروں سے بلاج کو دیکھا، تو وہ سرتاپا لرز کر رہ گئی۔

"تم وہاں اس کے کالج کیا کرنے گئے تھے۔" طیبہ بیگم نے خشمگیں نظروں سے اپنے عزیز از جان بیٹے کو گھورا، جواب اطمینان سے ان کے برابر صوفے پہ بیٹھا تھا اور سامنے پڑے میز پر جگ میں سے گلاس میں پانی ڈال رہا تھا۔

"بلاج کو لینے گیا تھا۔" اس کی بات پہ طیبہ بیگم کو غش ہی تو آ گیا۔

اس سے پہلے کہ وہ صدمے سے بے ہوش ہوتیں، جبران کی آواز آئی۔

"کم آن مما گزر رہا تھا، تو لے آیا، اسپیشلی تھوڑی گیا تھا لینے۔" وہ گھونٹ گھونٹ پانی پیتے ہوئے بولا تو طیبہ بیگم کے ڈولتے دل کو ذرا سا قرار آیا۔

"پھر اتنی دیر کیوں لگی۔" ایک اور خیال نے ان کا قرار چھین لیا، انہوں نے دیوار گیر وال کلاک کو دیکھا جو چار بجا رہا تھا، طیبہ بیگم نے مشکوک نظروں سے دلاج کو سر سے لے کر پاؤں تک دیکھا، جہاں بلاج جی بھر کے شرمندہ ہوئی وہی جبران کے لبوں پہ مسکراہٹ ابھر آئی۔

"مما مجھے بھوک لگ رہی تھی، لنچ کر

چلا گیا تھا۔‘‘

’’جاؤ بلاج تمہیں مما کچھ نہیں کہیں گی، تم جاؤ اپنے کمرے میں۔‘‘ اس نے سر جھکائے کھڑی بلاج سے مخاطب ہو کر کہا۔

طیبہ بیگم کا دل چاہا، بلاج کو ایسی کھری کھری سنائیں کہ وہ ساری عمر یاد رکھے، ان کا تو صدمے سے برا حال ہوا جا رہا تھا۔

’’تم اسے ریستوران لے کر گئے تھے۔‘‘ طیبہ بیگم کو جیسے اس کی بات پہ یقین نہ آیا۔

’’فکر مت کریں مما اس نے کچھ نہیں کھایا۔‘‘ وہ اب کے بے زاری سے بولا۔

’’میری فکر نہیں ہے جب سے آیا ہوں اسی کی تفتیش سے فرصت نہیں آپ کو۔‘‘ وہ ناراض ہوا، طیبہ بیگم نے بلاج کو بعد میں سیدھا کرنے کا سوچ کر اپنے چہرے پر مسکراہٹ سجالی۔

’’کیوں خیال نہیں ہے مجھے اپنے بیٹے کا۔‘‘ انہوں نے پاس بیٹھے لمبے چوڑے جبران کی دل ہی دل میں نظر اتاری۔

’’اچھا میں آفس جا رہا ہوں، ہاں آپ کے لئے ایک سرپرائز بھی ہے میرے پاس۔‘‘ اس نے ماں کے گلے میں بازو ڈال کر کہا۔

’’وہ کیا؟‘‘ طیبہ بیگم نے اس کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

’’دکھاتا ہوں مگر میری پہلے ایک شرط ہے۔‘‘ جبران نے ان کی بے چینی سے حظ اٹھاتے ہوئے کہا۔

’’کون سی شرط ہے۔‘‘ وہ جلدی سے بولی۔

’’آپ بلاج کو کچھ نہیں کہیں گی، وعدہ کریں۔‘‘ اس نے اپنا لمبا چوڑا ہاتھ ان کے سامنے پھیلایا۔

’’تم آج کل اس کی زیادہ ہی فکر نہیں کر رہے۔‘‘ طیبہ بیگم کو اس کی یہ فکر مندی ایک آنکھ نہیں بھا رہی تھی۔

’’آپ بس مجھ سے وعدہ کریں۔‘‘ جبران نے ان کی ناگواری کو نظر انداز کرتے ہوئے اپنی بات دہرائی۔

’’میری بات کی اہمیت ہے، یا بلاج کی۔‘‘ وہ ان کی ہچکچاہٹ سے ناراض ہوا۔

’’اچھا نہیں کہتی کچھ اسے۔‘‘ دل تو چاہ رہا تھا جا کر اس چڑیل کا گلا دبا دیں، مگر وہ اپنے اس بیٹے کو ناراض نہیں کر سکتی تھیں، سو مجبوراً نہ چاہتے ہوئے بھی انہیں وعدہ کرنا پڑا۔

دبران نے خوشی سے ان کا منہ چوم لیا۔

’’آپ میری بیسٹ مدر ہیں، دنیا کی سب سے بیسٹ مدر۔‘‘ اس نے محبت سے کہا، تو طیبہ بیگم کی ساری ناراضگی خوف اور اندیشے ہوا ہو گئے۔

’’جبران میرا بیٹا ہے اور میری پسند سے ہی شادی کرے گا۔‘‘ طیبہ بیگم کے اندر تک سکون ہی سکون چھا گیا تھا۔

’’اب آئیں آپ کو سرپرائز دکھاؤں۔‘‘ وہ آنکھوں پہ ہاتھ رکھے، انہیں اپنی نئی گاڑی تک لے آیا۔

’’ارے کیا کر رہے ہو، جبران میں گر جاؤں گی۔‘‘ وہ چلائیں۔

’’ایسے ہی گر جائیں گی آپ میں ہوں نا، آپ کے ساتھ۔‘‘ اس نے ان کی آنکھوں سے ہاتھ اٹھاتے ہوئے کہا، نئی چمچماتی کار ان کے سامنے تھی۔

’’مجھے آفس سے نئی گاڑی ملی ہے۔‘‘ جبران نے طیبہ بیگم کے چہرے کے قریب جھک کر بتایا، جو حیرت سے منہ کھولے کبھی گاڑی کو دیکھ رہی تھیں تو کبھی جبران کو۔

’’اللہ میرے بیٹے کو نظر بد سے بچائے، اسی

طرح دن دگنی رات چوگنی ترقی کرے میرا بچہ۔''

وہ سب کچھ بھول بھال کر خوشی سے نہال ہو گئیں۔

''اچھا مما میں اب آفس چلتا ہوں، بابا کو تیار رکھیے گا، ہم سب رات کو کسی ریستوران میں کھانا کھانے چلیں گے۔''

''ایک تو تمہارے پاپا بھی نا، اتنے دنوں بعد گھر آتے ہیں گھر میں بیٹھنے کے بجائے نکل گئے دوستوں کے گھر، کتنا خوش ہوتے وہ، میں ابھی حیدر اور تمہارے پاپا کو بتاتی ہوں فون کر کے، ثانیہ کو تو دکھا دو، وہ تو اندر ہی ہے۔''

''ارے نہیں مما، ثانیہ نے مجھے واپس آفس جانے نہیں دینا، مجھے ضروری کام نپٹانے ہیں، رات کو ہی آ کر سیلبریٹ کریں گے۔'' وہ منع کرتا ہوا گاڑی میں جا بیٹھا۔

''پیار تو لے جاؤ میری جان۔'' طیبہ بیگم نے اپنے بازو وا کیے، جبران ہنستا ہوا گاڑی سے اتر آیا۔

طیبہ بیگم نے محبت سے اس کا ماتھا چوما اور ڈھیروں ڈھیر دعائیں دے ڈالیں۔

''شام کو سب تیار رہنا۔'' وہ خوشی سے کہتا ہوا گاڑی اسٹارٹ کرنے لگا اور جلد ہی نظروں سے اوجھل ہو گیا۔

☆☆☆

وہ شام میں گھر آیا، تو ثانیہ اسے دیکھتے ہی اس سے آ کر لپٹ گئی۔

''سو ہیپی بھیا۔'' وہ خوشی سے بھرپور لہجے میں بولی۔

''یہ جو آپ کے سرپرائز ہیں نا، ہمیں ہر بار حیران اور کبھی کبھی پریشان بھی کر دیتے ہیں۔''

''واؤ ہمارے گھر دو دو گاڑیاں ہو گئیں۔'' ثانیہ نے خوشی سے تالیاں بجائی تو جبران اس کے دمکتے چہرے کو دیکھ کر کھلکھلا کر ہنس دیا۔

''بھائی کو اندر تو آ لینے دو، سانس تو لے دینے دو۔'' طیبہ بیگم نے ثانیہ کو گھر کا، تو وہ شرمندہ سی ہو گئی۔

''بھیا!'' حیدر نے سیڑھیاں اترتے ہوئے اسے پکارا اور آ کر اس کے گلے لگ گیا۔

''بہت بہت مبارک ہو بھیا۔'' حیدر نے خلوص دل سے کہا تو جبران ہنس دیا۔

''بڑے فارمل ہو رہے ہو۔'' جبران کے کہنے پہ حیدر جھینپ سا گیا۔

کچن میں لگی بڑی کھڑکی سے بلاج نے ان بہن بھائیوں کی محبت کو حسرت سے دیکھا۔

کیا تھا اگر یہی میرے بہن بھائی بن جاتے، اسے کے دل میں حسرت سی جاگی، نہ جانے کیوں اس کا دل ہر چیز سے اچاٹ ہو گیا تھا۔

اس نے ہاتھ میں پکڑی چھری شیف پہ پٹخی اور شاہدہ سے کہہ کر کچن کے عقبی دروازے سے باہر لان میں آ گئی۔

اگر وہ سامنے کے دروازے سے جاتی تو ان سب کی نظروں میں آ جاتی، اس نے گلہ کرتی نظروں سے آسمان کو دیکھا اور وہی کین کی کرسی پہ بیٹھ گئی۔

لیکن مچھروں کی بہتات نے اسے وہاں سے اٹھنے پر مجبور کر دیا تھا، وہ جھنجھلائی اپنے کمرے میں آ گئی، لاؤنج خالی تھا اور وہاں کے سب مکین عمران صاحب کے کمرے میں بیٹھے تھے۔

☆☆☆

''بھیا چلیں نا۔'' ثانیہ نے جبران کا بازو ہلایا۔

''بابا تو جا نہیں رہے پھر کیا مزہ آئے گا۔''

جبران نے منہ بنایا۔

''بابا چلیں نا پلیز۔'' ثانیہ نے منت آمیز لہجے میں کہا۔

''یار میں ابھی پنڈی سے آیا ہوں، جاوید کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی تو میں اور اویس اسے دیکھنے چلے گئے، صبح کو میں نے کراچی کے لئے نکلنا ہے، میں آرام کرنا چاہتا ہوں۔'' عمران صاحب نے عذر پیش کیا، آج وہ اپنے دوست کے بھائی کی عیادت کے لئے راولپنڈی گئے ہوئے تھے۔

''پاپا کیا ضرورت تھی آج ہی آپ کو اتنی دور کا سفر کرنے کی۔'' ثانیہ نے منہ بسورا۔

''بری بات بیٹا، کسی کی عیادت کرنا ثواب کا کام ہے نہ کہ منہ بنانے کا۔'' عمران صاحب نے اسے نرم لہجے میں ٹوکا، اس نے فوراً اپنا چہرہ ٹھیک کیا۔

''میں خود آج بہت تھک گیا ہوں۔'' جبران نے اپنے بازو آگے کی جانب پھیلائے اور کن اکھیوں سے ثانیہ کو دیکھنے لگا۔

''مما ہم کل چلیں گے۔'' اس کی بات پہ ثانیہ کے تیور بگڑ سے گئے۔

''مما دیکھ لیں سب کیسے کر رہے ہیں۔'' وہ روہانسی ہوئی اس سے پہلے کہ آنسوؤں کی برسات شروع ہوتی جبران جلدی سے اٹھ کھڑا ہوا۔

''اوکے اوکے رونا مت، ایک تو میں پہلے ہی آنسوؤں سے بہت تنگ ہوں۔'' اس کے تصور میں بلاج کا چہرہ در آیا۔

''جاؤ بیٹا لے جاؤ ان کو ورنہ تمہاری جان نہیں چھوٹنے والی، ان شیطانوں سے۔'' عمران صاحب نے ہنستے ہوئے کہا۔

''ٹھیک ہے چلتے ہیں، مگر میں فریش تو ہو لوں میرے فرشتوں۔'' جبران نے ثانیہ کے سر پہ ہلکی سی چپت لگاتے ہوئے کہا تو وہ مسکرا دی۔

''ہاں ٹھیک ہے بھیا آپ فریش ہو لیں تب تک میں اپنی گیم کھیل لیتا ہوں۔'' حیدر نے کہہ کر اپنا موبائل نکال لیا۔

''برخوردار آپ کا یہ لاسٹ سمسٹر ہے، ایم بی اے کا، تیاری کر لیں ساری عمر گیم ہی کھیلنی ہے۔'' کمرے سے نکلتے نکلتے جبران کے کانوں میں عمران صاحب کی آواز پڑی، وہ سرعت سے سیڑھیاں چڑھ گیا۔

''بے فکر رہیے پاپا میں ثانیہ تھوڑی ہوں جو فیل ہو جاؤں گا۔'' اس نے سیلفیاں بناتی ثانیہ کی طرف کہہ کر منہ چڑایا۔

''پاپا دیکھ لیں اس کمینے کو۔'' ثانیہ کے تو تلوں میں لگی سر پر بجھی، اس کی بی اے میں اردو میں سپلی آ گئی تھی، تب سے حیدر اسے چڑانے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیتا تھا۔

''اچھا بس بھی کرو تم دونوں شروع مت ہو جانا۔'' طیبہ بیگم قرآنی آیات کا ورد کرتیں رک کر بولیں۔

''پاپا اس بار فیل ہو گا لکھ کر رکھ لیں میری بات۔'' ثانیہ نے سر ہلاتے ہوئے کہا اور پھر سے سیلفی بنانے لگی۔

''خوش فہمی ہے جناب کی۔'' حیدر ہنسا۔

''چلیں جناب۔'' دس منٹ بعد ہی وبران نے ووازے سے انٹر ہوتے ہوئے کہا۔

''واؤ بھیا بیوٹی فل پرسنالٹی، کبھی کبھی تو آپ لڑکیوں کو بھی مات دے دیتے ہیں۔'' وائٹ لائننگ والی شرٹ اور بلیک پینٹ پہنے نک سک سے تیار وبران کو دیکھ کر ثانیہ نے تبصرہ کیا۔

وہ واقعی نظر لگ جانے کی حد تک پیارا لگ رہا تھا، جبران جھینپ سا گیا عمران صاحب اس کے جھینپنے پر ہنس دیئے۔

''پاپا آپ بھی چلتے نا۔'' وہ ان کے قریب

آیا۔

"سچ میں بیٹا بہت تھکاوٹ ہو رہی ہے، اللہ تمہیں اور کامیاب کرے۔" عمران صاحب نے اس کا ماتھا چوما۔

"اور ہاں بلاج کہاں ہے وہ نہیں جا رہی تم لوگوں کے ساتھ۔" عمران صاحب کو دفعتاً بلاج کا خیال آیا۔

"پاپا وہ نہیں جاتی ایسی جگہوں پہ ہمارے ساتھ۔" حیدر نے عجلت میں کہا اور اٹھ کھڑا ہوا۔

"کیوں نہیں جاتی، بلا کر لاؤ ثانیہ بہن کو۔" عمران صاحب نے کہا تو ثانیہ نے منہ بنا کر ماں کو دیکھا۔

"رہنے دیں نا بلاج کو گھر میں ہی، آپ کے پاس رک جائے گی۔" طیبہ بیگم چادر ٹھیک کرتی گویا ہوئیں۔

"بھلا ان کے بیچ بلاج کا کیا کام ہے؟"

"کیوں میں کوئی بچہ ہوں، چوکیدار نہیں رہ سکتا، جاؤ ثانیہ۔" عمران صاحب نے اب کے ذرا سخت لہجے میں ثانیہ کو حکم دیا۔

"پتا نہیں کیا جادو کر رکھا ہے پاپا پہ اس چڑیل نے۔" ثانیہ نے دل میں کلس کر سوچا اور دلاج کو بلا لائی، ان سب کو اپنی طرف متوجہ دیکھ کر دلاج شرمندہ سی ہو گئی۔

"جی ماموں۔" اس نے اپنے ہاتھوں کو مسلتے ہوئے استفسار کیا۔

"بیٹا سب گھر والے ڈنر کے لئے جا رہے ہیں تم کیوں نہیں جا رہی چلو فٹافٹ تیار ہو کر آؤ، سب ریڈی ہیں۔" بلاج کے لئے ان کے لہجے میں محبت ہی محبت تھی۔

ثانیہ نے غصے میں پہلو بدلا، اسے اپنی محبت میں شراکت داری بالکل پسند نہیں تھی مگر......

"نہیں ماموں میں آپ کے پاس رہوں گی۔" بلاج نے آہستگی سے کہا۔

"بالکل بھی نہیں، سب گھر والے جا رہے ہیں، تم بھی جاؤ گی، جاؤ میرا بچہ جلدی سے تیار ہو کر آؤ۔"

"تم بھی ثانیہ کی طرح رہا کرو، تم سے صرف دو ماہ چھوٹی ہے، اسے دیکھو انجوائے منٹ کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتی۔"

"پاپا۔" ثانیہ نے منہ بنا کر کہا، وہ زیادہ ہی ایج کانشس تھی۔

"میں بلاج سے چھوٹی ہوں یہی کافی ہے، کتنی چھوٹی ہوں، یہ بتانا ضروری نہیں ہے۔" اس نے احتجاج کیا، اس کے منہ بنانے اور کہنے کے اسٹائل پہ بے اختیار بلاج کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آ گئی، جبران بے اختیار اسے دیکھے گیا۔

"ہوں ہوں۔" حیدر نے ہنکارا بھرا، تو جبران نے اس کی طرف دیکھا۔

"مما نا بلاج کا قیمہ بنا دیں گی۔" حیدر نے اس کی چوری پکڑ لی تھی اور سرگوشی میں ماں کے عتاب کے بارے میں وارن کیا، تو جبران بے اختیار شرمندہ ہو گیا۔

"بھئی جاؤ بھی اگر چلنا ہے ہمیں دیر ہو رہی ہے۔" اب کے طیبہ بیگم نے مداخلت کی، بلاج گہرا سانس لے کر مڑ گئی، جانے کے علاوہ اور کوئی رستہ نہیں تھا۔

وہ پانچ منٹ کے بعد ہی واپس آ گئی، لائٹ پرپل سوٹ اس کی گوری رنگت پہ خوب کھل رہا تھا، میک اپ سے مبرا چہرہ لئے سر پہ دوپٹہ اوڑھے وہ پریوں جیسی لگ رہی تھی، گھنیری پلکوں نے اس کی کالی گھنگھور جیسی آنکھوں پہ سایہ کیا ہوا تھا، سب نے منہ بنایا، سوائے جبران کے، وہ کھل اٹھا تھا، وہ جو بھی خواہش کرتا، کسی نہ کسی طرح پوری ہو جاتی تھی، اس کا دل چاہا عمران صاحب کا

منہ چوم لے اور اس نے ان کا چہرہ چوم بھی لیا، عمران صاحب مسکرا دیئے۔

ان کا بیٹا ان کا فخر تھا، اس سے زیادہ اعزاز کی بات ایک باپ کے لئے کیا ہوتی ہے۔

کار میں ثانیہ کی باتیں، حیدر کی شرارتیں اور طیبہ بیگم کی دعائیں ختم ہی نہیں ہو رہی تھیں، اسے اپنا آپ بے کار محسوس ہو رہا تھا۔

”بھلا کیا ضرورت تھی ماموں کو ضد کرنے کی، اچھا بھلا نوٹس بنا رہی تھی۔“ بلاج دل ہی دل میں عمران صاحب سے خفا ہوئی، اسے اپنا آنا فضول لگ رہا تھا۔

”لیکن ماموں بھی نا۔“ جبران کی بیک مرر سے نظریں اسی کی جانب تھیں۔

وہ اپنی دانست میں اس سے چھپ کر ڈرائیونگ سیٹ کے پیچھے بیٹھی تھی، لیکن جبران نے گاڑی کے اندر موجود شیشے کا رخ اس اسٹائل سے ٹھیک کیا، کہ وہ اس کی نظروں کے حصار میں تھی، بلاج کو کسی کی نگاہوں کی تپش اپنے چہرے پر محسوس ہوئی، مگر وہ سب تو اپنی ہی باتوں میں مصروف تھے، بلاج کی اچانک نظر گاڑی میں موجود شیشے پر پڑی، تو جی جان سے سلگ کر رہ گئی، جبران کی پرشوق نظریں اسی کا احاطہ کیے ہوئے تھیں، بلاج نے تنگ آ کر اپنے برابر بیٹھی ثانیہ کو دیکھا، جو لاپرواہی سے حیدر سے لڑنے میں مصروف تھیں اور طیبہ بیگم جبران کو ڈھیروں دعائیں دینے میں مگن، بلاج نے گہرا سانس لے کر کھڑکی سے باہر نگاہیں ٹکا دیں۔

جبران نے نہ جانے کیا کیا منگوا کر ان کے سامنے رکھوا دیا۔

”رئیلی بھیا آپ ہو ہی بیسٹ اور یہ حیدر، ہوں۔“ ثانیہ نے منہ بنا کر سر دائیں سے بائیں جانب موڑا۔

”بھیا دیکھ لیں، بدلتا ہے رنگ آسمان کیسے کیسے۔“

”آپ کے آنے سے پہلے میرے آگے پیچھے پھرتی تھی اور اب آپ کی چمچی بنی ہوئی ہے، پہلے حیدر میرے بھائی نہیں، حیدر میرے شہزادے نہیں اور اب دیکھیں۔“ حیدر نے اس کی نقل اتاری۔

”فکر مت کرو، میں نے بھی سوچ لیا ہے، دلاج کو اپنی بہن بنا لوں گا۔“

”کیوں بلاج میری بہن بنو گی تم۔“ حیدر نے سب سے الگ تھلگ بیٹھی بلاج کو گفتگو میں گھسیٹا۔

اب وہ ہونق بنی حیدر کی آفر پہ غور کر رہی تھی، اس کا دل چاہا، وہ جھٹ سے اثبات میں سر ہلا دے۔

”کیوں بلاج پہلے کچھ اور تھی، جو اب بہن بنا رہے ہو۔“ ثانیہ نے انتہائی بدتمیزی سے کہا، جبران کے لبوں سے مسکراہٹ غائب ہو گئی۔

”کنٹرول یور سیلف ثانیہ۔“ وہ غصے سے بولا۔

”تمیز نہیں ہے تمہیں بات کرنے کی۔“ اس نے ہاتھ میں پکڑا چمچ پلیٹ میں پٹخا، جبران کو غصے میں دیکھ کر ثانیہ کے تو اوسان ہی خطا ہو گئے، حیدر بھی شرمندہ سا ہو گیا تھا، ٹیبل کا ماحول ایک دم ہی مکدر ہو گیا۔

”اچھا اب بس بھی کرو۔“ طیبہ بیگم نے ہی بات سنبھالی۔

”اتنی بار کہا ہے، سوچ سمجھ کر بولا کرو، مگر تمہیں سمجھ ہی نہیں آتی اور تم حیدر ہر جگہ ایک دوسرے کو چھیڑنا تنگ کرنا ضروری ہوتا ہے، چلو سب موڈ ٹھیک کرو، چلو بردان کھانا شروع کرو۔“

بلاج خاموشی سے سر جھکائے آنسو اپنے

اندر اتارنے کی کوشش کر رہی تھی۔

"کھانا کھاؤ بلاج۔" جبران نے تحکم آمیز لہجے میں اس سے کہا۔

"اور اگر آئندہ اس طرح کی بکواس کسی نے بھی کی مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا۔" اس نے انگلی اٹھا کر سب کو وارن کیا۔

"ایم سوری بھیا۔" ثانیہ کی شرمندہ سی آواز گونجی۔

"سوری مجھے نہیں بلاج سے کرو۔" اب کے ثانیہ کے ساتھ ساتھ طیبہ بیگم نے حیرانگی سے اپنے بیٹے کو دیکھا۔

"اب اتنی بڑی بات بھی نہیں ہوئی جبران۔" انہوں نے منہ بنایا۔

"ثانیہ سوری کرو۔" جبران کے لہجے میں سختی در آئی، ثانیہ نے مدد طلب نظروں سے ماں کو دیکھا، مگر وہ تو خود جبران کو سمجھ نہیں پا رہی تھیں۔

"سوری بلاج۔" ماں کی طرف سے مایوس ہو کر ثانیہ نے بلاج سے معذرت کی۔

"اٹس او کے۔" اس کی گھٹی گھٹی سی آواز نکلی۔

"اس کے بعد تمہاری پسند کی آئس کریم کھائیں گے اور پھر گفٹ بھی ملے گا۔" جبران نے اپنے تنے ہوئے اعصاب ڈھیلے چھوڑے اور مسکرا کر ثانیہ سے کہا۔

"سچی بھیا۔" وہ خوشی سے چلائی۔

"مچی۔" جبران نے کہا اور ہنس دیا، طیبہ بیگم نے الجھ کر جبران کو دیکھا، پھر سر جھٹک کر باتیں کرنے لگیں، وہ سب پھر سے باتیں کر رہے تھے مستی کر رہے تھے اردگرد لوگوں کے ہجوم میں بھی بس وہی تنہا تھی۔

"پتا نہیں میں ہوں ہی کیوں؟" اس نے دل گرفتگی سے سوچا، وہ رونا چاہتی تھی مگر رو نہیں سکتی تھی۔

وہ آئس کریم پارلر چلے آئے۔

"میں نہیں جا رہی، آپ لوگ کھا کر آ جائیں۔" اس نے آہستگی سے کہا، جبران کے کچھ بولنے سے پہلے ہی طیبہ بیگم بول اٹھیں۔

"مرضی ہے تمہاری، چلو آؤ ثانیہ، آؤ جبران۔" انہوں نے بے اعتنائی سے کہا اور چل دی، انہیں گئے کتنی ہی دیر ہو چکی تھی مگر ان کے آنے کا دور دور تک کوئی پتا نہیں تھا۔

بلاج گاڑی میں بیٹھے بیٹھے تھک سی گئی، اچانک اس کی نظر سامنے شیشے پر پڑی، اسے لگا جبران کی آنکھیں ابھی بھی اسے ہی دیکھ رہی ہیں، وہ گھبرا کر نیچے اتر آئی اور گاڑی سے ٹیک لگا کر کھڑی ہو گئی، وہ اپنے اردگرد کھڑے لوگوں کو آتے جاتے دیکھنے لگی، اچانک اس کی نظر ایک چار سالہ بچے پر پڑی، جو اپنی ماں کا ہاتھ چھوڑے، اس کے گرد ہی بھاگ رہا تھا، بلاج نے دلچسپی سے اس بچے کو دیکھا، اچانک ہی وہ بچہ سڑک کے بیچ آ گیا، ماں نے اس پر دھیان نہیں دیا، بلاج جو گاڑی سے ٹیک لگائے کھڑی تھی، سیدھی ہو کر کھڑی ہو گئی، اس نے سراسیمگی نظروں سے آنے والی ٹریفک کی طرف دیکھا، سڑک دو حصوں میں بٹی ہوئی تھی ایک آنے والوں کے لئے اور دوسری جانے والوں کے لئے، وہ بچہ کھیلتا ہوا بلاج کے سامنے عین سڑک پر آ گیا، وہ جلدی سے آگے بڑھی بچے کو اٹھا کر وہ جیسی ہی سیدھی ہوئی، تیز رفتار گاڑی اس کے عین سامنے تھی، ممکن تھا، وہ اسے کچل کر آگے بڑھ جاتی، کسی نے مضبوط ہاتھوں نے اسے بازو سے پکڑ کر اپنی جانب کھینچ لیا، گاڑی زن سے اس کے پاس سے گزری اور دور جا کر رک گئی، بلاج مختل حواس سے کبھی بچے کو دیکھ رہی تھی جو کہ سہم کے اس کے

گلے میں دونوں بازوں ڈالے ہوئے تھا، کبھی اپنے مقابل کھڑے شخص کو دیکھ رہی تھی جس کی آنکھوں میں غصہ تھا۔

”میڈم یہ کون سا طریقہ ہے بچے کو بچانے کا۔“ مقابل نے اسے آڑے ہاتھوں لیا، مگر شاید اس کے چہرے پہ خوف کے تاثرات دیکھ کر ٹھنڈا ہوگیا، اتنے میں وہ گاڑی والا اس کے قریب آ کر رکا۔

”اگر مرنے کا اتنا ہی شوق ہے تو گولیاں کھا لیں، یا چھت سے چھلانگ لگا لیں، اپنے ساتھ کسی معصوم کو کیوں مرنے کے لئے گھسیٹ رہی ہیں۔“ کار والا شخص اس سے سخت خائف نظر آ رہا تھا۔

”ایم سوری بھائی، یہ بچے کو بچا رہی تھیں، مگر شاید بھول گئیں تھی، خود بھی سامنے سے ہٹنا ہے۔“ وہی لڑکا آگے بڑھا۔

”پاگل۔“ گاڑی والا بڑبڑاتا واپس گاڑی میں بیٹھ گیا، دلاج کو ڈھیروں ڈھیر شرمندگی نے آ گھیرا۔

”ہائے میرا بچہ۔“ اتنے میں لڑکی بھی ان کے قریب آ گئی، وہ بچے کو گود لے چکی تھی۔

”کتنا بار کہا ہے وصی کا دھیان رکھا کرو، اگر یہ نہ ہوتیں تو جانے کیا ہو جاتا۔“ اس نے سامنے کھڑی بلاج کی جانب اشارہ کیا۔

”تھینکس رئیلی میرے پاس الفاظ نہیں آپ کا کیسے شکریہ ادا کروں۔“ وہ لڑکی تشکر آمیز نظروں سے اسے دیکھ کر بولی۔

”اٹس اوکے۔“ بلاج مسکرائی۔

”تم بھی تو لاپرواہ ہو کر کھڑے تھے۔“ اب کے وہ لڑکی اپنے برابر کھڑے لڑکے پر گرجی۔

”لو جی کر لو بات ابھی میں لاپرواہ تھا، میں نہ ہوتا تو یہ خوبصورت سی لڑکی دنیا سے کوچ کر چکی ہوتیں۔“ اب کے مسکرا کر بولا تو بلاج کے لبوں پر بھی مسکراہٹ دوڑ گئی۔

”میں آمنہ ہوں اور یہ میرا بیٹا وصی۔“ اس نے اس لڑکے کو گھورتے ہوئے اپنا ہاتھ دلاج کی جانب بڑھایا۔

”میں بلاج علی۔“ اس نے اس کے بڑھے ہوئے ہاتھ پہ ہاتھ رکھ دیا۔

”اور میں ڈاکٹر شہروز۔“ اس نے بھی اپنا ہاتھ آگے بڑھا دیا، دلاج نے حیرت سے اس کے پھیلے ہوئے ہاتھ کو اور پھر اسے دیکھا۔

”اوہ سوری۔“ اس نے شرمندہ ہو کر اپنا ہاتھ پیچھے ہٹایا، اور کھسیانی ہنسی ہنس دیا، اندر سے نکلتے جبران نے حیرت سے دلاج کو ایک لڑکی اور لڑکے سے باتیں کرتے دیکھا، لڑکے کی پرشوق نظریں بلاج پر ٹکی ہوئی تھیں اور دلاج کے لبوں پر دھیمی دھیمی سی مسکراہٹ رقصاں تھی، غصے کی لہر نے سر تا پیر جبران علوی کو جلا کر بھسم کر دیا، اس نے ہاتھ میں پکڑا کپ زمین پر پٹخ دیا اور غصے سے دلاج کی جانب بڑھ گیا۔

”میرے گھر ضرور آنا۔“ آمنہ نے محبت سے دلاج کا ہاتھ دبایا۔

”ہم آپ کا ویٹ کریں گے۔“ شہروز نے کہا تو بلاج کھلکھلا دی، وہ کہیں سے بھی ڈاکٹر نہیں لگ رہا تھا۔

”ڈاکٹر تو سنجیدہ اور سوبر سے ہوتے ہیں، جبکہ آپ تو......“ اس نے اپنے چہرے پہ ہاتھ رکھا۔

”کیا مطلب آپ کا میں سوبر نہیں ہوں۔“ اس نے صدمے سے چور ہو کر سوال کیا۔

”میرا بھائی بہت اچھا ہے۔“ آمنہ نے محبت سے اس کے بازو پہ ہاتھ رکھا۔

”بس جولی زیادہ ہے، مجھے تو خود یقین نہیں

آتا، ایسا خشک پروفیشن چوز کر کے یہ ابھی بھی ویسے کا ویسا ہی ہے۔" آمنہ ہنسنے لگی تو شہروز بھی ہنس دیا۔

"جی ہر ایک کی اپنی اپنی نیچر......" اس کی بات اس کے لبوں پر ہی دم توڑ گئی تھی جبران اس کے برابر آ کھڑا ہوا تھا اور غصے بھری نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"یہ کون ہیں، آپ کے ہزبینڈ ہیں۔" آمنہ کے کہنے پر بلاج سٹپٹا سی گئی۔

"نن...... نہیں...... یہ تو...... چلو یہاں سے۔" اتنے میں جبران نے اس کا بازو دبوچا۔

"آپ میرڈ تو نہیں لگ رہیں۔" ڈاکٹر شہروز نے کہا۔

"آپ سے مطلب، میرڈ ہے یا نہیں۔" جبران ان کے شہروز کی جانب پلٹ کر درشتگی سے بولا۔

"او کے بلاج، پھر بات ہو گی۔" آمنہ نے بمشکل مسکرا کر اس سے کہا۔

"یہ میرا نمبر ہے۔" اس نے وصی کو شہروز کی گود میں دے کر اپنے بیگ میں سے کارڈ نکالا اور بلاج کی جانب بڑھا دیا۔

"ہمیں ضرورت نہیں ہے۔" جبران نے رکھائی سے کہا۔

"لے لیں، گائناکولوجسٹ ہیں، ضرورت پڑے گی۔" شہروز نے دہائی دی، بلاج کا جی چاہ وہ غائب ہو جائے ان سب کی نظروں سے۔

"تھینکس۔" وہ پتھر مار لہجے میں بولا اور دلاج کو گھسیٹ کر اپنے ساتھ گاڑی کے پاس لا کھڑا کیا۔

"تمہیں آئس کریم کھانے کے لئے کہا تم نے کہا سر میں درد ہے، یہ درد ہے تمہارے سر میں، تم انجان لوگوں اور خاص طور پر اس لڑکے کے ساتھ کھڑی ہنس ہنس کر باتیں کر رہی ہو۔" جبران کے الزام پہ اس نے شکوہ کناں نظروں سے اسے دیکھا۔

"پچھلے دو گھنٹے سے تم ہمارے ساتھ ہو، تمہارے چہرے پر مسکراہٹ تو کیا میں نے ریلیکس ہونے کے تاثرات بھی نہیں دیکھے تھے، تمہیں میں دیکھ لوں تو تمہیں بہت غصہ آتا ہے اور وہ جو گھور گھور کر دیکھ رہا تھا وہ اچھا لگ رہا تھا۔" جبران کا بس نہیں چل رہا تھا وہ کیا کرے۔

"بھیا آپ اندر سے کیوں آ گئے باہر۔" ثانیہ کی آواز پر بلاج نے سرعت سے گاڑی کا دروازہ کھولا اور اندر بیٹھ گئی۔

"کیوں گھر نہیں جانا، یہی رہنا ہے۔" وہ غصے سے بولا۔

"آپ کو کیا ہوا؟ اندر سے تو اتنے خوش خوش آئے تھے۔" ثانیہ اس کے لہجے سے خائف ہوتی ہوئی بولی۔

"ارے کچھ نہیں، آئس کریم گر گئی میرے ہاتھ سے اس لئے غصہ آ رہا ہے۔" جبران نے اپنے غصے کو چھپایا، ورنہ تو ثانیہ نے دو کی چار سنانی تھی طیبہ بیگم کو۔

"اوہ لگتا ہے آج تو بلاج کی قسمت میں آئس کریم تھی ہی نہیں۔" وہ تمسخرانہ انداز میں کہتی گاڑی میں آ بیٹھی، طیبہ بیگم اور حیدر بھی آ گئے۔

"بابا کے لئے لے آئے نا۔" جبران نے گاڑی کا دروازہ کھولتے ہوئے استفسار کیا۔

"جی بالکل جناب۔" حیدر نے ہاتھ میں پکڑا شاپر جبران کی نظروں کے سامنے لہرایا، جبران سر ہلا کر گاڑی میں بیٹھ گیا، بلاج کو جبران سے عجیب طرح کی الجھن اور بے زاری محسوس ہوئی۔

"بلاوجہ ہی میری زندگی میں مخل ہو رہا

ہے۔'' وہ حد سے زیادہ بے زاری سے منہ بنا کر بیٹھ گئی، اور اب کے اس نے ممانی اور ثانیہ سے بھی اپنی اکتاہٹ چھپانا محسوس نہیں کی، گاڑی پورچ میں آ کر رکی، وہ سب سے پہلے گاڑی سے نکل کر اپنے کمرے کی جانب بڑھ گئی۔

''اسے کیا ہوا ہے؟'' طیبہ بیگم کے لہجے میں بے زاری عود آئی۔

''تمہارے بابا کو کہا بھی تھا، رہنے دیں اسے، مگر وہ کہاں سنتے ہیں۔'' انہوں نے سر جھٹک کر کہا، دبران پہلے ہی اندر جا چکا تھا۔

''اونہہ، خواہ مخواہ کی اپنی اہمیت جتانا تو کوئی بلاج بی بی سے سیکھے۔'' ثانیہ نے بھی منہ بنا کر اپنے خیال کا اظہار کیا۔

''گیٹ ٹھیک سے لگانا حمید۔'' طیبہ بیگم نے پلٹ کر چوکیدار سے کہا۔

''جی بی بی۔'' حمید نے سعادت مندی سے کہا، تو وہ مطمئن ہو کر اندر کی جانب بڑھ گئیں۔

☆☆☆

جبران کی حرکتیں ختم تو نہیں البتہ بہت حد تک کم ضرور ہو گئی تھیں، وہ خود بھی اس کے سامنے کم ہی آتی تھی۔

''ہائے قسم سے بلاج ایسا کیوٹ سا کزن مجھے تنگ کرتا، میں تو ذرہ بھر بھی برا نہ مناتی۔'' نیناں نے آنکھیں بند کر کے کہا، اس کے انداز پہ تو بلاج ہنس دی۔

''اللہ نہ کرے ایسا کبھی تمہارے ساتھ ہو۔'' بلاج نے ہنستے ہوئے کہا۔

''مذاق ایک طرف مگر تھنک گاڈ تم ریلیکس تو ہوئی۔'' نیناں نے مطمئن سی بلاج کو دیکھتے ہوئے کمنٹ پاس کیے۔

''ٹھیک کہہ رہی ہو، ورنہ تو مجھے رات بھر نیند ہی نہیں آتی تھی ''اب کیا ہوگا'' کا بھوت سونے ہی نہیں دیتا تھا۔'' بلاج نے افسردگی سے کہا تھا۔

''اچھا چھوڑ ان باتوں کو، مما اور بھابھی بہت بے تابی اور بے قراری سے تمہارا انتظار کر رہی ہیں۔'' نیناں نے بات پلٹی، تو بلاج بھی بہل گئی۔

''ہاں میں آؤں گی، ممانی سے پوچھ کر۔'' اس نے کہا تو نیناں نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

''میں مما کو بتا دوں گی، ہاں کل بھابھی پتا کیا کہہ رہی تھیں۔'' نیناں کی آنکھیں چمکنے لگیں۔

''کیا کہہ رہی تھیں؟'' بلاج کے چلتے ہاتھ لمحہ بھر کو رکے۔

''کہہ رہی تھیں امی کیا تھا اگر میرا ایک دیور ہوتا، ہم بلاج کو اپنے گھر لے آتے ہمیشہ کے لئے۔''

''ہیں سچی بھابھی ایسے کہہ رہی تھیں۔'' بلاج نے نوٹ بک اور پنسل اپنے پاس گھاس پر رکھی اور مکمل طور پر نیناں کی طرف متوجہ ہوئی۔

وہ محبتوں کی متلاشی لڑکی تھی، نیناں کے گھر والے اس سے بہت لگاؤ رکھتے تھے، نیناں اور وہ فرسٹ ائیر سے ساتھ پڑھتی تھیں، اس کی آنکھوں میں چمک اتر آئی، نیناں نہ جانے کیوں اس پیاری لڑکی کو دیکھے گئی۔

''کیا ہوا؟ تم ایسے کیوں دیکھ رہی ہو۔'' بلاج اس کے دیکھنے پر شرمندہ سی ہو گئی۔

''ایک بات کہوں ولاج۔'' نیناں نے اس کے ہاتھ تھامے۔

''تم بہت اچھی ہو بہت پیاری، واقعی میں میرا بھائی ہوتا میں تمہیں کہیں نہ جانے دیتی۔'' نیناں نے محبت سے کہا۔

''ایسی بات نہیں ہے، بس مجھے اچھا لگتا ہے تم، بھابھی، آنٹی سب مجھ سے پیار کرتے ہو، تمہارے گھر آ کر مجھے بہت سکون ملتا ہے، آنٹی

مجھے اپنی مما جیسی لگتی ہیں نرم دل نرم گفتار، بھابھی مجھے اپنی بہن جیسی لگتی ہیں، پرخلوص، خیال رکھنے والی۔‘‘

’’اور میں۔‘‘ نیناں چلائی۔

’’تم؟‘‘ بلاج نے دور آسمان کو دیکھتے ہوئے نظریں نیناں کی جانب مرکوز کیں۔

’’تم میری سب سے اچھی دوست ہو، تم میرے لئے پتا کیا ہو۔‘‘ دلاج نے اسے سوالیہ نظروں سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

’’کیا ہوں؟‘‘ نیناں نے استفسار کیا۔

’’قیمتی خزانہ، تسلی کے دو لفظ تمہارا اپنائیت سے بھرپور لہجہ، میرے لئے ایک خوبصورت مسکراہٹ محبت بھرے انداز میں ہاتھ پکڑنا اور دل کو سکون دینے والی تمہاری باتیں، دنیا کی ساری دولت اور دلکشی سے بڑھ کے ہوتا ہے، میں ہر نماز کے بعد خدا کا شکر کرتی ہوں، اس نے مجھے تم جیسی ہم راز، دوست عطا کی ہر رات تم سے ڈھیروں باتیں کرنے کا سوچتی ہوں، صبح دل کرتا ہے جھٹ سے کالج آ جاؤں۔‘‘ وہ ڈھیرے ڈھیرے نیناں کو بتا رہی تھی، یہ پہلی بار تھا کہ وہ نیناں کو یہ سب بتا رہی تھی۔

’’اچھا اب تم مغرور مت ہو جانا۔‘‘ بلاج نے منہ کھولے اور آنکھیں پھاڑے اپنی جانب دیکھتی نیناں کو چھیڑا۔

’’تم سچ کہہ رہی ہو بلاج۔‘‘ نیناں مشکوک سی ہوئی۔

’’نہیں بالکل جھوٹ کہہ رہی ہوں۔‘‘ بلاج نے اس کے سر پہ ہلکی سی چپت لگائی اور اٹھ کھڑی ہوئی۔

’’اٹھو کلاس لینے چلیں۔‘‘

’’ہائے خوش نہ ہونے دینا ظالم لڑکی۔‘‘ نیناں ٹھنڈی آہیں بھرتی اٹھ کھڑی ہوئی۔

نیلے چھتری والے نے خوش ہوتی بلاج کو دیکھا اور وقت بھی اس کے ساتھ مسکرانے لگا، دبران آج کل نہ جانے کہاں بزی تھا، مگر جو بھی تھا بلاج نے سکون کا سانس لیا تھا کہ اسے جلد ہی عقل آ گئی تھی۔

حیدر ویسا ہی تھا لاابالی سا، موڈ ہوتا تو اسے بلاتا تک نہیں تھا، اور اگر دل ہوتا تو اسے خوب تنگ کرتا۔

’’بلاج میرا یہ کام کر دو، بلاج یوں کرو۔‘‘ وہ اس کی فرمائشوں کو پورا کرتے کرتے تنگ آ جاتی ثانیہ اور ممانی کی تو بات ہی ختم تھی۔

بقول ان کے وہ اسے خود زیادہ منہ نہیں لگاتی تھیں، یونہی دھوپ چھاؤں کا سفر جاری تھا، ایسے میں عمران صاحب نے ریٹائرمنٹ لے لی۔

وہ بھی گھر لوٹ آئے، ان کے آنے سے سب سے زیادہ فائدہ بلاج کو ہوا تھا، ان کے آنے سے اس نے سکون کا سانس لیا تھا۔

وقتی کی جگہ مستقل ملازمہ رکھ لی گئی تھی، برتن اور صفائی کے لئے الگ سے ملازمہ لگ گئی، وہ سکون سے اپنے فائنل ائیر کے ایگزامیز دے پائی تھی۔

☆☆☆

گھڑی کی ٹک ٹک کے ساتھ سانسوں کی روانگی بھی جاری تھی وہ ابھی ابھی نیناں کے گھر سے آئی تھی، اس کی شادی طے کر دی گئی تھی اور شادی کے بعد ابروڈ سیٹل ہونے والی تھی۔

بلاج بہت اداس تھی ایک ہی تو اس کی دوست تھی، وہ بھی اتنی دور چلی جائے گی وہ کس سے باتیں کیا کرے گی، وہ لان میں رکھی کرسیوں میں سے ایک پہ بیٹھی اپنے ہاتھوں کی لکیروں کو دیکھنے لگی۔

''نہ جانے میری قسمت میں کیا ہے۔'' وہ الجھ سی گئی۔

وہ بے خیالی میں سر اٹھا کر حیدر اور ثانیہ کو ٹینس کھیلتے ہوئے دیکھنے لگی، وہ دونوں مل کر خوب شور کر رہے تھے، اسے انہیں دیکھ کر مزہ آنے لگا تھا، ساری ٹینشن ہوا ہو گئی تھی۔

''آؤ بلاج تم بھی کیا یاد کرو گی۔'' پھولی سانسوں سے ثانیہ نے ہاتھ ہلا کر اسے بھی کھیلنے کی دعوت دی۔

''نہیں مجھے نہیں کھیلنا آتا، تم دونوں ہی کھیلو۔'' اس نے رسانیت سے کہا۔

''مرضی ہے تمہاری۔'' ثانیہ کندھے اچکا کر پھر سے حیدر کے ساتھ کھیلنے لگی۔

''بی بی جی آپ کو صاحب بلا رہے ہیں۔'' شاہدہ نے اس کے پاس آ کر کہا۔

''کون بلا رہے ہیں؟'' بلاج نے سیدھا ہوتے ہوئے اس سے استفہامیہ انداز میں پوچھا۔

شاہدہ، جبران کو بھی صاحب ہی کہتی تھی دلاج نے اسی لئے اس سے پوچھا تھا۔

''عمران صاحب۔'' اس نے ہنستے ہوئے کہا۔

''آپ سمجھی تھیں جبران صاحب بلا رہے ہیں۔'' شاہدہ نے شاید اس کی سوچ پڑھ لی تھی، دلاج ہنس دی اور کچھ بھی کہے بنا عمران صاحب کے کمرے کے باہر کھڑی ہو گئی، اس نے دروازہ ناک کیا۔

''آ جاؤ بیٹا۔'' دروازہ تھوڑا سا کھلا تھا، وہ پورا دروازہ کھول کر اندر آ گئی۔

''کیسا ہے میرا بچہ؟'' انہوں نے اسے دیکھ کر اپنے بازو پھیلائے، وہ جھجکتے ہوئے ان کی کھلی بانہوں میں سما گئی، آج تو خلاف توقع طیبہ بیگم کے ماتھے پہ بلوں کے بجائے لبوں پر مسکراہٹ تھی۔

''خیر تو ہے، سورج آج کہاں سے نکلا'' وہ دل ہی دل میں حیران ہوئی۔

''دوست کے گھر مزہ آیا۔'' انہوں نے محبت بھرے لہجے میں استفسار کیا۔

''جی ماموں جان بہت، اس کی اگلے ماہ شادی ہے۔'' وہ آہستگی سے بتانے لگی۔

''اچھا جی، یعنی خرچہ۔'' وہ ہنسے، بلاج بھی مسکرا دی۔

''جتنے پیسوں کی ضرورت ہوئی بس حکم کر دینا۔'' عمران صاحب نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا، طیبہ بیگم پہلو بدل کر رہ گئیں۔

''فالتو کے پیسے ہیں نا جیسے۔'' وہ بھول رہی تھیں وہ پیسے بلاج ہی کے تھے، جس پر وہ قبضہ کیے بیٹھی تھیں۔

''بات تو کر لیں۔'' طیبہ بیگم نے بے چینی سے کہا۔

''ایک تو میں تمہاری ممانی کی جلد بازی سے بہت تنگ ہوں میں۔'' عمران صاحب نے بلاج سے شکوہ کیا، وہ کیا کہتی، سو سر جھکا کر بیٹھ گئی۔

''بیٹا میں نے تم سے ایک بہت ضروری بات کرنی ہے، میں نے تمہارے ددھیال بھی فون کیا تھا، تمہارے چاچو کا کہنا ہے، بلاج آپ کی ہی بیٹی ہے آپ جو بھی اس کے بارے میں فیصلہ کریں گے ہمیں کوئی اعتراض نہیں۔'' عمران صاحب نے تمہید باندھی وہ الجھ کر ان کی طرف دیکھنے لگی۔

''کیا بات ہے ماموں، مجھ سے کوئی غلطی سرزد ہو گئی۔'' وہ گھبرا گئی۔

''ارے نہیں بیٹا، ایسی کوئی بات نہیں۔''

عمران صاحب نے جلدی سے کہا۔

''پھر ماموں ایسی کون سی بات ہے جو آپ نے چاچو سے مشورہ کیا۔'' اس کا دل دھڑک گیا۔

''پریشان کیوں ہو رہی ہو، بس میرا اور تمہاری ممانی کا دل ہے۔'' انہوں نے بات ادھوری چھوڑ دی۔

''دیکھو بیٹا زبردستی نہیں ہے، اگر تمہیں ہماری بات پہ کوئی اعتراض ہوا، بے شک انکار کر دینا۔'' عمران صاحب نے محبت بھرے لہجے میں اسے فیصلے کا حق دیا۔

''پر ماموں ہوا کیا ہے۔'' وہ روہانسی سی ہوئی۔

''میں اور تمہاری ممانی چاہتے ہیں، تمہیں ہمیشہ کے لئے اپنے پاس رکھ لیں، جبران کی دلہن بنا کر۔'' الفاظ تھے کہ بم جو اس کی سماعتوں پر گرا تھا، وہ بے اختیار اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی اور بے یقینی سے طیبہ کی طرف دیکھنے لگی۔

''تمہاری رضا مندی سب سے اہم ہے، اگر تمہیں کوئی اعتراض ہے، مجھ سے بے جھجک کہہ سکتی ہو۔''

''ارے کیوں اعتراض ہوگا اور کس بات پر میرا بیٹا لاکھوں بلکہ کروڑوں میں ایک ہے، کسی بھی لڑکی پہ ہاتھ رکھ دوں، ایک دن نہ لگے ہاں کرنے میں۔'' طیبہ بیگم کے لہجے میں تفاخر در آیا۔

''تم چپ کرو طیبہ میں بات کر رہا ہوں نا۔'' انہوں نے اپنی شریک حیات کو گھر کا۔

''کوئی زبردستی نہیں ہے بیٹا، اور نہ ہی ناراضگی کی بات، تم مجھے سوچ سمجھ کر جواب دے دینا، میری بیٹی کی خوشی میرے لئے سب سے اہم ہے۔'' انہوں نے ساکت بیٹھی بلاج کے ماتھے پہ بوسہ دیتے ہوئے کہا۔

دلاج کا دل چاہ رہا تھا، وہ چیخ چیخ کر انکار کر دے، اگر عمران صاحب اکیلے میں پوچھتے تو وہ اسی وقت جواب دے دیتی، مگر وہ ممانی سے بہت ڈرتی تھی، جو ابھی بھی عجیب طرح سے اسے دیکھ رہی تھیں، تھوڑی دن ہی تو ہوئے تھے سکون کے، اور اب یہ امتحان۔

''جیسی ثانیہ ہے ویسی ہی تم ہو، ہمارے لئے، اب جاؤ تم۔'' عمران صاحب نے اسے ایک اور تسلی دی، وہ کانپتی ٹانگوں کے ساتھ ان کے کمرے سے نکل آئی، اس کا دل چاہا، وہ وہی دروازے میں بیٹھ کر رو دے، وہ بمشکل اپنے کمرے میں آئی اور بیڈ پر گر کر زور زور سے رونے لگی۔

''یا اللہ ایک اور آزمائش۔'' وہ تڑپ گئی۔

نہ جانے کیوں ہمیشہ اس کی سوچ کے برعکس ہوتا ہے، اس نے تو کبھی خواب میں بھی زندگی کا یہ رخ نہ سوچا تھا۔

یہ کون سی چال چلی ہے، جبران علوی نے، اگر یوں نہیں ہاتھ آئی، تو ماموں کے ذریعے رشتے کی چال چل دی اور ممانی کو کیا ہو گیا، اپنے عزیز از جان بیٹے کے لئے وہ کیسے مان گئیں۔

''ثانیہ، حیدر کی تحقیر آمیز نظریں اور باتیں میں کیسے سہہ پاؤں گی۔'' وہ رو رو کر تھک گئی، اتنا کہ اس کا دل چاہا وہ کسی سڑک پر ننگے پاؤں تنہا نکل جائے۔

تاروں سے سجے آسمان کے سائے تلے، گھٹنوں کے بل بیٹھ کر چیخ چیخ کر اتنا روئے کہ آسمان برس پڑے، مگر اس کے ارد گرد ترحم بھری نگاہ ایک بھی نہ ہو، اس پر ترس کھاتا وجود دور دور تک نہ ہو۔

ہاتھ تھام کر ہاتھ سہلانے والا کوئی ہاتھ اس کے پاس نہ بھٹکے، آج اس کا دل اتنا اداس تھا

کہتے ہیں جب کوئی نہ ہو، بس وہ ہوتا ہے جب ہر جانب اندھیرا ہو، پھر ایک ننھا سا جگنو ضرور مل جاتا ہے۔

‘‘میرے گرد بھی تو اندھیرا ہے، گھپ اندھیرا، کچھ سجھائی ہی نہیں دے رہا، مجھے تو اپنا آپ بھی دکھائی نہیں دے رہا، یا اللہ مجھے وہ جگنو ملا دے، مجھے ننھی سی روشنی کی کرن دکھلا دے۔’’

جب سے ماموں نے اس سے رشتے کی بات کی تب سے اسے اپنی جان نکلتی محسوس ہو رہی تھی۔

‘‘ممانی کیوں نہیں کچھ کہہ رہی۔’’ اس نے پنی ٹانگیں سینے سے لگاتے ہوئے ان کے گرد ازو لپیٹے۔

‘‘کیوں اپنے لائق فائق بیٹے کے لئے میرا تخاب کر رہی ہیں، یہ کون سا طریقہ ڈھونڈا ہے، ھے درد دینے کا، اذیت دینے کا۔’’ وہ سوچ سوچ ز پاگل ہو رہی تھی، لیکن اس کے پاس کسی بھی وال کا جواب نہیں تھا۔

‘‘میں ماموں سے صاف کہہ دوں گی، مجھے ن کے بیٹے سے شادی نہیں کرنی باقی کسی سے ی کر دیں میں ایک بھی لفظ نہیں بولوں گی۔’’ آخر وہ خود کو سمجھانے میں کامیاب ہو گئی، نیند کی ریان پری آج نہ جانے کہاں گم ہو گئی تھی، اس ، اپنی دکھتی آنکھوں کو بند کیا اور تکیے پہ سر رکھ کر ت گئی، مہربان پری کو اس پہ پیار آ ہی گیا اور وہ ے نرم بانہوں میں بھر کر نیند کی وادی میں اتر ۔

☆☆☆

وہ پورا دن کمرے سے باہر نہیں نکلی تھی، وہ ا دن عمران صاحب کو انکار کرنے کی ہمت اور تیں سوچتی رہی، شاہدہ ہی اسے کمرے میں ا دے گئی تھی، مگر وہ جوں کا توں ہی پڑا تھا، نیہ اور ممانی کے اِدھر اُدھر ہونے کا انتظار کر رہی تھی، مگر آج پھر اس سے قسمت ناراض تھی، اس نے شاہدہ سے جتنی بھی بار طیبہ بیگم کے بارے میں پوچھا۔

‘‘وہ اپنے کمرے میں ہیں۔’’ کا جواب ملا۔

وہ اضطرابی حالت میں کمرے کے چکر کاٹ رہی تھی، جب اس کے دروازے پہ دستک ہوئی۔

‘‘ماموں جان آپ۔’’ وہ عمران صاحب کو اپنے کمرے میں دیکھ کر ان کی جانب بڑھی۔

‘‘ماموں جان آپ مجھے بلا لیتے۔’’

‘‘کیوں میں اپنی بیٹی کے کمرے میں نہیں آ سکتا۔’’ انہوں نے مسکرا کر کہا تو وہ شرمندہ سی ہو گئی۔

‘‘کیوں نے آ سکتے، آئیں ماموں۔’’ وہ انہیں بیڈ پر بٹھا کر خود بھی ان کے پاس بیٹھ گئی۔

‘‘میں اپنی بیٹی سے اکیلے میں بات کرنا چاہتا تھا، تمہیں تو پتا ہے کمرے میں تمہاری ممانی کا قبضہ رہتا ہے۔’’ انہوں نے ہلکے سے اس کے سر پر اپنا سر مارا، تو وہ مسکرا دی۔

‘‘کھانا کیوں نہیں کھایا؟’’ انہوں نے سامنے پڑے کھانے کی ٹرے کی طرف اشارہ کیا۔

‘‘بھوک نہیں تھی۔’’ وہ آہستگی سے بولی۔

چند ثانیے عمران صاحب اسے خاموشی سے دیکھتے رہے اور پھر محبت سے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیا۔

‘‘رات میں نے اپنی گڑیا سے ایک بات کی تھی۔’’

‘‘ماموں جان آپ کی ہر بات سر آنکھوں پر لیکن۔’’ اس نے نروس ہو کر اپنے ہاتھ ان کے ہاتھوں سے چھڑوائے۔

‘‘تم نے میرا سر فخر سے اٹھا دیا۔’’

‘‘مجھے پتا تھا، میری بیٹی میری کسی بھی بات

سے انکار نہیں کر سکتی۔'' عمران صاحب نے اس کی پوری بات سنے بغیر ہی خوشی سے لبریز لہجے میں بولے۔

''نہیں ماموں میں۔'' وہ گھبرا گئی۔

''مجھے پتا ہے بلاج تمہاری ممانی کا سلوک تمہارے ساتھ کیسا ہے، لیکن وہ دل کی بری نہیں ہے، میں اس کے برے سلوک کا مداوا کرنا چاہتا ہوں، جبران میرا بیٹا ہے، مجھے یقین ہے وہ تمہیں بہت خوش رکھے گا۔'' وہ شاید اس کی بات سننے نہیں اپنا فیصلہ سنانے آئے تھے۔

''میری شروع سے ہی یہی خواہش تھی کہ تم میرے جبران کی دلہن بنو، بس مناسب وقت کا انتظار کر رہا تھا، تم میری بہن کی اکلوتی نشانی ہو، میں تمہیں اپنے پاس ہی رکھنا چاہتا ہوں، میں تمہیں خود سے دور نہیں بھیجنا چاہتا۔'' عمران صاحب اٹھ کر کھڑے ہوئے۔

''ماموں جان۔'' وہ بہت کچھ کہنا چاہتی تھی مگر ان کی آنکھوں کی چمک مان، امید نے اس کی ہر ہر بات کا گلا گھونٹ دیا، انہوں نے اس کا ماتھا چوما اور اسے گلے سے لگا لیا۔

جبران پڑھا لکھا بہترین پرسنالٹی کا مالک تھا، کوئی بھی لڑکی اس کی ہمراہی کو خوشی خوشی قبول کر لیتی لیکن بلاج وہ لڑکی نہیں تھی۔

ساری زندگی ممانی کی باتیں سنتی آئی تھی، شادی ہی ایک ایسا ذریعہ تھی جو وہ یہاں سے جا سکتی تھی اور ماموں وہ در بھی بند کر رہے تھے۔

''ماموں جان۔'' اس نے انہیں پکارا۔

''ماموں میں......'' وہ اٹکی، پتا نہیں کیوں وہ بول نہیں پا رہی تھی، اس کی زبان اس کا ساتھ کیوں نہیں دے رہی تھی۔

مگر عمران صاحب کی محبت نے اس کے لبوں پر قفل لگا دیئے، وہ اس کا نہیں اپنا فیصلہ سنانے آئے تھے، اس نے ان کے سامنے سر جھکا دیا۔

''کیوں کر رہے ہیں سب مل کر میرے ساتھ ایسا۔'' آنسو اس کی پلکوں کی باڑ پر آ ٹھہرے، جبران ممانی، ثانیہ وہ سوچتی رہی مگر اس کے پاس کسی بھی سوال کا جواب نہیں تھا، ایک خیال بڑی سرعت سے اس کے ذہن میں آیا۔

''م...... میں جبران سے کہتی ہوں انکار کر دے، میں اس کے پاؤں پکڑ لوں گی، ممانی کیسے اپنے لاڈلے بیٹے کے لئے آرام سے مان گئی اور جبران نے بدلہ لینے کا مجھے ذلیل کرنے کا طریقہ ڈھونڈا ہے۔'' اسے ان سوالوں کے جواب چاہیے تھے، ہر حال میں، وہ بے چین تھی، بے قرار تھی، بے سکون تھی اتنی کہ اسے اس درد کی دوا چاہیے تھی۔

وہ اٹھی اور میکانکی انداز میں سیڑھیاں چڑھ گئی، اس نے جبران کے کمرے کا دروازہ ناک کیا اور ہاتھ سے ہلکا سا دباؤ ڈالا، دروازہ کھلتا چلا گیا، وہ پہلی بار اس کے کمرے میں آئی تھی، ایک لمحے کو مبہوت سی ہو گئی، اتنا خوبصورت کمرہ، اتنی پیاری انٹریئر ڈیکوریشن، کلرز کامبی نیشن قیمتی فرنیچر، قیمتی ڈیکوریشن پیس، اسے نہیں معلوم تھا کہ جبران علوی اس قدر ذوق والا ہے، لیکن حرکتیں گھٹیا اور انتہائی گری ہوئی، اس نے بیڈ کے پیچھے لگی بڑی سی جبران کی تصویر کو نفرت سے دیکھا۔

کمرے میں ہلکا ہلکا سا میوزک چل رہا تھا اور بھینی بھینی سی خوشبو چار سو پھیلی ہوئی تھی۔

''کاش یہی خوشبو تمہارے کردار میں بھی ہوتی۔'' اس نے تنفر سے سوچا اور سر جھٹک کر اسے آواز لگائی۔

وہ ٹیرس پر کھڑا فون پہ نہ جانے کس سے

بات کر رہا تھا اور ساتھ ہی سگریٹ پی رہا تھا۔

''تم۔'' وہ اس کی آواز پر سرعت سے کمرے میں آیا اور اسے اپنے کمرے میں دیکھ کر حیران رہ گیا، چند ثانیے بعد وہ اس جھٹکے سے باہر آیا اور مسکرا دیا۔

''بعد میں بات کرتا ہوں۔'' اس نے فون پہ کہا اور سیل فون بیڈ کی جانب اچھال دیا۔

''یار تم نے تو مجھے اچھا خاصا جھٹکا دے دیا۔'' اس نے پلٹ کر ایش ٹرے میں سگریٹ رگڑ کر بجھائی۔

''آؤ۔'' بلاج کمرے کے درمیان میں آ کر کھڑی ہو گئی۔

''رات کے گیارہ بج رہے ہیں ڈر نہیں لگا تمہیں یا ٹائم نہیں دیکھا۔'' وہ اسے چھیڑتے ہوئے بولا، یکدم سسکیوں کی آواز پر اس نے اس کے جھکے سر کو دیکھا۔

وہ جو لڑنے آئی تھی، اسے بہت ساری باتیں سنانے آئی تھی، کچھ بھی نہ کر سکی، لفظ بھی اس کا ساتھ چھوڑ گئے تھے، بس آنسو رہ گئے تھے اس کے پاس۔

''یار تم مجھے یہ دکھانے آئی ہو، مجھے پتا ہے وتے ہوئے تم بے حد حسین لگتی ہو، دیکھو قصور راسر تمہارا اپنا ہوتا ہے، میں جب بھی تمہیں وتے دیکھتا ہوں، یا پھر غصے میں یقین کرو، بے ختیار تمہارے قریب ہونے کو دل کرتا ہے، پھر گلہ بھی مجھ سے اور شکایت بھی۔'' وہ آنکھوں اور لہجے میں ڈھیروں شرارت لئے اس کے مقابل آ ھڑا ہوا۔

''پلیز جبران بھائی۔'' اس نے آنسوؤں ے لبالب بھرے کٹورے اٹھا کر اس کی طرف یکھتے ہوئے بے چارگی سے کہا۔

''پلیز ایسے نہ کریں، آپ کیوں میرے پیچھے پڑ گئے ہیں، میری زندگی پہلے کون سا اتنی آسان تھی جواب آپ نے......''

''میں نے کیا کیا ہے اب۔'' جبران ناراضگی سے بولا۔

''اتنے دن ہو گئے میں نے تو تمہیں چھیڑا بھی نہیں، ان فیکٹ میں تو تمہارے سامنے ہی نہیں آیا، ابھی بھی مجھے ہی مورد الزام ٹھہرا رہی ہو۔''

''میں جانتی ہوں میں کیا ہوں، میں آپ کے آگے ہاتھ باندھتی ہوں، آپ کہیں گے میں آپ کے پاؤں بھی پکڑ لوں گی، میری زندگی کے دروازے کو بند مت کریں۔''

''شادی ہی ایک ایسا ذریعہ ہے جو مجھے یہاں سے نکال کر دور لے جا سکتا ہے، میں نے ہمیشہ اچھے دنوں کا بے صبری اور بے تابی سے انتظار کیا ہے، مجھے ہمیشہ اس بات کا انتظار رہا ہے کہ کوئی شہزادہ گھوڑے پر سوار ہو کر آئے اور بڑی شان شوکت کے ساتھ مجھے اپنے سنگ اپنی خوبصورت دنیا میں لے جائے گا، لیکن ماموں جان۔'' اس نے نظریں اٹھا کر جبران کی طرف دیکھا، جو اس کی آخری بات پر ہنس دیا۔

''واؤ امیزنگ، ان فیکٹ سرپرائزنگ، تم بھی ایسا سوچ سکتی ہو، میں تو تمہیں انتہا ہی حقیقت پسند لڑکی سمجھتا تھا، لیکن تم تو، شہزادہ، گھوڑا۔'' وہ ہنسا اور ہنستا چلا گیا۔

''آپ کے لئے یہ مذاق ہے، آپ ہنس سکتے ہیں، پر میرے لئے زندگی کا سوال ہے، میری محرومیوں کے ختم ہونے کا نام ہے، میری حسرتوں کے مرجانے کا نام ہے۔'' وہ سسکی۔

''تم مجھے غلط سمجھتی ہو بلاج، مجھے بہت شکوہ ہے تم سے اس بات سے، کبھی تو خود سے نکل کر سوچو، شاید کوئی۔'' وہ رکا۔

''میں تم سے شادی......'' اس سے پہلے کہ وہ اپنی بات مکمل کرتا، وہ اچانک ہی اس کے قدموں میں بیٹھ گئی اور اس کے پاؤں پر ہاتھ رکھ دیئے۔

''آپ ماموں کو منع کر دیں، پلیز آپ ان سے کہہ دیں کہ آپ مجھ سے شادی نہیں کرنا چاہتے۔''

''پلیز بلاج۔'' جبران نے غصے سے اس کا بازو کھینچ کر ایک جھٹکے سے اسے اٹھایا۔

''یہ کیا بدتمیزی ہے؟'' وہ بھنا گیا۔

''پلیز جبران بھائی خدا کے لئے۔'' اس نے جیسے جبران کی بات سنی ہی نہیں۔

''میری بات سنو میں ہرگز انکار نہیں کرنا چاہتا، یہ میرے دل کی سب سے بڑی خواہش ہے۔'' وہ اسے دونوں بازوؤں سے پکڑ کر دھیمی آواز میں چلایا۔

''مجھے آپ سے شادی نہیں کرنی، آپ بس انکار کر دیں۔'' وہ دوبارہ ہاتھ باندھنے لگی۔

جبران نے اسے بازو سے پکڑ کر اپنے کمرے کے باہر لا کھڑا کیا اور ٹھک سے دروازہ بند کر لیا۔

''انکار کر دیں، انکار کر دیں۔''

''یہ لڑکی پاگل ہے کیا، کسی کی بات ہی نہیں سنتی، بس ایک ہی رٹ لگا رکھی ہے او خدایا اسے سمجھاؤں اسے۔'' وہ ہاتھوں کے پیالے میں سر دے کر بیٹھ گیا۔

ذلت کے شدید احساس نے اسے اپنی لپیٹ میں لے کر پاگل کر دیا، وہ کچھ بھی سوچے سمجھے بغیر کچن سے چھری لے کر اپنے کمرے میں آ گئی۔

''اب تک مجھے زندگی نے دیا ہی کیا ہے، ذلت، بے عزتی، طعنے اور کوسنوں کے سوا ایسی زندگی سے بہتر تو موت ہے۔'' وہ بے دردی سے اپنے آنسو صاف کرتی ہوئی سوچے چلی گئی، وہ حد درجہ قنوطیت کا شکار ہو رہی تھی، اس نے زور سے اپنی آنکھیں میچ کر اپنی کلائی پہ چھری رکھی اس سے پہلے کہ وہ اپنی سوچ پر عمل درآمد کرتی، اس کے اندر کوئی چلا اٹھا۔

''مایوسی تو کفر کی علامت ہے، مایوسی تو گنا کی دوسری شکل ہے، کیا تم اپنے مہربان رب ک رحمت سے مایوس ہو گئی ہو، کیا تمہیں اس ک رحمانیت پر بھروسہ نہیں رہا، بعض اوقات زند میں پیش آنے والی مشکلیں ہمیں ٹھیک اس را پہ بھی ڈال دیتی ہیں جس پر آسانیاں ہماری منتظ ہوتی ہیں، کیوں ناامید کا پہلو تھام رہی ہو، ہو سک ہے، اگر اللہ تمہیں انتظار کروا رہا ہے تو اس زیادہ عطا کر دے، جو تم نے مانگا ہے، پریشانی ا مصیبت سے مت گھبراؤ کیونکہ ستارے تو ہمیش اندھیرے میں چمکا کرتے ہیں، یہ زندگی کی تو اس کی امانت ہے، وہ جب چاہے گا واپس لے گا، تم اس کی امانت میں خیانت کیسے کر سکتی ہو۔

اس نے آنکھیں کھول دیں، ڈھیروں ڈھیر آنس اس کے دامن کو بھگونے لگے، بلاج نے چھر سائیڈ ٹیبل پر رکھ دی اور ڈبڈبائی آنکھوں سامنے لگی اپنے بابا اور ماں کی تصویر کو دیکھنے لگی

''ایک بار خدا پر یقین کرو، اس پر بھروس کر کے دیکھو، وہ بہترین مالک تمہیں بہترین سے ہی نوازے گا۔'' اس نے وضو کیا اور اس کے حضور جھک گئی۔

''مجھے معاف کر دو اللہ، میں بہت غلطی کرنے لگی تھی، مجھے آپ کا ہر فیصلہ منظور آپ نے میری قسمت لکھی، آپ سے بہتر لکھنے والا نہیں۔'' دعا کے بعد ایک سکون اس اندر پھیل گیا۔

☆☆☆

کچھ تم بولو کچھ ہم بولیں

ام اقصیٰ

شادی گلے میں پھنسی ہڈی کی مانند ہوتی ہے نہ اگلی جائے نہ نگلی، شادی کے فقط چوتھے مہینے بعد ہی رغد ناک تک اکتائی بیٹھی یہ سب سوچ رہی تھی اور وہ بھی اپنی جگہ سچ ہی تھی، چار بھائیوں کی اکلوتی بہن تھی، بھائی بھی وہ جنہوں نے ہر وقت، ہر طرح سے اور ہر ایک لاڈ اٹھائے، چوتھے اور آخری بھائی سے پانچ سال چھوٹی تھی سو سب کی لاڈلی بھی بہت تھی، مانگنا نہ اسے آیا نہ کسی نے سکھایا، ضرورت کی چیزوں کا ختم ہونے کا نام تک نہیں، آسائشوں کی بھرمار رہتی، اس کے ہوش سنبھالنے گریجویشن کرنے تک سب بھائی نوکری شدہ تھے، سو نئے موسم کے آغاز ساتھ ایک بھائی کپڑوں کا ڈھیر لگا دیتا اور دوسرا قدموں میں جوتوں کا، ایک جیولری، پونیاں، کلپ الا بلا بکسا بھر لاتا بچا آخری تو وہ موسم کی سوغاتیں لے آتا، ماما کو گھر میں اس کے ناز اٹھانے سے فرصت نہ ملتی تو بابا باہر گھماتے پھراتے، کھلاتے پلاتے باوجود اس سب لاڈ پیار کے وہ سادہ فطرت تھی، مزاج درویشانہ تھا اس کا، کوئی فخر، غرور، حقارت، ناز کی مزاجی نام تک کو نہ تھی، عجز وانکساری کا پیکر اعلیٰ تھی تبھی جب شادی کا ذکر چلا تو آرام سے گھٹنے ٹیک دیئے، نام، خاندان، تعلیم، جاب حلیہ سب ماما اور بابا اور بھائیوں کو جو پسند، جو ان کی مرضی، جو انہیں اچھا لگے، سو قرعہ فال زیماد کے نام نکلا، تین بھائیوں ایک بہن میں زیماد تیسرے نمبر پر تھا، اور کراچی کی ایک ملٹی نیشنل کمپنی میں جاب کرتا تھا، دھوم دھام سے رغد کو بیاہ کے اگلے ہی ماہ کراچی لے آیا، یہیں وہ دو سال سے قیام پذیر تھا، شروع دنوں تو رغد بوکھلائی پھرتی مگر مزاج کی سادگی کی وجہ سے جلد ایڈجسٹ منٹ کر لی، پہلے دو ایک ماہ تو راوی نے چین ہی چین لکھا، سو چوتھے ماہ رغد حیران کم پریشان شادی کے فوائد و ثمرات پہ غور کرتی پائی گئی ہوا کچھ یوں۔

”رغد مجھے دو ایگ فرائی کر دو ساتھ ایک کپ چائے اور ایک توس، طبیعت کچھ بوجھل سی ہے۔“ آفس سے واپسی پہ زیماد نے لنکس کھولتے رغد سے کہا۔

”ایگ تو رات میں ہی ختم ہو گئے تھے۔“ ہاتھ ملتے قدرے آہستگی سے وہ گویا ہوئی۔

”تو رات میں بتانا تھا ناں۔“ زیماد جھنجھلایا۔

”آپ خود فریج میں دیکھ لیتے۔“

”یعنی آفس بھی دیکھوں اور گھر آ کے فریج بھی ٹٹولتا پھروں۔“ زیماد چڑتا بیڈروم کی جانب بڑھ گیا جبکہ وہ وہیں ہاتھ ملتے رہ گئی۔

شادی کے بعد سب سے مشکل کام رغد کو مانگنا، لگتا، آسائشیں تو ایک طرف ضرورت کے لئے بھی زیماد کے آگے ہاتھ پھیلانا پڑتا، بائے نیچر زیماد بہت اچھا تھا جو وہ کہتی کرتا، ایک بار منہ کھولنا پڑتا وہ سب لا دیتا مگر رغد کو یہ منہ کھولنا، کٹھن ترین لگتا، اسے تو ”لیا دے مینوں گولڈن جھمکے“ اور ”مینوں لہنگا لے دے مہنگا“ ٹائپ کے گانے بھی سخت برے لگتے جس میں کچھ مانگ جا رہا ہے اسے مانگنا انسلٹنگ لگتا، اسے لگتا زیماد جان بوجھ کے اسے فقط چڑانے کے لئے اس ک منہ کھلواتا ہے، کیا اسے نہیں معلوم رغد کی ضروریات کیا ہیں، گھر کی ضروریات کیا ہیں تو و کیوں بن کہے نہیں لا کے دیتا، کسی ٹائم وہ رغ سے پوچھ رہا ہوتا کہ کچھ کھانا ہے زنگر، پیزا، ونگز رغد نفی میں سر ہلا دیتی دل میں پوچھ کے لا ضروری ہے کیا؟ کیا اسے نہیں معلوم کتنے دل ہوئے باہر سے کچھ کھائے یا لائے ہوئے، گھ تک کی انتہائی ضروری چیزیں ختم ہونے پریشان رہتی کہ زیماد سے مانگے کیسے، یا

ضروریات کی اشیاء تک کا یہی حال تھا، وہ تو شکر ہے جہیز میں اتنے کپڑے لائی تھی اور بری میں بھی اتنی ورائٹی تھی کہ مہینوں چل گئے، خود سے نہ یہ کہتی تھی نہ زیماد لے کر دیتا تھا ہاں ایک دو بار شاپنگ مال میں گئے تو زیماد نے اپنی پسند سے دلوا دیئے، اس کی بیسٹ فرینڈ کی شادی قریب تھی کپڑے تو پہلے ہی اس کے پاس بہت تھے البتہ گفٹ کے لئے سوچا و بچار میں تھی اپنی کزن کے پاس اس نے چاندی کا جیولری سیٹ دیکھا تھا وہی اس کا ثانیہ کو گفٹ کرنے کا ارادہ تھا، رات زیماد لیپ ٹاپ کھولے بیٹھا تھا جب رغد اس کے پاس آئی سارا دن اس نے سوچ بچار میں گزارا تھا کہ زیماد سے پیسے مانگے یا نہیں رات کچا پکا سا یہ فیصلہ آخر ہو ہی گیا، تبھی وہ جھجکتے ہوئے زیماد کے قریب آئی، کی بورڈ پہ انگلیاں چلاتے زیماد نے استفہامیہ دیکھا۔

''وہ ایکچوئیلی مجھے کچھ رقم چاہیے تھی۔''

''کتنی؟'' زیماد نے ایک ہاتھ سے پاکٹ سے والٹ نکال کر کھولا۔

''بیس ہزار؟'' وہ جھجکتے بولی۔

زیماد نے ایک نظر والٹ کے اندر جھانکا۔

''ابھی فی الوقت تو اتنے نہیں ہے، دو تین دن تک لے لینا۔'' مصروف انداز سے کہتے والٹ واپس پاکٹ میں ڈالا۔

رغد کو شدید اہانت کا احساس ہوا بمشکل آنسوؤں کو روکتی وہ باہر لاؤنج میں آئی، آنسو تھے کہ شوریدہ ندی بند باندھنے پہ بھی بے قابو بکھرے جاتے تھے، شادی کے بعد سے اب تک اس نے زیماد سے کبھی کچھ بھی نہ مانگا تھا، جواب مانگا بھی تھا تو ٹکا سا جواب، دو تین دن تک مطلب، صاف ٹالا تھا، زیماد نے، دینے ہوتے تو کچھ دیر بعد بھی کہہ سکتا تھا مگر، سسکیوں کو دبانے کے چکر میں گلا الگ دکھا چلا جاتا تھا۔

''رغد ایک کپ چائے پلیز۔'' زیماد کی پکار پہ وہ ٹھس بیٹھی رہی، وہ زیماد کے سامنے بھی نہیں آنا چاہتی تھی، کیا سمجھا ہوا تھا اس نے اسے، ایک ہاتھ سے ہلکے سے گلا دباتی وہ بے دردی سے آنکھیں رگڑ رہی تھی۔

''رغد چائے نہیں بنی ابھی۔'' کچھ دیر بعد زیماد چلا آیا۔

''بنائی ہوں۔'' رخ موڑے وہ بولی تھی، آواز بے حد بوجھل تھی۔

''ایک منٹ ادھر دیکھو ذرا۔'' زیماد نے قریب آ کر رخ موڑا۔

''تم رو رہی ہو۔'' وہ اچنبھے سے دیکھ رہا تھا۔

''رو کیوں رہی ہو؟'' زیماد حیران کم پریشان زیادہ تھا۔

''نتھنگ۔'' دکھتے گلے سے وہ بمشکل بولی۔

''یہاں بیٹھو رغد اور بتاؤ کیوں رو رہی ہو۔'' اس نے اسے صوفے پر بٹھایا۔

''آپ مجھے کیا سمجھتے ہیں؟'' وہ قدرے چلائی تھی۔

''آف کورس، بیوی ہو، لائف پارٹنر۔'' زیماد پریشان الجھا اٹکا۔

''بیوی، نصف بہتر، رائٹ، کچھ حقوق ہوتے ہیں غالباً بیوی کے اور آپ ہر وقت مجھے نیچا دکھانے میری انسلٹ کرنے کی کوشش میں لگے رہتے ہیں۔''

''رغد، میں نے ایسا، کب، کیا۔'' اس کی اونچی آواز سے زیماد خائف ہوا۔

''آپ ہر وقت چاہتے ہیں میں مانگتی رہوں آپ کے پیچھے پڑی رہوں، کبھی آپ نے

ذمہ داری کا ثبوت دیا، موسم بدل رہا ہے شاپنگ کروائی، کبھی آپ نے آتے ہوئے پوچھا کہ کیا چیز ختم ہے یا چاہیے، آپ کو پتا بھی ہے میں ضرورتیں کیسے پوری کرتی ہوں، کبھی کچھ ضرورت کا آپ نے بن مانگے دیا۔"

"رغد تم جو بھی کہتی ہو میں......" زیماد نے اسے سٹاپ دینا چاہا۔

"ہاں میں جو کہوں، جو مانگوں بس اور جو مانگ بھی لوں تو آپ آپ چاہتے ہیں دو تین دن آپ سے مانگتی رہوں، آپ کے پیچھے پڑی رہوں، تب شاید آپ کو رحم آئے اور آپ عنایت کر دیں۔"

"اوہ گاڈ، اسٹاپ اٹ۔" زیماد دونوں ہاتھوں میں سر دبائے کرنے کے انداز میں صوفے پہ بیٹھا۔

☆☆☆

شادی کاب ویب کی مانند ہوتی ہے، بظاہر خوبصورت مگر بے حد الجھی، ہر خطر اور اپنے اندر لپیٹ میں لے لینے والی، شادی کے فقط چند ماہ بعد ہی زیماد سر پکڑے بیٹھا یہ سب سوچ رہا تھا، اس وقت وہ خود کو بے حد بے بس اور جکڑا ہوا محسوس کر رہا تھا، عورت ذات کی پیچیدگی کے متعلق بے حد کچھ سن رکھا تھا مگر تجربہ اب کہیں جا کے ہو رہا تھا، اگر اس دنیا کی کچھ نہ سمجھ میں آنے والی چیز تھی تو وہ اس کے لئے رغد تھی بلکہ وہ تو مانتا تھا کہ اس دنیا کی سب سے عجیب حیران بلکہ پریشان کرنے والی سب سے بڑا عجوبہ عورت ذات ہے، بظاہر نازک اور کامنی سی رغد اس کی سمجھ میں آ کے نہ دیتی تھی۔

پڑھائی کی غرض سے زیماد زیادہ تر ہاسٹل میں رہا تھا اور جاب کے بعد سے کراچی میں، اسے گھریلو معاملات کا کچھ زیادہ علم نہ تھا، اس کے خیال میں اس کی ڈیوٹی ماہانہ سودا سلف لانے سے ہفتہ وار کچھ اشیاء کی خریداری تک تھی، اکثر اس کا کچھ کھانے کا دل ہوتا تو رغد بتلاتی وہ تو ختم ہے آپ لائے ہی نہیں، آپ نے دیکھا ہی نہیں، آپ لاتے تو پھر ناں۔

اسے لانے میں کوئی عار نہیں تھا وہ جو کچھ ختم ہو آفس سے واپسی پر روزانہ کی بنیاد پر بھی لا سکتا تھا مگر رغد بتلاتی تب ناں، رغد تو کچھ کہتی ہی نہ تھی، کچھ لانے کو بولتی ہی نا تھی، مارکیٹ جاتے تو وہ غیر دلچسپی سے اشیاء کو دیکھا کرتی، عموماً جیسے لڑکیاں کچھ پسند کا ملنے ہی اچھل پڑا کرتیں تھیں، رغد کسی بھی شے کو دیکھ کر پر جوش نہ ہوتی تھی، زیماد اسے سے کبھی کھانے کا پوچھتا تو انکار کر دیتی، ایسے ہی باقی شاپنگ میں بھی سپاٹ چہرہ لئے گھومتی، زیماد اکثر اوقات جھنجلا جایا کرتا تو کبھی اس کی نیچر سمجھ کے ٹال جاتا۔

مگر آج ابھی اس کے بدگمانیاں سن کے حیرت زدہ تھا وہ کیوں رغد کو نیچا دکھانا چاہے گا، وہ اس کی بیوی تھی، جگسا پزل کا ایک ٹکڑا دور تھا۔

"چائے ملے گی پلیز۔" ہاتھوں کو سر سے اٹھا کر وہ اٹھ کھڑا ہوا، رغد نے محض سر ہلایا اور کچن میں چلی گئی۔

"بیڈ روم میں لے آنا۔" کہتے وہ اندر کی سمت بڑھ گیا، بیڈ سے ٹیک لگائے وہ آنکھیں موندے تھا جب رغد کی آواز آئی۔

"چائے۔" زیماد نے ایک ہاتھ سے چائے پکڑتے ہوئے دوسرے ہاتھ سے اسے پکڑ کر بیڈ پہ بٹھایا۔

"اپنی چائے نہیں لائی؟" رغد نے محض سر ہلایا۔

"یہ پیو۔" زیماد نے کپ بڑھایا۔

"آپ پی لیں پہلے۔"

”دماغ بہت کام کرتا ہے تمہارا۔“ مسکراتے ہوئے زیماد نے کپ ہونٹوں سے لگایا، رغد کے شکایتی انداز میں دیکھنے پر اس نے اسے تنگ کرنے کا ارادہ ترک کیا۔

”دیکھو رغد ایک گھر جو ہوتا ہے ناں سب ممبرز کی شراکت سے مل کر بنتا ہے، مطلب سب ممبرز سب امور میں حصہ لیں آفس کی بہت ذمہ داریاں ہیں مجھ پر میں گھر میں پراپر ٹائم نہیں دے پاتا نہ دے سکتا ہوں، نہ میں گھریلو اشیاء کا خیال رکھ سکتا ہوں، یہ صرف آپ ہی کرسکتی ہیں، کم از کم ایک میسج کر دیا کریں اور زیادہ سے زیادہ ایک کال پر بتا دیا کریں، جہاں تک شاپنگ کی بات ہے تو ایم سوری آئندہ خیال رکھوں گا کہ موسم بدل رہا ہے یا کوئی فنکشن آ رہا ہے تو تمہیں مارکیٹ لے جاؤں، بٹ پلیز تم بھی تھوڑا سا تو انٹرسٹ شو کروایا کرو اگر تمہیں کچھ اچھا لگے تو، بلکہ زبردستی بھی لے سکتی ہو اور پلیز، پلیز یہ مانگنا نہیں ہوتا حق ہوتا ہے اور ویسے بھی ابھی اگر تم کچھ بھی نہ لوگی تو مجھے تو عادت ہوجائے گی ناں تمہیں کچھ بھی نہ لے کر دینے کی۔“ زیماد اس کی آنکھوں میں جھانکتا مسکرایا تھا۔

”اب آج جہاں تک تمہارے پیسے مانگنے کی بات ہے تو ڈیئر میرے پاس اتنا کیش نہیں ہے آج فرائیڈے ہے صبح سٹرڈے، دو دن بینک بند رہے گا، سوموار کو بینک کھلے گا تبھی میں چیک دے دوں گا تمہیں یا کیش، اسی لئے بولا تھا دو تین دن بعد کا۔“

”آئی ایم سوری۔“ رغد بے طرح شرمندہ ہوئی۔

”میں نے کبھی گھر میں کسی سے کچھ بھی نہیں مانگا تھا سب کچھ خود ہی آ جاتا تھا تو۔“ رغد نے انگلیاں چٹخائیں۔

”کیونکہ اس گھر کو مینج کرنے والے تھے آپ کے ماما بابا، اس گھر میں تو تم نے اور میں نے ہی سب مینج کرنا ہے ناں تو، بولو منظور ہے ناں پھر۔“

”کیا؟“ رغد ناسمجھی سے بولی۔

”کچھ تم بولوگی کچھ ہم۔“ زیماد گنگنایا۔

”جی جی بالکل، بلکہ اب تو زیادہ میں ہی بولوں گی، آخر کو گھر چلانا ہے مجھے، آپ پہ تو آفس کی بھی بہت ذمہ داریاں ہیں ناں۔“ رغد اس کی شرارت سمجھتے کھل کر بولی تھی۔

”مگر یاد رکھنا، زیادہ ہی بولوگی تو میں سمجھوں گا مانگ رہی ہو۔“ زیماد شرارتی ہوا۔

”حق ہے میرا۔“ رغد شانے اکڑاتے بولی اور اٹھ کھڑی ہوئی۔

”جا کہاں رہی ہو؟“

”کافی کچھ ختم ہے لسٹ بنا دوں۔“ رغد شرارتاً بولی۔

”یا الٰہی!“ زیماد گرنے کے انداز میں لیٹا اور کشن آنکھوں پہ رکھ لیا اور رغد مسکراتی ہوئی باہر نکل گئی۔

☆☆☆

ہماری مطبوعات

ماں جی	قدرت اللہ شہاب
یا خدا	"
لطیفِ نثر	ڈاکٹر سید عبداللہ
لطیفِ غزل	" " "
لطیفِ اقبال	" " "
انتخاب کلام میر	مولوی عبدالحق
قواعدِ اردو	"

لاہور اکیڈمی ۔ لاہور

قربت میں ہجر

ندا حسین

صبح ہولے سے مسکائی تھی، کرنوں کا سنہری جال زمین کی جانب اچھال کر آفتاب مطمئن سا سونے کی مانند دمک رہا تھا، موسم سرما کی دھند نے ان دنوں اس کے غضب کو اپنی سرد آغوش میں بھر ڈالا تھا۔

ان کی آنکھ مسلسل بجتے الارم کے باعث کھلی تھی، انہوں نے بوجھل نگاہوں سے سرہانے، کارنر ٹیبل پر رکھے موبائل کو دیکھا اور ہاتھ بڑھا کر الارم بند کر دیا، حواس پر نیند کا غلبہ اب تک طاری تھا، تب ہی کسلمندی سے آنکھیں موندے بستر پر دراز رہے، اچانک موبائل ہولے سے گنگنا اٹھا، انہوں نے چونک کر موبائل اسکرین پر نظر ڈالی، اہم کال تھی کاروباری نوعیت کی، وہ کمبل پرے کرتے ہوئے فوراً اٹھ بیٹھے، گفتگو ختم ہوئی تو وہ خود پر طاری بوجھل پن کو دور کرتے ہوئے بستر سے اٹھ کھڑے ہوئے، کمرے کی مشرقی دیوار پر نصب بلند قامت کھڑکی پر سبز رنگ کے دبیز پردے پڑے تھے، انہوں نے اٹھ کر دھیرے سے پردے سرکا دیئے، کمرے میں پھیلا ملگجا اندھیرا ایک آن میں روشنی سے چھٹ گیا، بے حد روشن، خوشگوار صبح انہیں خوش آمدید کہہ رہی تھی، سامنے سرسبز لان میں مالی انتہائی انہماک کے ساتھ گھاس اور پودوں کی کانٹ چھانٹ میں مصروف تھا، ان کی نگاہیں نہایت سرسری انداز میں مالی کے وجود سے گزرتی ہوئی لان کی دیوار کی جانب سر اٹھائے تفاخر کے عالم میں کھڑے سرسبز پیڑوں پر جا رکی، جن پر عنابی زرد اور سفید رنگ کے پھولوں کے جھرمٹ لٹک رہے تھے، کسی ایک پیڑ کی شاخ پر طوطوں کا جوڑا بیٹھا چہچہا رہا تھا، وہ بے اختیار متلاشی نگاہوں سے اس شاخ کو تلاش کرنے لگے، پھر ان کی نگاہ زرد پھولوں سے لدی شاخ پر جا ٹھہری، وہ یک ٹک

ناولٹ

طوطوں کی اس جوڑی کو دیکھے چلے گئے، ماضی کے کچھ حسین پل ان کے ذہن کے پردے میں سما گئے۔

"مجھے طوطے بے حد پسند ہیں، اگر میں انسان نہیں ہوتی تو ضرور یہ خوبصورت سبز پرندہ ہوتی۔" وہ سامنے درخت پر بیٹھے طوطے کو ٹک ٹک دیکھتے ہوئے حسرت آمیز لہجے میں بولی۔

وہ دونوں یونیورسٹی کے کامرس ڈیپارٹمنٹ کی وسیع بلڈنگ کے سامنے موجود گھاس کے ایک چھوٹے سے قطعے میں کتابیں پھیلائے بیٹھے تھے۔

"جانتی بھی ہو یہ طوطے بڑے ہی خودغرض اور موقع پرست ہوتے ہیں۔" انہوں نے مسکرا کر اس کے حسین چہرے کو دیکھتے ہوئے جتایا۔

"میں نہیں مانتی اس بات کو، میں صرف یہ جانتی ہوں کہ یہ بہت ذہین ہوتے ہیں اور اپنا فائدہ نقصان خوب پہچانتے ہیں اور اپنا فائدہ نقصان کا ادراک رکھنا کوئی برائی ہے نہ ہی گناہ۔" طوطا اڑان بھر کر نیلے آسمان کی وسعتوں میں کھو گیا تھا، اس نے بھی نگاہیں پھیر کر شافع الدین کے چہرے پر مرکوز کر ڈالیں، اس کی بے نور نگاہوں کو اپنے شاداب چہرے کا طواف کرتا پا کر وہ مسکراتے ہوئے بولی تھی۔

"ذہین تو تم بھی بہت ہو مومی اور حسین بھی۔" شافع الدین بے ساختہ کہہ گئے۔

مومی کھلکھلا کر ہنس پڑی، شافع الدین کی نظریں وارفتگی میں ڈھلنے لگیں۔

"اور تمہیں پتا ہے شفی جو عورت حسین اور ذہین ہو، وہ اپنے محبوب کو کبھی خود سے بچھڑنے نہیں دیتی۔" مومی نے گردن اکڑا کر کہا، غرور و تکبر اس کے لہجے سے صاف جھلکتا تھا۔

"تم سے بچھڑنے کا تصور کرنے کی ہمت کس میں ہے میری جان جاں، تم سے بچھڑوں تو زندگی سے بھی بچھڑ جاؤں گا۔" وہ تڑپ کر گویا ہوئے اور مومی کی احساس تفاخر میں لپٹی نقرئی ہنسی یونیورسٹی کی فضاؤں میں گھلتی چلی گئی۔

اسپورٹس بائیک کی گڑگڑاہٹ نے یکدم انہیں ماضی سے حال میں لا پٹخا، انہوں نے چونک کر اس شاخ کی جانب دیکھا، طوطوں کا جوڑا نہ جانے کب اپنی منزل کی جانب پرواز کر چکا تھا، انہوں نے سر جھٹکتے ہوئے پورچ سے آتے شور پر نگاہ کی، وہاں حسب توقع حذیفہ تھا جو انتہائی خوشگواریت کے عالم میں اپنی اسپورٹس بائیک پر براجمان چوکیدار کو گیٹ کھولنے کا اشارہ کر رہا تھا، شافع الدین نے گھڑی پر وقت دیکھا، وہ بخوبی جان چکے تھے کہ حذیفہ کی سواری اس وقت کس منزل کی جانب رواں دواں ہے، ان کے انداز میں بیزاری سی سما گئی، تر و تازہ ہونے کی غرض سے وہ واش روم کا رخ کر گئے۔

☆☆☆

وسیع رقبے پر پھیلی یونیورسٹی کے اندر ایک جہاں آباد تھا، اس جہاں کے باسیوں کی نگاہوں میں کئی خواب بستے تھے، جاگتی آنکھوں دیکھے خواب، جن کی تعبیریں ان نوجوانوں کے اندر امنگ زندگی بن کر دوڑتی تھی۔

وہ تینوں بھی کسی بات پر ہنستی مسکراتیں کامرس ڈیپارٹمنٹ کی عمارت سے باہر نکلی تھیں۔

"پتا ہے اس بار فیئر ویل کی تیاری بڑی زبردست ہے، بڑے شاندار طریقے سے ہمیں یونیورسٹی سے رخصت کرنے کا پروگرام ترتیب دیا جا رہا ہے۔" شازیہ نے اپنی دانست میں بڑی اہم اطلاع دی، شمع اور نبیلہ متاثر بھی ہوئیں۔

"ایں...... کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ بدھوؤں کی لیڈر ہو، تم لوگ

ہر بار بھول جاتی ہو کہ دو ماہ بعد میری شادی ہے، اسی کی بات کر رہی ہوں۔'' نبیلہ نے سر پیٹتے ہوئے اپنی عزیز سہیلیوں کی عقل کو کوسا، وہ دونوں اس کے بیان کی وضاحت پر ہنس پڑیں۔

''اوہو ایک تو تمہارے سر سے شادی کا بھوت نہیں اترتا نبیلہ۔'' شمع نے ہنسی کے دوران شرارت سے نبیلہ کو چھیڑا۔

''ارے واہ اترنے بھی کیوں دوں میں اپنے سر سے شادی کے اس بھوت کو، ایک ہی بار ہوتی ہے زندگی میں شادی، اس لئے لازمی دھوم دھام، گاجے باجے کے ساتھ ہونی چاہیے۔'' نبیلہ نے اترا کر ڈھٹائی کا عظیم مظاہرہ کیا، وہ تینوں یونیورسٹی کے وسیع میدان کے وسط میں بچھی سنگی فرش سے گزرتے ہوئے رہی تھیں۔

''ویسے بات تو نبیلہ نے سولہ آنے درست کہی، شادی خانہ آبادی تو ہر لڑکی کا خواب ہوتا ہے، ایک شہزادہ سفید گھوڑے پر سوار ہو کر اسے لینے آئے اور پھر دنیا کی ہر قید و بند، فضول دقیانوسی رسموں کی زنجیروں کو توڑتے ہوئے اسے اپنے سنگ کسی اور جہاں میں لے جائے، اس سے رومانٹک شادی اور کیا ہوگی بھلا۔'' شازیہ بھی نبیلہ کے ہم نوا ہوئی، دونوں کے ارمان خوب پھوٹ پھوٹ کر لبوں سے نکل رہے تھے۔

''ایسی کہانیاں تو میں بچپن میں پڑھا کرتی تھی، کسی ریاست کا شہزادہ بھٹکتا ہوا کسی اور ملک میں داخل ہوتا ہے اور پھر وہاں کی شہزادی پر دل ہار کر ہر صعوبتوں کو جھیلتا، شہزادی کو اپنے سنگ اپنی ریاست میں لے جاتا ہے۔''

''داستان سننے میں واقعی بڑی حسین ہے، مگر حقیقت سے کوسوں دور، جس کا ادراک نہ جانے تم دونوں کو کب ہوگا۔'' شمع نے اپنی سہیلیوں کو خواب غفلت کی نیند سے بیدار کرنا ضروری جانا۔

''اوہ، نبیلہ...... مجھے چکر آ رہے ہیں، ذرا دیکھو تو ہمیں یہ واعظ سنا کون رہا ہے۔'' شازیہ نے اپنے سر کو دونوں ہاتھوں سے تھامتے ہوئے چکرانے کی بھرپور اداکاری کرتے ہوئے کہا۔

''وہ محترمہ، جن کے شہزادے صاحب اپنی نیلی اسپورٹ بائیک پر سوار، بڑی آن بان شان کے ساتھ روز یونیورسٹی کے گیٹ پر منتظر نگاہیں جمائے کھڑے ہوتے ہیں۔'' نبیلہ نے لقمہ دیا۔

''یونیورسٹی کی اسی فیصد لڑکیاں ان مسٹر کو انتہائی حسرت آمیز نگاہوں سے دیکھتی ہیں، مگر مجال ہے جو موصوف کی نگاہیں دیدار یار سے ہٹ کر کسی اور پر اٹھی ہوں۔'' شازیہ نے حسرت آمیز لہجہ اختیار کیا۔

''یار میں نہیں مانتی اس بات کو، ہماری شہزادی کے شہزادے صاحب نے آنکھوں پر گاگلز چڑھا رکھے ہوتے ہیں، اب چشمے کی آڑ میں موصوف کس کس حسینہ مہ جبینہ کو تاڑ چکے ہوتے ہیں، اس کی ہمیں کیا خبر۔'' نبیلہ ہمیشہ کی طرح دور کی کوڑی لائی۔

''ارے واہ، کیا بات کہہ دی تم نے، واللہ ایمان لانے کا دل چاہ رہا ہے، اب شمع کی لیفٹ اور رائیٹ تو ہم ہی دونوں ہوتی ہیں، ضرور مجھے اور تمہیں اس ہینڈسم نے نظر بھر کر تو دیکھا ہوگا۔'' شازیہ کی رگ ظرافت صحیح موقع پر پھڑکی۔

''بدتمیزوں، انتہائی فضول گو ہو تم دونوں، میرا حذیفہ ایسا بالکل نہیں جو تم دونوں باگڑ بلیوں کو دیکھے، وہ تو میرے علاوہ نہ کسی کو دیکھتا ہے نہ کسی کی سنتا ہے، ٹوٹ کر محبت کرتا ہے وہ مجھ سے۔'' شمع ان دونوں کی شرارت پر ان کی پشت پر دھموکے جڑتی ہوئی حذیفہ کی محبت پر نازاں سی بولی۔

''ہائے اللہ، یہ عالم عشق کا...... دیکھا نہ جائے۔'' شازیہ بڑے جذب کے عالم میں شرارت سے گنگنائی۔

''عشق ہے، یا خدا...... دیکھا نہ جائے۔'' نبیلہ بھی خوب تان سے تان ملا کر گنگنانے لگی۔

''کتنی بدتمیز ہو تم دونوں، بس ہر وقت مجھے چھیڑتے رہنا، یہی کام ہے ناں تم دونوں کا۔'' شمع ان دونوں کی شرارت پر جھینپ کر مسکرائی، حذیفہ کا خیال ہی ایسا تھا، دل کو گدگدا دینے والا۔

''محترمہ شمع بی بی، یہ آپ کی انتہائی کم فہمی ہے جو آپ ہم دونوں کو بار بار بدتمیز گردان رہی ہیں، ہم جیسی سہیلیاں تو انتہائی قسمت والوں کو ملتی ہیں۔'' شازیہ نے مصنوعی خفگی کا عظیم الشان مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔

''اور جو ہماری قدر نہیں کرتا قسمت اس سے روٹھ جاتی ہے اس کا محبوب یکدم بے وفا جا ٹھہرتا ہے اور وہ حاسدوں کے عتاب کا شکار ہو جاتا ہے۔'' نبیلہ اپنی لن ترانیوں میں کچھ زیادہ ہی بہک اٹھی۔

''اللہ نہ کرے، ایسی بددعائیں تو نہ دو۔'' شمع کا دل یکدم سہم گیا، شازیہ اور نبیلہ کو بھی فوراً اپنی بات کی سنگینی کا احساس ہوا، تو فوراً شرمندگی سے معذرت کرنے لگیں۔

''جاؤ معاف کیا، تم دونوں بھی کیا یاد کرو گی کہ کس حاتم طائی سے واسطہ پڑا۔'' شمع نے بھی ان دونوں کی شرمندگی فوراً ہنس کر دور کر ڈالی، وہ دونوں بھی ہنستے ہوئے شمع کے گلے سے جا لگیں، وہ تینوں یونہی ایک دوسرے کو عزیز رکھتی تھیں، ساتھ بھی کوئی چند ایک سال پرانا تو نہ تھا، بچپن سے ایک دوسرے کی ہم جولیاں تھیں، ایک ہی کالج اور اب یونیورسٹی بھی ایک بچپن کے دور سے جوانی کی حدود تک ہوا ان کا یہ یارانہ اس قدر گہرا ہو چکا تھا کہ عموماً لڑکیاں ان تینوں کو سہیلیاں کم بہنیں زیادہ سمجھتی تھیں۔

گیٹ سے قدم باہر نکالتے ہی اس کی نگاہیں، سامنے بائیک سے پشت ٹکائے ایک ادائے بے نیازی سے کھڑے نظر لگ جانے کی حد تک خوبرو، حذیفہ پر جا ٹھہری، شمع کی آنکھوں میں محبت احساس تفاخر کی مانند چمک اٹھی، حذیفہ نے بھی یقیناً اسے دیکھ لیا تھا، تب ہی نگاہوں پر چڑھائے گلاسز کو اتار کر مسکراتے ہوئے اس کی جانب متوجہ ہوا۔

''اف یہ مسکراہٹ اتنی ظالم مسکراہٹ بلکہ ہماری شمع کا اس مسکراہٹ کے آگے کوئی بس نہ چلتا ہوگا۔'' نبیلہ کی چھیڑ خانی شمع کے دل کو دھڑکا گئی۔

''مسکراہٹ، تم نے آنکھیں شاید بغور نہیں دیکھیں، کتنی گہری اور پرکشش ہیں اور نگاہوں سے ہماری شمع کے لئے پیار ہی پیار جھلکتا ہے۔'' شازیہ کا خوابناک لہجہ شمع حیاء کی سرخی سے گلابی پڑ گئی۔

''شش...... چپ رہو دونوں، بہت شور مچاتی ہو۔'' دل کی بے ترتیب ہوتی دھڑکنوں کے ساتھ ساتھ شمع نے ان دونوں کو بھی پیار سے گھر کا، شازیہ، نبیلہ کھلکھلا کر ہنس پڑیں، شمع ان دونوں کو خدا حافظ کہتی مسکراتے ہوئے حذیفہ کی جانب بڑھ گئی، اس کی چال میں اک غرور تھا، مسکراہٹ میں فخر چھپا تھا، وہ یہ بات بخوبی جانتی تھی کہ اس کی منزل اس قدر پرکشش اور بھرپور یہ ہے کہ اردگرد موجود لوگوں کی نظروں میں حسرت اور دل میں کاش مچلتا ہوگا۔

''کتنے مکمل اور حسین لگتے ہیں دونوں ایک دوسرے کے ساتھ۔'' شمع کو حذیفہ کے سنگ

بائیک میں بیٹھتا دیکھ کر نبیلہ نے مسکرا کر کہا۔

''اور اس سے بھی اہم بات یہ ہے کہ دونوں ٹوٹ کر چاہتے ہیں ایک دوسرے کو۔'' شازیہ نے بھی تائیدی انداز اپنایا۔

''بہت خوش قسمت ہیں دونوں، کوئی ظالم سماج، رسم و رواج ان دونوں کی محبت کی راہ میں رکاوٹ نہ بن سکا۔'' نبیلہ کہے بناء نہ رہ سکی۔

''واقعی، ایسی خوش بختی کم ہی لوگوں کے نصیب میں ہوتی ہے۔'' شازیہ نے کہا، ان دونوں کی نگاہوں میں رشک جھلملاتا تھا، حذیفہ، شمع کو اپنے سنگ لئے بجلی کی مانند نظروں سے دور ہوتا چلا گیا، وہ دونوں بھی باتیں کرتی ہوئی بس اڈے کی جانب رواں دواں تھیں۔

☆☆☆

''انسان کو خوبصورت ہونا چاہیے، باوفا، خوش گفتار ہونا چاہیے، مگر ایسا مستقل مزاج نہیں جیسی تم ہو میری نورنظر۔'' وہ بائیک ہوا کے دوش پر اڑا رہا تھا جیسے، شمع نے سر پر دوپٹہ جما کر بائیں ہاتھ سے سختی سے پکڑ رکھا تھا، جبکہ اس کا دایاں ہاتھ حذیفہ کے کندھے پر رکھا تھا، اس کی شرٹ شمع نے اپنی مٹھی میں سختی سے دبوچ رکھی تھی۔

''ایں، کیا مطلب۔'' شمع اس کے اس تازہ ترین بیان پر حیرانگی سے اتنا ہی کہہ پائی۔

''بچپن سے تمہارے دائیں بائیں ان دو فرشتوں کو دیکھ رہا ہوں، یار شمع بندے کو اتنا مستقل مزاج بھی نہیں ہونا چاہیے کہ زمانہ پیدائش سے وقت مرگ تک چند لوگوں کے ہی صحبت میں زندگی گزار دے۔'' وہ شرارت بھری مسکان لبوں پر سجا کر بیک ویو مرر سے شمع کا خفگی بھرا چہرہ دیکھتے ہوئے بولا۔

''کتنے بدتمیز ہو تم حذیفہ، میری سہیلیوں کے بارے میں ایسی رائے رکھتے ہو تم، مت بھولو، تمہارا شمار بھی ان ہی لوگوں میں ہوتا ہے، جن سے بچپن سے لے کر آخری وقت تک میں محبت کرتی رہوں گی، اب کہو، تب بھی بری لگے گی تمہیں میری مستقل مزاجی۔'' وہ ٹھیک ٹھاک خفگی جتاتے جتاتے محبت کا اظہار بھی کر گئی، بائیک ایک جھٹکے سے رکی تھی، شمع کا سر حذیفہ کی پشت سے جا ٹکرایا، اس سے قبل کہ وہ کچھ کہتی، حذیفہ بائیک سے اتر کر اس کے روبرو آ کھڑا ہوا۔

''محبت کا یہ اقرار، یہ اقرار تمہارے لبوں سے سننے کے لئے ہی مجھے روز اتنے پاپڑ بیلنے پڑتے ہیں، شمع کوئے جاناں۔'' وہ آنکھوں میں چاہت کے دیپ روشن کیے اسے گہری نظروں سے دیکھتے ہوئے کہنے لگا، شمع اس کی بات پر بری طرح جھینپ گئی۔

''یار ایسے نہ شرمایا کرو، میں مرمٹتا ہوں تم پر۔'' وہ دل پر ہاتھ رکھے دیوانہ سا لگ رہا تھا۔

''حذیفہ پلیز، جو بھی کہنا ہے حویلی چل کر کہہ لینا، یہاں رستے میں سب دیکھ رہے ہیں ہمیں۔'' وہ شمع نے بے ساختہ اردگرد نظریں دوڑائیں، بہت سی مردانہ شوخ نگاہیں ان دونوں پر تنی ہوئی تھیں، اس نے بے اختیار حذیفہ سے کہا۔

''جب تم میرے ساتھ ہو تو، لوگوں کی پرواہ چھوڑ دو، کوئی تمہیں کچھ کہے اس سے قبل میں اس کا منہ توڑ دوں گا، بس تم اتنا کرو، میری سنو، میری سمجھو اور بس مجھے دیکھو۔'' جتنی شمع کو لوگوں کی پرواہ تھی، حذیفہ اتنا ہی بے نیاز تھا، شمع کا سہما سہما شرم و حیاء میں ڈوبا روپ حذیفہ کو خرد بر سے بیگانہ کر ڈالتا تھا۔

وہ دونوں ایک پکی مگر نسبتاً تنگ سڑک پر موجود تھے، یہی سڑک سیدھی حویلی تک کو جاتی

تھی۔

''لیکن حذیفہ، اچھا نہیں لگتا یوں سرِ عام بات کرنا، تم جانتے تو ہو، ذرا سی بات کا بتنگڑ بننے میں لمحہ نہیں لگتا۔'' شمع اس کی گہری نگاہوں سے جز بز ہوتی ہوئی بامشکل کہہ پائی، وہ ڈرتی تھی، زمانے سے لوگوں کی باتوں سے حویلی کے رسم و رواج سے، بڑی امی کے کاٹ دار لفظوں سے اور شافع الدین کی غیض وغضب سے اس کے علاوہ بھی اس کے پاس خوفزدہ ہونے کی کئی وجوہات دلیل کی صورت موجود تھیں، خوف اس کی سرشت میں شامل ہو چکا تھا، جس کا احساس وہ وقتاً فوقتاً حذیفہ کو بھی دلاتی رہتی تھی، مگر وہ بے نیاز بے پرواہ سجن تھا، اپنے آگے کسی کی نہ چلنے دیتا تھا، اس کی بھی نہیں جسے وہ اپنی جان سے بڑھ کر عزیز گردانتا تھا۔

''شمع پلیز یار، پریشان ہونا بند کرو، میں چاہتا ہوں کہ تم اپنے اندر سے ہر طرح کا خوف نکال پھینکو، زندگی کو میری نگاہ سے دیکھنا شروع کرو، لوگوں کی باتوں کو سر پر سوار نہ کرو، میری جان تم مجھ سے منسوب ہو، حذیفہ آفاق سے، اور حذیفہ آفاق ہر ڈر خوف، خدشے سے تمہیں محفوظ رکھنے کی ہمت رکھتا ہے۔'' بے نیاز ہونے کے باوجود وہ شمع کے قلب و ذہن میں سرائیت کرتی سوچ تک بخوبی رسائی رکھتا تھا، اس کی بات پر شمع کے لبوں پر آسودہ سی مسکان پھیل گئی، دل اتھاہ گہرائیوں تک شاد ہو چلا تھا، حذیفہ کے ہر وعدے پر آنکھ بند کر کے ایمان لانا ہی تو شمع کی زندگی کا مقصد تھا۔

''تمہیں معلوم ہے یہ اسپورٹ بائیک میں نے کیوں خریدی ہے۔'' وہ اس کے مسکرانے پر اشتیاق سے دریافت کرنے لگا۔

''بہت اچھی طرح جانتی ہوں کہ کیوں خریدی ہے تم نے اسپورٹ بائیک شیدائی ہو تم ان ہیوی بائیکرز کے بچپن کا خواب تھا تمہارا، ایسی شاندار بائیک خریدنا۔'' شمع نے بڑے لاڈ سے بائیک کی باڈی پر ہاتھ پھیرتے ہوئے اپنے تئیں حذیفہ کو لاجواب کر ڈالا، حذیفہ چند ساعتوں تک اسے خاموشی سے پُرشوق نگاہوں سے دیکھتا رہا، پھر ذرا آگے کو جھک کر وہ ہولے سے بولا۔

''ایک خواب اور بھی تھا۔''

''وہ کیا؟'' اس انداز تخاطف پر شمع جھجکی، حیرانگی اس کی ہرنی جیسی آنکھوں سے عیاں تھی، اس پل حذیفہ کو اپنا دل ڈوبتا ہوا محسوس ہوا، وہ اس کے قریب ہوا، ہولے سے سرگوشی کی۔

''تمہیں اپنے سنگ بائیک پر بیٹھا کر فیض پور، کی ہر گلی کوچے میں گھوموں، ایک ایک بندے کو علم ہو جائے کہ فیض پر حویلی کی شمع صرف میری ہے۔'' شمع کے پور پور کو ان لفظوں سے ٹپکتی جانب کی سیرینی میں ڈوبی شبنم بڑی ملاحت سے بھگو ڈالا تھا، وہ بے یقینی سے حذیفہ کو دیکھنے لگی۔

''اتنا چاہتے ہو تم مجھے۔''

''تمہاری سوچ سے بھی زیادہ......''

''مجھے عادت نہیں اتنی محبت کی، چاہت مجھے راس نہیں آتی، ایک خوف میرے دل کو لرزا ڈالتا ہے کہ کہیں تم مجھ سے دور نہ ہو جاؤ۔'' اس نے اپنے خدشے کا اظہار کیا تو لہجہ بھیگا تھا۔

حذیفہ بے اختیار سا اس کی جانب بڑھا، دونوں شانوں سے اسے مضبوطی سے تھام کر پر اعتماد لہجے میں بولا۔

''میں وہ محبت ہوں جو تمہارے ساتھ منوں مٹی تلے دفن ہو جاؤں گا مگر تم سے کبھی جدا نہیں ہونگا۔'' شمع کی آنکھوں میں دیپ سے جل اٹھے، غزال آنکھوں کا حسن دو آتشا ہو گیا اس کے چہرے پر بکھری لٹھوں کو اس نے دھیرے سے

کھینچا اور کہا۔

"اب باتیں بنانا بند کرو اور میرے ساتھ بائیک پر بیٹھو، یہ حسین لمحات ہیں شمع، انہیں جی لو۔" شمع کے بیٹھتے ہی اس کی بائیک نے اڑان بھرلی۔

حویلی کے رستے سے بائیں جانب مڑ کر وہ کھیتوں کی جانب جا نکلا تھا، شمع نے خود کو ہر قید خوف سے آزاد کر ڈالا تھا، وہ حذیفہ کی ہمراہی میں شادیی نقرئی ہنسی ہنستی شوخ باتوں کا جواب دے رہی تھی، کہ یکدم اس کی ہنسی تھم گئی، بائیک ایک جھٹکے سے رکی تھی، شمع کا سر زور سے حذیفہ کی پشت سے ٹکرایا تھا، اس نے سر ہلاتے ہوئے حذیفہ کے عقب سے جھانکا، اگلے ہی پل اس پر سکتہ طاری ہوگیا، سامنے ملک شاہ ویز کی جیب ان کا راستہ روکے کھڑی تھی۔

"لگتا ہے حویلی والوں نے اپنے رسم و رواج تبدیل کرڈالے ہیں، تب ہی طوطا مینا کا یہ جوڑا یوں سر عام چہکتا ہوا ملکوں کے علاقے میں دندناتا داخل ہوا جا رہا ہے۔" ملک شاہ ویز اپنی جیپ سے اتر کر مونچھوں کو تاؤ دیتا معنی خیز مسکراہٹ سجائے لبوں پر سجائے، ان دونوں سے بندآواز میں مخاطب ہوا۔

چند پل پہلے رخصت ہوا خوف، ایک بار پھر سے شمع کے اندر سرائیت کرگیا، اس نے حذیفہ کی قمیض مٹھی میں بھینچ لی، حذیفہ نے ایک نظر سہمی ہوئی شمع کو دیکھا اور پھر کرخت لہجے میں ملک شاہ ویز سے مخاطب ہوا۔

"راستہ چھوڑ دو ملک شاہ ویز، جھگڑا میرا اور تمہارا ہے، ہمارے خاندان کی عورتوں کا نہیں، ان کے سامنے تماشہ نہ بناؤ۔"

"اگر میں راستہ نہ چھوڑوں تو۔" ملک شاہ ویز جواباً عیاری سے بولا، شمع جی جان سے لرز اٹھی، حذیفہ اس کی کیفیت بخوبی محسوس کرسکتا تھا، اس نے لب سختی سے بھینچ کر ملک شاہ ویز کو دیکھا۔

☆☆☆

"صاحب جی، آپ کو بی بی جی کھانے کی میز پر بلا رہی ہیں۔" وہ غسل خانے سے تازہ دم ہو کر باہر نکلے ہی تھے کہ ملازمہ اطلاع پہنچا کر واپس چلی گئی، وہ گیلے بالوں کو تولیے سے خشک کرتے ہوئے قد آور سنگھار میز کے سامنے جا کھڑے ہوئے۔

"تمہاری شخصیت بے حد پرکشش اور جاذب نظر ہے شفی، دل چاہتا ہے زندگی کا ہر لمحہ تمہارے نام کردوں۔" ماضی سے آئی کھنکتی ہوئی آواز نے ایک بار پھر انہیں پکارا تھا، وہ دم بخود سے آئینے میں متلاشی نگاہوں سے مومی کا عکس تلاش کرنے لگے، جلد ہی ادراک ہوا کہ جس طرح گزرا ہوا پل واپس لوٹ کر نہیں آتا اسی طرح بچھڑے ہوئے لوگ بھی ماضی سے حال میں دستک نہیں دے پاتے۔

ایک گہری سانس اپنے اندر اتار کر وہ کمرے سے باہر نکل گئے، طویل راہداری عبور کرتے ہوئے ایک ہال نما پچھلے کمرے میں داخل ہوئے جہاں شاہانہ طرز کی کھانے کی میز کرسیاں سجی تھیں، ایک جانب کو آتش دان دیوار میں نصب تھا، وہیں مسہریاں اور جدید طراز کے صوفے رکھے تھے، ڈائننگ ہال اپنی بناوٹ اور سجاوٹ کے لحاظ سے جدت اور ثقافت کی خوبصورت عکاسی کررہا تھا، انہوں نے ایک اچٹتی نظر سفینہ پر ڈالی، جو ڈائننگ میز پر چائے کی پیالیاں ترتیب دے رہی تھیں، شافع الدین کے چہرے پر ناگواری ابھر آئی، انہوں نے نظروں کا زاویہ تبدیل کرکے نجم انساری کو دیکھا اور سلام کرکے ان کے پہلو میں بیٹھ گئے۔

''خیریت ہے شافع الدین، آج کافی دیر تک سوتے رہے، آفاق تمہارا انتظار کر کے کب کا چلا گیا، میں نے سفینہ سے پوچھا تو کہنے لگی کہ تم نے بیدا کرنے سے منع کیا ہے۔'' نجم النساء بارعب انداز میں سوال کرتے ہوئے انہیں دیکھنے لگیں۔

''ہونہہ، رات دیر تک سر درد کرتا رہا، صبح بھی طبیعت پر بوجھل پن طاری رہا، اس وجہ سے دیر تک سوتا رہا۔'' وہ مختصراً گویا ہوئے۔

''سفینہ میں پوچھ پوچھ کر تھک گئی اور تم ہونٹوں پر چپکی سجائے گھومتی رہیں بتایا کیوں نہیں کہ شافع کے سر میں درد تھا۔'' نجم النساء کے لہجے میں تشویش کم، خفگی کا عنصر زیادہ نمایاں تھا، سفینہ اس جرح پر گھبرا کر بولیں۔

''مجھے خود معلوم نہیں تھا کہ ان کے سر میں تکلیف ہے، انہوں نے مجھے بتایا ہی نہیں اماں جی۔''

''شافع کم از کم بیوی کو تو اپنی تکلیف بیان کر دیا کرو، عورت ہوتی ہی کس لئے مرد کے راحت وسکون کے لئے۔'' نجم النساء نے کھانے کا آغاز کرتے ہوئے بیٹے کو نصیحت کی، شافع الدین کے چہرے پر طنز بھری مسکان پھیل گئی۔

''وہ اور عورتیں ہوتی ہیں جو مرد کو راحت و سکون مہیا کرتی ہیں، میری زندگی میں جو عورت آپ نے داخل کی ہے، وہ صرف ایک سر درد ہے۔'' شافع الدین نے کاٹ دار لہجے میں سامنے سر جھکائے کھڑی سفینہ کو گھورتے ہوئے جواب دیا، سفینہ نے دکھتے دل سے ذرا سی نظر اٹھا کر سامنے بیٹھے مجازی خدا کو دیکھا ہمیشہ کی طرح وہ فیصلہ نہ کر پائیں کہ ان کی آنکھوں سے جھلکتی نفرت شدید تھا یا لہجے میں چھپا اشتعال۔

''اچھا غصہ تھوکو، کھانا کھاؤ، تمہاری پسند کا بنوایا ہے۔'' نجم النساء نے بھڑکتی آگ میں پانی کے چند قطرے ڈال کر بجھانے کی کوشش کی، شافع الدین نے ان کی بات پر جھٹکتے ہوئے، لقمہ منہ میں ڈالا، اگلے ہی لمحے انہوں نے شدید غصے کے عالم میں چمچ پلیٹ میں پٹخ ڈالی۔

''اتنا بدمزہ، بد ذائقہ کھانا، کس ملازمہ سے بنوایا ہے آپ نے۔'' وہ بھلے اپنی ماں سے مخاطب تھے، مگر نظروں کا مرکز سفینہ کا لرزتا وجود تھا، گویا خوب جانتے تھے کہ پکوان بیوی نے بنایا ہے، مگر اتنی تذلیل۔

''ارے شافع ایک عمر گزر گئی، مگر تم آج تک سفینہ کے ہاتھ کے ذائقے سے آشنا نہ ہوئے، بھئی کسی ملازمہ نے نہیں تمہاری بیوی نے بنایا ہے کھانا۔'' انیسہ اسی پل ہال میں داخل ہوئی تھیں، جتاتی نگاہوں سے سفینہ کو دیکھ کر بظاہر مسکرا کر جلے پر نمک مرچ چھڑک گئیں۔

''جانتا تھا، زہر زندگی میں بھرنا ہو یا کھانوں میں، یہ ہنر صرف سفینہ کو ہی آتا ہے۔'' شافع الدین نفرت آمیز لہجے میں کہہ کر وہاں سے تن فن کرتے چلے گئے، سفینہ مجرم بنی سر جھکائے خاموشی سے کھڑی رہی۔

''اب کھڑی کیوں ہو، بیٹھ کر کھانا کھاؤ۔ شافع کے لئے کھانا میں ملازمہ سے ہی بنوا لوں گی، نہ جانے کیسی عورت ہو سفینہ، آدھی زندگی گزر گئی مگر تم اپنے شوہر کے دل میں بس نہ سکیں۔'' نجم النساء نے تاسف سے سر جھٹکتے ہوئے اسے گھر کا، سفینہ خاموشی سے کرسی کھینچ کر بیٹھ گئیں۔

''اماں جی ویسے کھانا تو ٹھیک ہی بتایا ہے، سفینہ نے شافع کو تو بس موقع ملنا چاہیے بیوی سے نفرت کا اظہار کرنے کا۔'' انیسہ نے کن اکھیوں سے سفینہ کے اترے ہوئے زرد چہرے کو دیکھ کی

تمسخرانہ انداز میں حقیقت بیان کی۔

ہاں یہ حقیقت ہی تو تھی، شافع الدین کو تو بس موقع ملنا چاہیے بات بے بات سفینہ کی تذلیل کرنے کا ان کے دل میں بچھڑی ہوئی محبت بھی ایک حد تک تڑپتی ہو گی، کرلاتی ہو گی، مگر سفینہ سے نفرت بے اشتہاء بے حساب ہونے کے ساتھ ساتھ بے وجہ بھی تھی، انہوں نے ایک درزیدہ نگاہ نجم النساء کے باوقار پر رعب چہرے کے نذر کی، وہ ہمیشہ کی طرح اس کے احساسات سے بے پرواہ انیسہ کے ساتھ گفتگو میں مصروف تھیں ان کی ویران نگاہیں واپس سامنے رکھی پلیٹ میں آٹکیں، جہاں شافع الدین کا دھتکارا گیا، کھانا، ان کی طرح اپنی بے حرمتی پر شکوہ کناں تھا۔

☆☆☆

”اور اگر میں راستہ نہ چھوڑوں تو، کیا کرو گے حذیفہ آفاق۔“ ملک شاہ ویز جیپ سے اتر کر ان دونوں کی جانب بڑھتے ہوئے بولا، اس کے لہجے کی معنی خیزی حذیفہ کو طیش میں مبتلا کر گئی، اس نے ایک تیز نظر ملک شاہ ویز اور جیپ میں موجود اس کے ساتھیوں پر ڈالی اور بائیک سے اتر کر ملک شاہ ویز کے روبرو جا کھڑا ہوا۔

”تم بہت اچی طرح جانتے ہو کہ میں کیا کر سکتا ہوں ملک شاہ ویز، بہتری اس میں بلکہ تم راستے سے ہٹ جاؤ۔“ حذیفہ نے تنبیہانہ انداز میں اسے باور کرایا، وہ اور ملک شاہ ویز ایک ساتھ یونیورسٹی میں پڑھ چکے تھے، ایک ہی علاقے کے ہونے کے باوجود ان دونوں کے درمیان چھتیس کا آنکڑا تھا، حذیفہ ملک شاہ ویز کی عیاش فطرت سے بخوبی آگاہ تھا، اور سخت ناپسند کرتا تھا، یونیورسٹی میں بھی کئی باران دونوں کے درمیان شدید قسم کی لڑائی ہو چکی تھی، اس وقت بھی حذیفہ اپنی دلی خواہش کو مدنظر رکھتے ہوئے ملک شاہ ویز کی ٹھیک ٹھاک دھنائی کر سکتا تھا، مگر شمع کی موجودگی نے اس کے ہاتھوں کو باندھ ڈالا تھا، وہ شمع کی رفاقت میں اتنا مسرور ہو چکا تھا کہ ملک شاہ ویز کے علاقے میں داخل ہونے کی خبر ہی نہ ہو سکی، اور اب شمع کی موجودگی میں یوں شاہ ویز سے سامنا ہونے پر وہ دل ہی دل میں غصے سے پیچ و تاب کھا رہا تھا۔

”او ہٹ جاتے ہیں یار، اس جاڑے نے بڑا ستا رکھا ہے، آج بڑی پیاری، بڑی سندر دھوپ نکلی ہے، ذرا آنکھیں تو سینک لینے دے۔“ وہ اوباش نظروں سے دوپٹے کی آڑ میں اپنا چہرہ چھپاتی شمع کو دیکھ کر کمینگی سے بولا، اس کی بات پر اس کے ساتھیوں نے زوردار انداز میں شیطانی قہقہہ لگایا، حذیفہ کا فون کھول اٹھا، ایک زوردار مکہ اس کا اس نے شاہ ویز کے منہ پر رسید کیا، شاہ ویز کے لئے یہ مکا انتہائی غیر متوقع ثابت ہوا، وہ لڑکھڑا کر جیپ سے جا ٹکرایا، قبل اس کے کہ وہ سنبھلتا، حذیفہ نے ایک اور مکا اس جبڑوں پر رسید کر ڈالا۔

”میں نے تم سے کہا تھا راستہ چھوڑ دو، اپنا تماشا نہ بنواؤ۔“ حذیفہ لب بھینچے غرایا تھا۔

”یہ تم نے اچھا نہیں کیا حذیفہ، اس مکے کی سزا تمہیں ضرور ملے گی۔“ شاہ ویز سے انگارے چباتے ہوئے اس پر جھپٹ پڑا، اس کے ساتھی بھی آستین بڑھائے حذیفہ سے بھڑنے کے لئے جیپ سے کود پڑے، ایک جتھا تھا جو حذیفہ پر پل پڑا تھا، حذیفہ ڈٹ کر مقابلہ کر رہا تھا مگر وہ تنہا تھا۔

شمع کے ہاتھ پیر پھول گئے، صد شکر کہ اسے بروقت خیال آیا اور وہ حویلی فون کرتے لگی، اس کی نگاہیں مسلسل حذیفہ پر ٹکی ہوئی تھیں، شاہ ویز

کے ساتھیوں نے اس کے دونوں بازوؤں سے جکڑ رکھا تھا اور شاہ ویز کسی بد کے ہوئے سانڈ کی مانند اس پر ٹوٹ پڑا تھا، شمع کے ہاتھوں میں جان باقی نہ بچی، موبائل اس کے ہاتھوں میں لرزنے لگا۔

''ہیلو جی، کون بول رہا ہے؟'' حویلی سے کسی ملازمہ نے فون اٹھا کر دریافت کیا تھا، ٹھیک اسی وقت مسلسل زدوکوب ہوتا حذیفہ بے جان سا زمین پر جا گرا، اس کے منہ سے خون رس رہا تھا، شمع حق دق سی رہ گئی۔

''ہیلو جی کون بول رہا ہے؟'' ملازمہ نے پھر استفسار کیا، مگر شمع گم صم سی کھڑی رہی، شاہ ویز، حذیفہ پر مسلسل تھوڑے برسا رہا تھا۔

''حذیفہ...... حذیفہ...... چھوڑ دو میرے حذیفہ کو۔'' شمع کے ہاتھ سے موبائل چھوٹ کر زمین پر جا گرا، وہ حلق کے بل چیختی دیوانہ وار حذیفہ کے جانب بڑھی۔

☆☆☆

بھیگی بھیگی صبح نے انگڑائی لیتے ہوئے بیدا ہوئی تھی، شب بھر برستی کن من پھوار نے رخ آفتاب کو منظر پر طلوع ہوتا دیکھ کر شدت اختیار کر لی تھی۔

وہ علاقے کا سب سے وسیع اور بہترین پارک تھا، جہاں پیڑ پودوں پھول بوٹے تو سانس لیتے تھے ساتھ ہی بطخیں اور مور بھی نرم گھاس پر چہل قدمی کیا کرتے تھے، جاگنگ ٹریک دونوں اطراف سے درختوں سے گھرا ہوا تھا، بارش کی رجم جھم بوندیں شاخوں سے جھولتیں ہرے بھرے پتوں کی نوک سے ٹوٹ کر ٹریک کو ترکیے دے رہی تھیں، وہ سرخ رنگ کی جوگنگ ڈریس میں ملبوس ٹریک پر بھاگ رہا تھا، ایک چکر دوسرا چکر اور پھر تیسرا چکر، مکمل کرنے کے بعد اس کے بھاگتے قدم سست پڑنے لگے، ایک مخصوص مقام پر وہ جا رکا، یہاں دونوں اطراف کے درختوں کے ملاپ میں خلاء موجود تھا، وہ دونوں ہاتھ پھیلائے گردن اونچی کیے مسکراتے ہوئے خلاء سے نظر آتے سرمئی آسمان کو دیکھ رہا تھا، بارش کی بوندیں شوخی عالم میں اس کے چہرے کو بھگونے لگی، اس کی مسکراہٹ مزید گہری ہوتی چلی گئی، وہ مختلف تھا، بے حد مختلف، اس کا رنگ روپ چہرے کے نقوش پاک مٹی سے میل نہ کھاتے تھے، اس کی آنکھیں روشن اور بھوری تھیں بے حد ستواں ناک اس کی خوددار طبیعت کی غمازی کرتی تھی، چہرہ پر سجی ترشی ہوئی داڑھی دونوں کان کی لوکو بڑی ادا سے چھوتی تھی، گھنے بال جن کا رنگ بھورا، داڑھی سے میل کھاتا تھا، کسرتی جسامت، بلند و قد و قامت کا مالک، وہ کسی سلطنت کا سلطان معلوم ہوتا تھا، وہ بہت دیر تک بارش کے پر کیف احساس کو اپنے اندر سموتا رہا، اپنے من میں اجالے بھرتا رہا، اس کے چہرے کے اک اک نقوش سے خوشی جھلک رہی تھی، ایک الوہی خوشی۔

''عالیان سلطان!'' عقب سے آتی اک ہانپتی ہوئی صدا نے اسے بے اختیار پلٹنے پر مجبور کر ڈالا۔

☆☆☆

وہ بگڑے ہوئے مزاج کے ساتھ کمرے سے تیار ہو کر نکلے تھے، کہ ڈائننگ ہال سے آتے شور شرابے نے انہیں اپنی جانب متوجہ کر ڈالا، ان کے قدم ہال کی جانب بڑھنے لگے۔

''اتنا ہنگامہ کیوں برپا کر رکھا ہے، کیا مسئلہ آن کھڑا ہوا ہے اب۔'' وہ ہمیشہ کی طرح سخت لہجے میں دریافت کرنے لگے، اس دوران ان کی نگاہ صرف صفیہ (ملازمہ) پر مرکوز تھی، اس کے

اطراف موجود پریشان زدہ خواتین پر اک نگاہ ڈالتا اب تک انہوں نے ضروری نہ جانا تھا۔

''صاحب جی وہ...... اک فون آیا تھا گھر پر۔'' صفیہ یوں مخاطب کیے جانے پر بوکھلائے ہوئے بولی۔

''گھر پر روز ڈھیروں فون آتے ہیں، اس پر اتنا واویلا مچانے کی کیا ضرورت؟'' انہوں نے صفیہ کو گھورتے ہوئے پوچھا۔

''وہ جی......فون پر بات کسی نے نہیں کی، مگر چھوٹے صاحب اور شمع بی بی کے چیخنے چلانے کی آوازیں آرہی تھیں۔'' صفیہ کی بات ختم بھی نہ ہوئی تھی کہ نجم النساء ہولتے ہوئے بولیں۔

''شافع الدین میرا دل گھبرا رہا ہے، میرے دونوں بچے ٹھیک نہیں ہیں، تم جاؤ جا کر دیکھو، میرے حذیفہ، شمع کس مصیبت میں جا پھنسے ہیں۔''

''مصیبت میں ہوتے تو یوں گھر پر کال کر کے چیخیں نہ مار رہے ہوتے، برا نہ مانیے گا اماں جی آپ نے ان بچوں کو زیادہ ہی سر پر چڑھا رکھا ہے، جیسی سختیاں ہم بھائیوں پر روا رکھیں تھیں ویسی ان بچوں پر بھی روا رکھتیں تو آج یہ نوبت نہ آتی کہ یہ دونوں اتنا بے ہودہ مذاق گھر والوں کے ساتھ کرتے۔'' شافع الدین کرختگی سے کہہ کر وہاں سے چلے گئے، مگر سفینہ اور انیسہ دل تھام کر انہیں شکوہ کناں نگاہوں سے دیکھتی رہ گئیں۔

''کس قدر پتھر دل ہے شافع، بھتیجے کی تو چھوڑو، اپنی بیٹی تک کی پرواہ نہیں اسے، حد ہے، بڑے بڑے عاشق دیکھے مگر اس جیسا دیوانہ نہ دیکھا، اللہ معاف کرے ایسے عشق سے جو گوشت پوست کے انسان کو پتھر بنا ڈالے۔'' انیسہ اپنی خفگی کا برملا اظہار کرتی چلی گئیں۔

''صحیح کہہ رہی ہیں انیسہ بھابھی، شافع الدین آپ اب درددل رکھنے والے انسان کہاں رہے، آپ کو تو آپ کی بچھڑی ہوئی محبت نے اک چٹان بنا ڈالا ہے، میں اور میری زندگی تو اس چٹان سے ٹکرا ٹکرا کر ختم ہوتے جا رہے ہیں، مگر میری بیٹی، شمع کو کس جرم کی سزا مل رہی ہے شافع۔'' سفینہ دکھتے دل سے من ہی من میں فریاد کناں ہوئیں، زبان پر کوئی شکوہ لاتیں اتنی اجازت انہیں شافع الدین نے دی ہی کب تھی۔

''اوہو انیسہ یوں بڑبڑانا بند کرو اور جا کر آفاق کو فون کرو، وہ ہی بچوں کا پتا کروا سکتا ہے اور تم سفینہ ٹسوے بہانا تو بند کرو، سارا قصور تمہارا ہے، آج اگر میرے بیٹے کا دل جیت لیا ہوتا تو یوں اپنی اولاد سے بے زار نہ ہوتا، نہ اچھی بیوی بن سکیں تم نہ اچھی ماں۔'' نجم النساء انیسہ کو ہدایت دے کر سفینہ کو کوسنا ضروری جانا، ان کے غصے پر سے گھبراتے ہوئے سفینہ جلدی جلدی رخسار پر بہتے آنسوؤں کو صاف کرنے لگیں، نجم النساء بڑے ہال سے نکل کر حویلی سے منسلک دالان میں نکل آئیں، دالان کے تین اطراف چھوٹے چھوٹے کمرے بنے تھے، جن میں حویلی کے ملازمین مسکن اختیار کیے ہوئے تھے، نجم النساء نے فکر مندی کے عالم میں ان ملازمین کو حویلی سے باہر حذیفہ کے حوالے سے معلومات حاصل کرنے کا حکم صادر فرمایا۔

''کریم...... شمع کی یونیورسٹی تک بھی جانا، کیا خبر وہاں سے بچوں کے بارے میں کچھ علم ہو سکے۔'' وہ پرسوچ انداز میں اپنے سب سے قابل اعتماد ملازم کو حکم دے کر واپس حویلی کے اندر آ گئیں۔

''سفینہ کیا بت بنی کھڑی رہو گی، شمع کے موبائل پر فون لگاؤ، ایک بار پر نہیں اٹھاتی تو بار بار فون کرو، مگر خدارا یوں بت بنی میرے سامنے

نہ کھڑی رہو۔" وہ واپس لوٹنے پر بھی سفینہ کو خاموشی سے آنسو بہاتا دیکھ کر جھنجھلاہٹ کے عالم میں برس پڑیں۔

"جی اماں جی۔" سفینہ اپنے تڑپتے دل کو سمجھاتیں جلد بازی کے عالم میں فون کی جانب لپکیں۔

☆☆☆

وہاں ایک مجمع جمع تھا، گول دائرے کی صورت۔

"یہ...... یہ تو حویلی ک چھوٹے صاحب ہیں۔" مجمع سے صدا بلند ہوئی، ایک نوجوان نے آگے بڑھ کر اوندھے پڑے حذیفہ کو سیدھا کر ڈالا تھا تب ہی سے چہ مگوئیوں کا سلسلہ شروع ہو چکا تھا۔

"مگر یہ ملکوں کی زمین ہے، حویلی والوں کا کیا کام یہاں۔"

"حویلی والوں کی تو ویسے بھی ملکوں سے بنتی نہیں۔"

"لگتا ہے اسی دخل اندازی پر جھگڑا ہوا ہے، حویلی خبر کرنی ہوگی، انہیں بتانا ہوگا کہ ان کی اولاد زخمی حال میں یہاں اوندھی پڑی ہے۔" مجمع میں سے کسی باشعور فرد نے کہا، چند ہی لمحوں میں یہ خبر جنگل میں لگی آگ کی طرح پھیلتی ہوئی حویلی تک جا پہنچی۔

"بڑی بیگم صاحبہ، چھوٹے صاحب کی خبر مل گئی ہے، وہ ملکوں کے علاقے میں زخمی حالت میں بے ہوش پڑے ہیں۔" کریم پھولی ہوئی سانس کے ساتھ حویلی لوٹا تھا، نجم النساء کو گھبراہٹ کے عالم میں خبر سنا کر منتظر سا کھڑا تھا۔

"یہ کیا کہہ رہے ہو کریم، حذیفہ وہاں کیسے جا سکتا ہے، جبکہ وہ بخوبی جانتا ہے کہ ان کے لئے وہ علاقہ ممنوعہ ہے۔" نجم النساء بے یقینی سے کہنے لگیں۔

"خبر درست ہے بڑی بیگم صاحبہ، مجھے کسی اور نے نہیں، میرے بیٹے نے آ کر بتایا ہے، تب ہی آپ کے سامنے کہنے کی جرأت کر پایا ہوں۔"

"یا مولا، یہ کیا غضب ہو گیا، ملکوں کے علاقے میں میرا حذیفہ، نہیں نہیں۔" وہ دل تھام کر بیٹھتی چلی گئیں۔

"انیسہ جلدی آؤ یہاں۔" انہوں نے پریشانی کے عالم میں صدا بلند کی، تیسری صدا پر انیسہ گھبراہٹ کے عالم میں دوڑتی چلی آئیں۔

"اماں جی، خیرت تو ہے، کچھ پتا چلا میرے حذیفہ کا، آفاق تو بہت پریشان ہو گئے ہیں، حویلی آ رہے ہیں وہ۔"

"انیسہ آفاق کو کہو، حویلی کے بجائے ملکوں کے علاقے کا رخ کرے، میں بھی وہیں کے لئے نکل رہی ہوں، ہمارا حذیفہ ملکوں کے قبضے میں ہے۔" نجم النساء نے اتنا کہہ کر کریم کو اشارہ کیا، وہ اشارے کا مفہوم جان کر فوراً وہاں سے چلا گیا۔

"ملکوں کے قبضے میں، آپ نے یہی کہا اماں جی۔" انیسہ کو لگا کہ انہیں سننے میں دھوکہ ہوا ہے، تب ہی استفہامیہ انداز میں دہراتے ہوئے بے یقینی سے نجم النساء کو دیکھا۔

"ہاں ملکوں کے قبضے میں، نہ جانے کب تمہارے بیٹے کو یہ بات سمجھ آئے گی کہ ملکوں سے ہماری دوستی یاری کسی زمانے میں بھی نہیں رہی، دشمن ہیں وہ لوگ ہمارے، دشمن بھی وہ جو خون کا پیاسا ہو۔" نجم النساء درشتی سے انیسہ کو دیکھتے ہوئے بولیں، انیسہ لاکھ تیز طرار سہی مگر نجم النساء کے آگے ان کے بیٹوں کی نہ چلتی تھی وہ تو پھر بہو تھی، اسی لئے ان کا درشت لہجہ خاموشی سے سہہ گئیں، اسی پل سفینہ بوکھلائے ہوئے انداز میں

وہاں پہنچیں، ملازمہ سے حذیفہ کے حوالے سے سن گن انہیں بھی مل ہی گئی تھی۔

''اماں جی، میری شمع، وہ کہاں ہے حذیفہ کے ساتھ ہی ہے ناں۔'' غالباً انہیں ادھوری اطلاع ملی تھی، تب ہی ایسا سوال کر گئیں۔

''سفینہ بی بی، حذیفہ خود بری حالت میں ہوش وخرد سے بیگانہ ملا ہے، شمع کی تو کچھ خبر ہی نہیں، تم اور کچھ تو کر ہی نہیں سکتیں، دعا کرو کہ شمع اپنی عزت کے ساتھ خیریت سے ہو۔'' نجم النساء کے غضب کا شکار ہونے کی باری اب سفینہ کی تھی، وہ حق دق سی کھڑی کی کھڑی رہ گئیں۔

''بڑی بیگم صاحبہ، گاڑی تیار ہے۔'' کریم اسی پل واپس لوٹا تھا، انہیں اطلاع دے کر منتظر نگاہوں سے دیکھنے لگا، نجم النساء عجلت کے عالم میں ہمراہ باہر چلی گئیں۔

''یہ سب کچھ تمہاری بیٹی کی وجہ سے ہوا ہے، وہ ہے ہی بڑی منحوس جب سے میرے بیٹے کی زندگی میں آئی ہے، تب سے وہ تباہ و برباد ہوا جا رہا ہے، یاد رکھو سفینہ اگر میرے بیٹے کو کچھ ہوا تو میں تمہیں اور تمہاری بیٹی کو نہیں چھوڑوں گی، اس حویلی سے نکلوا کر دم لوں گی میں۔'' انیسہ پیر پٹختی، سفینہ کو گھورتیں وہاں سے چلی گئیں، سفینہ دم بخود سی وہاں کھڑی رہ گئیں۔

☆☆☆

''عالیان سکندر۔'' وہ ہانپتی کانپتی اس کے نزدیک پہنچی، سیاہ رنگ کی ٹی شرٹ اور گرے ٹراؤزر میں ملبوس اس کی گلابی رنگت بارش کی شبنمی قطروں کے باعث دمک رہی تھی، عالیان کے چہرے پر اک بھرپور مسکراہٹ پھیل گئی۔

''تم مسکرا رہے ہو، اتنی دیر سے آوازیں دے رہی ہوں میں تمہیں، مگر تم انجان بنے یہاں کھڑے، بانہیں پھیلائے بارش کے مزے لے رہے ہو۔'' وہ گھٹنوں کے بل جھک کر ہانپتے ہوئے اس پر برس پڑی۔

''تمہیں پتا ہے تمہارا مسئلہ کیا ہے نوریا۔'' عالیان اس کی جانب رخ کر کے دلچسپ نگاہوں سے اسے دیکھتے ہوئے بولا، نوریا گہری سانس بھر کر واپس سیدھی ہو کر کھڑی ہوگئی۔

''میرا کوئی مسئلہ نہیں ہے مسٹر عالیان۔'' وہ خفگی کا بھرپور احساس دلاتے ہوئے روٹھے پن سے بولی۔

''مسئلہ تو ہے، میں جب بھی تم سے دور ہوتا ہوں، تم گھبرا جاتی ہے، پریشان ہونے لگ جاتی ہو، نہ جانے کیوں تمہیں یہ ذرا سا فاصلہ بھی بے حد گراں گزرتا ہے۔'' عالیان نے اس کی جانب ہاتھ بڑھاتے ہوئے اس کے احساسات کی بھرپور ترجمانی کی۔

''تمہارے ہر کیوں کا جواب ہے ''محبت۔'' نوریا نے مسکرا کر عالیان کا ہاتھ تھامتے ہوئے جواب دیا، وہ اس کے ساتھ آ کھڑی ہوئی، ٹریک پر وہ دونوں ایک بار پھر جاگنگ کے انداز میں بھاگنے لگے تھے۔

''محبت انسان کو مضبوط بنا ڈالتی ہے نوریا، میں تمہیں کبھی اپنی کمزوری نہیں بناؤں گا بلکہ اپنی طاقت بناؤں گا۔'' عالیان نے اپنی نگاہوں کے حصار میں نوریا کا حسین چہرہ قید کرتے ہوئے نرمی سے کہا۔

''تمہیں ایسا نہیں لگتا عالیان کہ جسے ہم اپنی طاقت سمجھتے ہیں دراصل وہ ہی ہماری سب سے بڑی کمزوری ہوتی ہے۔'' نوریا نے لحظہ بھر کی خاموشی اختیار کرتے ہوئے کہا۔

''نہیں ایسا بالکل بھی نہیں ہے، میں نے کبھی طاقت کو کمزوری بنتے نہیں دیکھا۔'' عالیان نے پرسوچ انداز میں نفی میں سر ہلاتے ہوئے

جواب دیا، وہ دونوں اس پل ٹریک کا جس حصے سے گزر رہے تھے، وہاں شاخوں سے ٹوٹے کئی پتے بکھرے ہوئے تھے، نوریا کے قدم وہیں تھم گئے۔

‘‘میں نے دیکھا ہے عالیان، محبت میں عموماً ایسا ہوتا ہے، جسے ہم طاقت سمجھتے ہیں وہ ہمیں کمزور کر ڈالتا ہے۔’’ نوریا کے لہجے میں اداسی گھلی تھی، عالیان نے جانچتی نگاہوں سے ان کا چہرہ دیکھا، کوئی بات تھی، ان کہی سہی، جس کا عکس نوریا کے حسین چہرے کو اداس کر رہا تھا، مگر وہ انجان تھا، اسے اداسی کا سبب جاننے میں دلچسپی بھی تھی، مگر فی الوقت نہیں، بارش اس کے من کو ہمیشہ سے سیراب کر ڈالتی تھی اور اس رم جھم برستے دن میں جب نوریا کا خوبصورت ساتھ بھی ایسے میسر تھا، تب وہ کوئی ایک پل بھی اداسی کے نذر نہیں کرنا چاہتا تھا۔

‘‘تم کتابیں پڑھتی ہو، اس لئے اس قدر افسانوی باتیں کر جاتی ہو۔’’ وہ مسکراتے ہوئے اس کے چہرے پر جھولتی لٹھوں کو کان کے پیچھے اڑستے ہوئے بولا، نوریا بے اختیار مسکرا اٹھی۔

‘‘تمہیں لگتا ہے کہ جو لوگ کتابیں پڑھتے ہیں وہ افسانوی باتیں کرتے ہیں۔’’ اس کی استفہامیہ نگاہیں عالیان کے وجیہہ چہرے پر مرکوز تھی۔

‘‘ہاں مجھے ایسا لگتا ہے، کتابوں میں کئی داستانیں رقم ہوتی ہیں اور یہ داستانیں اپنے پڑھنے والوں کے دل کو زیادہ گداز بنا ڈالتی ہیں، ان کے جذبات زیادہ روانی سے بہنے لگ جاتے ہیں، تب ہی وہ گہری سے گہری بات بڑی آسانی سے کہہ جاتے ہیں۔’’ عالیان نے مدبرانہ انداز میں کہا تو نوریا خوشگوار حیرت میں مبتلا اسے دیکھتی رہ گئی۔

‘‘تم یہ سب کچھ اس لئے کہہ رہے ہو کیونکہ پھپھو بھی کتابوں کو دوست رکھتی ہیں۔’’ وہ پوچھے بنا نہ رہ سکی۔

‘‘ہاں استنبول میں کتابیں ہی ماما کی بہترین ساتھی ہوا کرتی تھیں، بابا تو اپنے کام کو لے کر بے حد مصروف رہا کرتے تھے۔’’ وہ سادہ سے انداز میں گویا ہوا۔

‘‘اور تم۔’’ وہ بے اختیار پوچھ بیٹھی۔

‘‘میں اپنی روٹین لائف کے بعد تمہارے ساتھ رابطے میں مصروف رہتا تھا، تم جانتی تو ہو کہ میری واحد راز دار، دوست صرف تم ہو۔’’ وہ نوریا کو مسکراتے ہوئے پر اشتیاق نظروں سے دیکھتے ہوئے اعتراف کرنے لگا۔

‘‘کتنی بار کہا ہے عالیان یوں مسکرا کر نہ دیکھا کرو۔’’ نوریا نے جھینپتے ہوئے اس کے بازو پر آہستگی سے مکا جڑتے ہوئے کہا، نوریا کی بات پر وہ بلند آواز میں ہنس پڑا۔

‘‘تمہاری مسکراہٹ، یہ ہنسی، دنیا فتح کر لینے کی صلاحیت رکھتی ہے۔’’ نوریا اسے گہری نگاہوں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

‘‘کس کی دنیا...... تمہاری؟’’ عالیان نے سوال داغا۔

‘‘ہاں میری، ہر بار مسکرا کر کر لیتے ہو فتح تم دنیا میری، میری زندگی میں تمہارا کردار سکندر اعظم جیسا ہے۔’’ نوریا نے شاعرانہ انداز مخاطب اپنایا۔

‘‘واہ واہ شاعرہ صاحبہ۔’’ عالیان نے دل کھول کر داد دے ڈالی، وہ دونوں ہنستے ہوئے ٹریک پر آگے بڑھتے چلے گئے، برستا ہوا ساون بھیگے منظر کو دھندلا کرتا چلا گیا۔

☆☆☆

‘‘بی بی جی، انسان جب اپنی جگہ خود

چھوڑنے کو تیار ہو جائے، تو دنیا والے اسے راستے کا کانٹا سمجھ کر اٹھا پھینکتے ہیں، غلطی آپ ہی کی ہے، آپ نے خود کو اتنا کمزور بنا ڈالا کہ جس کا جو دل چاہا کہہ کر چلا گیا، نہ بی بی جی، رب نے جو دوسروں کے ساتھ بھی زیادتی نہ کرنے کا حکم دیا ہے، آپ نے تو اپنے ساتھ ہی زیادتی کر ڈالی۔“ سفینہ بت بنی کھڑی، انیسہ کی زہریلی باتوں کے زیر اثر تھیں، تب ہی صفیہ ان کے پاس چلی آئی اور ہولے ہولے کہنے لگی، وہ حویلی کے پرانی ملازماؤں میں سے ایک تھی، جوانی میں قدم اس حویلی میں رکھے تھے اور حویلی کا کھایا نمک حلال کر رہی تھی، حویلی کا اک اک رنگ دیکھ رہا تھا، صرف حال سے ہی نہیں ماضی سے بھی واقف تھی۔

”صفیہ تم نہیں سمجھو گی، نفرت کسی کے بھی وجود کو نہایت ارزاں بنا ڈالتی ہے، بعد اس حویلی میں تو ہر اک شخص کو مجھ سے نفرت ہے۔“ وہ مایوسی کی اتھاہ گہرائیوں میں گر چکی تھیں۔

”بی بی جی آپ نے کبھی اس نفرت پر احتجاج بھی تو بلند نہیں کیا، نہ اپنے لئے نہ شمع بی بی کے لئے، ابھی بھی شمع بی بی نہ جانے کس حال میں ہوں گی، آپ صاحب جی سے بات تو کر کے دیکھیں، آپ سے نفرت کر سکتے ہیں صاحب جی مگر اولاد سے تو فطرت میں محبت رکھ ڈالی ہے، رب سوہنے کی ذات نے۔“ صفیہ، سفینہ کو آج سے نہیں برسوں سے جانتی تھی جب حویلی میں سفینہ کو دلہن بنا کر لائے جانے کی تیاریاں عروج پر تھیں، تب وہ ان تیاریوں میں پیش پیش تھی، سفینہ کی نرم خو طبیعت نے ویسے ہی اسے مرعوب کر ڈالا تھا، مگر جن حالات کا سفینہ شادی کے بعد سے سامنا کر رہی تھی، اس نے صفیہ کا غم ضرور بانٹتی، صفیہ راہ دکھا کر چلی گئی، سفینہ کو اس کی باتوں سے امید کی کرن نظر آئی۔

”مجھے شافع سے بات کرنی چاہیے، شمع صرف میرے دل کا ٹکڑا نہیں، شافع کے وجود کا بھی حصہ ہے اور کوئی بھی باپ بیٹی کی گمشدگی پر یوں بے نیازی نہیں برت سکتا۔“ وہ اپنی سوچ کے تانے بانے بنتیں ٹیلی فون کی جانب بڑھنے لگیں، شافع الدین کا موبائل نمبر ملا کر کال وصول کیے جانے کا وہ شدت سے انتظار کرنے لگیں، کافی دیر تک کال ملانے کے بعد شافع الدین کی کھردری آواز ماؤتھ پیس سے سنائی دی۔

”ہیلو۔“ وہی کھردری آواز، جسے سن کر سفینہ کی مجتمع کی گئی ہمت دم توڑ دیتی تھی، ابھی بھی یہی ہوا کچھ ساعتوں تک وہ بول ہی نہ پائیں۔

”ہیلو، فون ملا کر زبان گنگ ہو جاتی ہے کیا؟“ وہ دانت پیس کر بولے، سفینہ ان کے یوں غرانے پر ہوش میں آئیں جیسے۔

”وہ.....وہ جی، شمع کا کچھ پتا نہیں چل رہا، آپ معلوم کروائیں ناں، نہ جانے وہ کہاں ہے، حذیفہ کے ساتھ نہیں ہے وہ۔“ وہ بڑی امید باندھے، عالم عاجزی سے بہکے جا رہی تھیں۔

”بھائی صاحب گئے ہیں بچوں کے پیچھے بار بار مجھے پریشان کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔“ شافع الدین نے سخت لہجے میں جواب دے کر کال منقطع کر ڈالی، سفینہ خاموش سی ریسیور دیکھتی رہ گئیں۔

☆☆☆

”اف کتنی دیر لگا دی تم لوگوں نے جاگنگ میں، کب سے میں اور سیما ناشتے کے لئے تم دونوں کا انتظار کر رہے تھے۔“ عالیان اور نوریا گھر پہنچتے تو شہیلہ کھانے کی میز سجانے میں مصروف تھیں، ان دونوں کو بھیگا دیکھ کر وہ جلدی

سے ٹاول لے کر آئیں اور ان دونوں کے حوالے کرتے ہوئے بولیں۔

''سارا قصور آپ کے بھانجے کا ہے، بارش اتنی پسند ہے عالی کو، کہ گھر واپس آنے کا نام ہی نہیں لے رہا تھا۔'' نویرا نے اپنے بھورے بالوں کی بینڈ کی قید سے آزاد کرتے ہوئے پرشوخ لہجے میں کہا۔

''بالکل جھوٹ بول رہی ہیں، آپ کی صاحبزادی صاحبہ، مامی اس کا دل ہی نہیں کر رہا تھا، ایک ہی دن میں ہفتے بھر کی ایکسر سائز کا تہیہ کر رکھا تھا محترمہ نے۔'' وہ سیر تھی تو عالیان بھی سوا سیر تھا۔

''اچھا بابا اب اپنی چونچیں لڑانا بند کرو تم دونوں اور فریش ہو کر آؤ، کچھ پرواہ بھی ہے اپنی ماؤں کی، کب سے راہ تک رہی ہیں تم دونوں کا۔'' شہنیلہ نے مسکراتے ہوئے دونوں کو پیار سے جھڑکا، نویرا تولیے سے بال رگڑتی اپنے کمرے کی جانب بڑھ گئی، جبکہ عالیان متلاشی نگاہوں سے اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے استفسار کرنے لگا۔

''اماں کہاں ہیں مامی؟''

''تمہارے بابا کی کال آئی ہے، ان ہی سے باتوں میں مصروف ہیں۔'' شہنیلہ نے اسے آگاہ کیا تو وہ سر اثبات میں ہلاتا ہوا کمرے کی جانب بڑھ گیا۔

''سلطان یہ ممکن نہیں آپ جانتے ہیں کہ یہ کسی صورت ممکن نہیں۔'' وہ کمرے میں داخل ہوا تو سیما کی جھنجلائی ہوئی آواز نے اسے فوراً اپنی جانب متوجہ کر ڈالا۔

''خیریت ماما، بابا کن ناممکنات پر بات کر رہے ہیں؟'' وہ مسکراتے ہوئے ان کی جانب بڑھا، اس کی اچانک آمد پر سیما نے چونک کر اس نے پلٹ کر دیکھا اور پھر فون پر متوجہ ہوئیں۔

''لیجئے جناب، اپنے برخوردار سے بات کیجئے ہوا خوری کے ساتھ ساتھ ساون میں خوب بھیگ کر آئیں ہیں آپ کے لاڈلے۔'' ان کی بات مکمل ہونے سے قبل ہی عالیان ان کی گردن میں بانہیں ڈال کر پہلو میں جا بیٹھا۔

''لو اپنے بابا سے بات کرو، کب سے تمہارے بارے میں پوچھے جا رہے تھے۔'' وہ موبائل اس کے حوالے کرتے ہوئے بولیں۔

''آپ کہاں جا رہی ہیں؟'' سیما اٹھنے لگیں تو وہ فوراً کہہ اٹھا۔

''ارے بھابھی کے پاس جا رہی ہوں، وہ بیچاری کب سے کچن میں مصروف ہیں جو بالکل بھی مناسب بات نہیں۔'' سیما نے مسکرا کر جواب دیا اور کمرے سے باہر نکل گئیں۔

''السلام علیکم بابا! کیسے مزاج ہیں آپ کے، سنا ہے ماما کے بغیر آپ کا دل استنبول میں بالکل نہیں لگ رہا اور جلد پاکستان آنے کے لئے پر تول رہے ہیں آپ۔'' وہ اپنے مخصوص شرارتی انداز میں بابا سے بات کرنے میں مصروف ہو گیا، اکلوتا ہونے کے باعث عالیان کے سلطان اور سیما سے انتہائی دوستانہ طرز کے تعلقات تھے۔

''بیٹا عالیان تم اب تک نہیں جان سکے کہ تمہارے بابا کا دل رہتا ہی تمہاری ماما کے پاس ہے، اب خود بتاؤ بناء دل کے میں کب تک جی سکتا ہوں۔'' سلطان صاحب خوشگواریت کے احساس تلے بیٹے سے بولے۔

''اوہ پھر تو یہ انتہائی ہنگامی صورتحال ہے، آپ کو تو فوری لینڈنگ کی ضرورت ہے۔'' عالیان ان کی بات سے محظوظ ہوتے ہوئے بولا۔

''ہاں تب ہی تو اس بار سب کچھ سمیٹ کر

پاکستان آ رہا ہوں، تمہاری ماما نے اب ہمیشہ پاکستان میں قیام کا فیصلہ کر لیا ہے اور ان کے بغیر تو ہمارا گزارا ممکن ہی نہیں۔" سلطان صاحب باتوں باتوں میں اسے اپنے فیصلے سے بھی آگاہ کر گئے۔

"اوہ تو ماما ان ممکنات اور ناممکنات کی بات کر رہی تھیں، ویسے ماما نے یہ فیصلہ کب کیا، مجھے تو ہوا بھی نہ لگنے دی۔" اس نے یکدم خیال آیا تو کہہ اٹھا۔

"بیٹا تمہیں تمہارے ماں باپ نے ہمیشہ زمانے کی سرد و گرم ہوا سے محفوظ رکھا ہے، غالباً تبھی تمہاری ماں نے اس خبر کی ہوا سے تمہیں دور رکھا۔" سلطان صاحب انتہائی سنجیدگی سے گویا ہوئے، عالیان ان کے لہجے کی سنگینی اور بات کا مفہوم سمجھتے ہوئے قہقہہ لگاتے ہنس پڑا۔

"بابا آپ مذاق بھی ناں انتہائی سنگینی سے کرتے ہیں۔" وہ کہے بنا نہ رہ سکا، اسی پل کمرے کا دروازہ کھلا اور سیما نے اندر جھانکتے ہوئے کہا۔

"اگر بابا سے بات ہو گئی ہے عالیان تو باہر تشریف لے آؤ، سب کھانے کی میز پر کب سے تمہارے منتظر ہیں۔" سیما اتنا کہہ کر واپس چلی گئیں۔

"او کے بابا، اب مجھے چلنا ہوگا ماما کا حکم تو آپ نہیں ٹال سکتے، میری مجال کیا۔" وہ مسکراتے ہوئے کہنے لگا۔

"جاؤ برخوردار جاؤ، اپنی ماں کو راضی رکھو، ماں راضی تو جنت راضی۔" سلطان صاحب ہنستے ہوئے بولے، عالیان الوداعی کلمات ادا کرتے ہوئے رابطہ منقطع کر کے کمرے سے باہر نکل گیا۔

☆☆☆

"اف ان دونوں باپ بیٹے کی باتیں تو ختم ہونے کا نام ہی نہیں لیتیں۔" سیما کھانے کی میز پر واپس لوٹیں تو مسکراتے ہوئے گویا ہوئیں۔

"باتیں تو تمہاری بھی سلطان بھائی سے ختم ہونے کا نام نہیں لیتیں، ماشاءاللہ عمر کے اس حصے میں بھی تم دونوں کے درمیان کمال کی محبت پنپتی ہے۔" شہیلہ نے مسکراتے ہوئے پلیٹ سیما کی جانب بڑھاتے ہوئے خوشگواریت سے کہا۔

"ارے کہاں بھابھی، آپ بھی ناں۔" سیما جھینپ سی گئیں۔

"ارے واہ پھپھو، آپ تو ابھی بھی پھوپھا کے ذکر پر شرما جاتی ہیں۔" نوریا نے سیما کو جھینپتے ہوئے دیکھا تو شوخی سے کہا۔

"ارے بیٹا تم نے اپنے پھوپھا اور پھپھو کو نوجوانی میں تو دیکھا ہی نہیں، کیا کمال کی محبت کی تھی دونوں نے، تمہارے پھوپھا نے تو ظالم سماج سے ٹکرا کر شادی کی تھی سیما سے۔" شہیلہ اپنی رو میں کہتی چلی گئیں، وہ عادی تھیں کسی بھی نوعیت کی بات عام بے ریا انداز میں کہنے کی، سیما نے ایک نظر اپنی سہیلی جیسی بھاوج کو دیکھا، ہمیشہ کی طرح مسکراتا ہوا پرخلوص چہرہ، سیما کے چہرے پر بھی مسکان بکھیر گیا۔

"پھپھو...... کتنی خوش قسمت ہیں آپ، آج کے دور میں کہاں کوئی اتنی ہمت رکھتا ہے جو ظالم سماج سے ٹکرا کر شادی کرے۔" نوریا نے ایک نظر کھانے کی میز کی جانب بڑھتے ہوئے عالیان کو دیکھ کر شرارت سے کہا۔

"ہمت کرنے کی ضرورت انہیں پڑتی ہیں جن کی راہ میں سماج ظالم بن کر کھڑا ہو اور ہماری راہ میں جو سماج کھڑا ہے وہ تو بڑا ہی مہربان سماج ہے۔" عالیان نے اشارتاً سیما اور شہیلہ کو مسکراتے ہوئے دیکھا، اور نوریا کو دوبدو جواب دیا، اس کی آنکھوں میں شرارت ہی شرارت تھی۔

''ہاں بھئی نویرا، اب ذرا بتانا کہ کون زیادہ خوش قسمت ثابت ہوا۔'' چھیڑنے کی باری اب سیما کی تھی۔

''یقیناً میں۔'' نویرا نے اترا کر جواب دیا، اس کے اس انداز پر سیما اور شہیلہ کھلکھلا کر ہنس پڑیں، عالیان اور نویرا کی نگاہوں میں شوخی سے بھرپور تکرار چھڑ گئی۔

☆☆☆

گاڑی ایک جھٹکے سے رکی تھی، کریم فوراً گاڑی سے فوراً نکل کر مجمعے کی جانب بڑھا، نجم النساء اضطراب کے عالم میں مجمع پر نگاہ کیے رحیم کی واپسی کی راہ دیکھتی رہیں، رحیم کچھ ہی لمحوں میں واپس آ گیا۔

''بڑی بیگم صاحبہ، چھوٹے صاحب کو ہسپتال لے جایا گیا ہے، آفاق صاحب ہم سب سے پہلے یہاں پہنچ چکے تھے۔''

''ٹھیک ہے پھر ہسپتال چلو۔'' نجم النساء نے پریشانی کے عالم میں حکم دیا، ہسپتال جانے کا مطلب بے حد واضح تھا، ان کا جگر کا ٹکڑا، ان کا پوتا حذیفہ بری طرح زخمی تھا، ہسپتال پہنچتے ہی ان کی نگاہ پریشانی کے عالم میں ٹہلتے آفاق الدین پر جا ٹھہری، وہ بے چینی سے ان کی جانب بڑھیں۔

''آفاق کیا ہوا ہے میرے حذیفہ کو، کہاں ہے میرا بچہ۔'' وہ بے قراری پوچھ رہی تھیں۔

''اماں جی کوئی جھگڑا ہوا ہے، بری طرح مارا ہے ان بدبختوں نے میرے حذیفہ کو، میں تو فوری طور پر حذیفہ کو ہسپتال لے آیا ہوں، کچھ بندوں کو مقابلے کی تحقیقات پر لگا دیا ہے، جس کسی نے بھی یہ تشدد کیا ہے، اسے میں چھوڑوں گا نہیں۔'' آفاق الدین شدید طیش کے عالم میں بولتے چلے گئے۔

''ہونہ ہو یہ ضرور ملکوں کے لڑکے شاہ ویز کی حرکت ہے۔'' نجم النساء غضبناک لہجے میں کہا، پھر یکدم خیال آیا تو پوچھنے لگیں۔

''تم باہر کیوں کھڑے ہو، حذیفہ کے پاس چلو، مجھے دیکھنا ہے اپنے چاند کو۔''

''اماں جی ابھی ڈاکٹر ہیں اندر، علاج معالجہ کرر ہے ہیں، باہر انتظار کے لئے کہا ہے۔'' آفاق الدین کے جواب پر وہ سر ہلا کر خاموش ہو گئیں۔

''شمع کا کچھ پتا چلا آفاق الدین، حذیفہ اسے ہی تو لینے گیا تھا یونیورسٹی، حذیفہ کا یوں زخمی ہونا اور شمع کا کچھ اتا پتا نہ چلنا، آفاق الدین تم سمجھ بھی رہے ہو کہ یہ کتنی خطرناک بات ہے۔'' نجم النساء کو اب جا کر پوتی کا خیال آیا۔

''میں تو سمجھ رہا ہوں اماں جی، مگر اس بات کی نزاکت کا احساس و فکر کچھ اس کے باپ کو بھی ہونا چاہیے، زمانہ بیت گیا، مگر شافع کے سر سے لڑکپن کی محبت کا بھوت نہ اترا، نہ بیوی کی فکر نہ بیٹی کا احساس، ایسے نبھائے جاتے ہیں رشتے اماں جی۔'' آفاق الدین کو ماں کے سوال پر وہ لمحہ یاد آ گیا جب انہوں نے شافع الدین کو ساتھ چلنے کا کہا تھا، مگر شافع الدین نے انکار کر ڈالا تھا تب انہیں بے حد غصہ آیا تھا، مگر موقع مناسب نہیں تھا، مگر تب کا غصہ وہ ابھی آنے سے روک نہ سکے۔

''تم جانتے تو ہو، سفینہ کو وہ کبھی دل سے قبول نہیں کر پایا، اسی کا غصہ وہ شمع پر بھی اکثر بیشتر نکال جاتا ہے۔'' نجم النساء دبے دبے لہجے میں اتنا ہی کہہ پائیں۔

''اماں جی یہ موقع نہیں ہے شافع الدین کی مجرمانہ غفلت پر پردہ داری کا، میں حذیفہ دیکھوں یا پھر شمع کو تلاش کروں۔'' وہ ماں کے انداز پر بری طرح چڑ کر بولے۔

حویلی میں ایک وہی تھے جو بانگ دہل شافع الدین کو کھری کھری سنانے کی ہمت رکھتے تھے اور حیرت انگیز طور پر شافع الدین نے بھی آج تک ان کی کسی سخت بات کا جواب نہ دیا۔

''مت بھولو آفاق الدین کہ حذیفہ اگر تمہارا بیٹا ہے تو شمع تمہاری ہونے والی بہو ہے۔'' نجم النساء نے انہیں جتلانے والے انداز میں جواب دیا۔

''اماں جی بھولنے کی بات تو یہ بھی نہیں، کہ حذیفہ صرف میرا بیٹا نہیں، شافع کا بھتیجا بھی ہے اور ہونے والا داماد بھی۔'' آفاق الدین نے بے لچک لہجے میں ماں کو دوبدو جواب دیا، نجم النساء خاموش سی رہ گئیں۔

''ایسا نہیں ہے اماں جی کہ مجھے شمع کی فکر نہیں، میں اس کے لئے سخت پریشان ہوں، مگر شافع الدین کی ان خونی رشتوں کے ساتھ کی جانے والی مسلسل زیادتیاں اب میری برداشت سے باہر ہوتی جا رہی ہیں۔'' آفاق الدین نے واضح جواب نے نجم النساء کو کچھ کہنے کے قابل نہیں چھوڑا، اسی اثناء میں ان کے موبائل پر انیسہ کی کال آ گئی، وہ ان سے گفتگو میں مصروف ہو گئے، نجم النساء اضطراری کیفیت میں ہسپتال کے کوریڈور میں ٹہلنے لگیں، حذیفہ کی طرف سے وہ کچھ حد تک پرسکون ہو چکی تھیں، مگر شمع کی گمشدگی اور شافع الدین کی بے حسی انہیں اندر ہی اندر بری طرح پریشان کر گئی تھی۔

☆☆☆

''انیسہ بھابھی کچھ پتا چلا بچوں کا؟'' وہ ہر جانب سے ناامید ہو کر ایک بار پھر انیسہ سے استفسار کرنے پر مجبور ہو گئیں۔

''ہاں پتا چلا ہے، میرا حذیفہ ہسپتال جا پہنچا ہے، اور تمہاری بیٹی لاپتہ ہے، نہ جانے کیا گل کھلائے ہیں تمہاری بیٹی نے جو میرا بیٹا اس حال تک جا پہنچا، مجھے تو لگتا ہے کہ ضرور کسی آشنا کا معاملہ ہے، اسی کے ساتھ فرار ہوئی ہے جس کے نتیجے میں میرا بیٹا اس حال میں جا پہنچا ہے۔'' انیسہ زہرخند لہجے میں سفینہ اور شمع کی عزت کے پرخچے اڑاتی چلی گئی۔

''یہ کیسی باتیں کر رہی ہیں آپ بھابھی، آپ جانتی ہیں میری شمع کا کردار شیشے کی طرح شفاف ہے، وہ ضرور کسی پریشانی میں مبتلا ہے، لیکن فرار نہیں ہوتی میری بیٹی۔'' سفینہ تڑپ کر کہہ اٹھیں۔

''بی بی یہ باتیں جا کر مجھے نہیں اپنے شوہر کو بتاؤ جو ہر ذمہ داری سے بیگانہ پھر رہا ہے، ایک بات یاد رکھنا سفینہ، میں صرف حذیفہ سے ملاقات کا انتظار کر رہی ہوں، اگر میں نے حذیفہ کو اس حال تک پہنچانے میں شمع کا ہاتھ ہوا تو میں قسم کھاتی ہوں اپنے بیٹے کی کہ تمہیں اور تمہاری بیٹی کو اس حویلی سے نکلوا کر دم لوں گی۔'' انیسہ بری طرح سیخ پا ہو کر تن فن کرتیں وہاں سے چلی گئیں، سفینہ پورے قد سے ڈھے گئیں۔

شافع الدین کی رفاقت میں انہوں نے بے انتہا تذلیل سہی، مگر آج اس تذلیل کا حصہ ان کی بیٹی بھی بنتی چلی جا رہی تھی، دل کٹ سا گیا تھا، ان کی آنکھوں سے اشک رواں ہو گئے۔

''یارب، میری بچی کو اپنے حفظ وامان میں رکھ، اس کی عزت کی حفاظت کر اسے مجھ سے ملا دے میرے مالک، ایک اسی سے تو میرا سچا کھرا رشتہ ہے جو میری آنکھوں میں ٹھنڈک پہنچاتا ہے۔'' وہ تڑپتے دل سے بارگاہ رب العزت میں فریاد کرنے لگیں۔

☆☆☆

''حذیفہ میری جان، یہ یہ سب کیسے ہوا،

کس نے کیا یہ ظلم تمہارے ساتھ، کس نے پہنچایا تمہیں اس حال میں۔'' ڈاکٹر نے کچھ دیر قبل ہی انہیں حذیفہ سے ملنے کی اجازت دی تھی، اور وہ بے قراری سی پوچھ رہی تھیں، حذیفہ نے بامشکل انہیں آنکھیں کھول کر دیکھا تھا، اس کے سر پر پٹی بندھی تھی، آنکھیں سوجی ہوئی تھیں اس کے ہاتھ اور پیر بھی زخمی تھے اور پٹیوں میں جکڑے ہوئے تھے۔

''بولو بیٹا، تمہیں کس نے اس حال تک پہنچایا، صرف نام بتا دو، میں اس بد بخت کی دنیا نیست و نابود کر ڈالوں گا۔'' آفاق الدین شدید غم و غصے کے عالم میں بولے، مگر وہ خاموش رہا اور متلاشی انداز میں کمرے میں نظریں بھٹکانے لگا۔

''یہ سب کچھ کیسے ہوا حذیفہ، ہمت کرو کچھ تو بولو۔'' نجم النساء بے بسی کے عالم میں اسے پکارتے ہوئے بولیں۔

''شمع، شمع کہاں ہے؟'' اس کے لب دھیرے سے وا ہوئے وہ بامشکل کہہ پایا تھا، اس کی بات پر نجم النساء اور آفاق الدین حیرانگی کے عالم میں ایک دوسرے کو دیکھے چلے گئے۔

''آپ لوگ بتاتے کیوں نہیں کہ شمع کہاں ہے۔'' وہ ان دونوں کو خاموش پا کر ہذیانی کیفیت میں مبتلا بلند آواز میں چلا اٹھا۔

''ہم نہیں جانتے کہ شمع کہاں ہے، اسے یونیورسٹی سے لینے تم گئے تھے، اس کے بعد کیا ہوا ہم میں سے کسی کو کچھ خبر نہیں، ہمیں صرف تمہارے زخمی ہونے کی اطلاع ملی۔'' آفاق الدین پریشان کن سے انداز میں اسے آگاہ کرنے لگے، وہ اب تک سمجھتے آ رہے تھے کہ حذیفہ ہی ہے جو شمع کے حوالے سے باعلم ہے مگر اسے لاعلم پا کر وہ حواس باختہ ہوئے جا رہے تھے، کچھ یہی کیفیت نجم النساء کی بھی تھی۔

''میں اسے لینے گیا تھا مگر راستے میں ملک شاہ ویز سے جھگڑا ہو گیا، اس وقت شمع میرے ساتھ تھی۔'' اسے بات کرنے میں دقت محسوس ہو رہی تھی، مگر پھر بھی وہ بے تاب سا کہہ رہا تھا۔

''شمع تمہارے ساتھ تھی تو پھر وہ وہاں کیوں نہیں ملی جہاں تم زخمی حالت میں موجود تھے۔'' نجم النساء کپکپاتے لہجے میں بولیں، ان کا لب و لہجہ بتا رہا تھا کہ وہ سخت اندیشوں کا شکار ہیں۔

''وہاں اس لئے نہیں ملی کیونکہ ملک شاہ ویز اسے اٹھا کر لے گیا۔'' انیسہ جانے کب وہاں آن پہنچی تھیں، ان کی موجودگی کا احساس ان کے سرد لہجے نے کرایا تھا، نجم النساء اور آفاق الدین بے اختیار پلٹ کر انہیں دیکھا، ان کی نگاہیں عجیب سے انداز میں چمک رہیں تھیں، آفاق الدین ٹھٹک گئے۔

☆☆☆

جیپ ایک جھٹکے سے باغیچوں میں گھری پرتعیش عمارت کے سامنے جا رکی، ملک شاہ ویز اک تکبر کے عالم میں جیپ سے اتر کر عمارت کے اندر داخل ہوا، ملک فیاض منشی کے ساتھ زمینوں کے حساب کتاب میں مصروف تھے، اسے یوں تیور چڑھائے اندر داخل ہوتا دیکھ کر چونک اٹھے اور پھر تحمل سے کہنے لگے۔

''اوے میرا شیر پتر کس سے لڑ آیا ہے آج۔''

''دادا جی پرانا حساب کتاب تھا، آج نمٹا آیا ہوں۔'' وہ کروفر کے عالم میں ان کے روبرو براجمان ہوتے ہوئے بولا، ملک فیاض نے پوتے کا چہرہ بغور دیکھا اور پھر منشی کو جانے کا اشارہ کیا، منشی کے جانے کے بعد وہ ایک بار پھر ملک شاہ ویز کی جانب متوجہ ہوئے۔

''اوئے اب بتا، بھلا کس کی دھلائی کر آیا ہے۔''

''حذیفہ آفاق کی، اب سمجھ آ جائے گا حویلی والوں کو کہ ملکوں سے بھڑنے کا نتیجہ کس صورت نکلتا ہے۔'' وہ صوفے پر داہنے ہاتھ کا مکا مارتے ہوئے غرایا۔

''حویلی والوں سے، اوئے شاہ ویز تو نے آفاق کے لڑکے کو مارا ہے۔'' ملک فیاض حیرانگی سے اٹھ کھڑے ہوئے۔

''ہاں مارا ہے، مار مار کر اسے ہسپتال پہنچا ڈالا ہے اور ابھی تو ہوش میں نہیں ہے وہ، ہوش آئے گا تو پتا چلے گا کہ صرف گھمنڈ کا ہی نہیں، عزت کا جنازہ بھی نکل چکا ہے اس کا۔'' ملک شاہ ویز تکبرانہ انداز میں حسب عادت مونچھوں کو تاؤ دیتے ہوئے ذومعنی لہجے میں بولا، اس کے چہرے پر پھیلی شیطانی مسکراہٹ ملک فیاض سے مخفی نہ رہ سکی۔

''اوئے مطلب کیا ہے تیرا اس بات سے پتر۔'' ملک فیاض چوکنا ہوئے، شاہ ویز کا تکبر، لب و لہجہ چہرے کے تاثرات انہیں کچھ اور ہی کتھا سنانے لگے۔

''مطلب یہ کہ شافع الدین کی بیٹی اور حذیفہ کی منگ اب میری تحویل میں ہے دادا جی۔'' وہ شیطانی قہقہہ لگاتے ہوئے راز فاش کر گیا۔

''اوئے پتر یہ ظلم کیوں کیا اس لڑکی پر، جھگڑا تیرا اس حذیفہ کے ساتھ تھا، اس سے تو بدلہ لے چکا تو پھر لڑکی کیوں اٹھا لایا۔'' ملک فیاض کے لہجے میں ناگواری صاف جھلک رہی تھی۔

''دادا جی، وہ بڑی حسین ہے اور آپ تو جانتے ہیں کہ خوبصورتی میری بڑی کمزوری ہے۔'' ملک شاہ ویز مکروہ ہنسی ہنستے ہوئے کہہ کر وہاں سے چلا گیا۔

ملک فیاض غصے کے عالم میں اس کی پشت کو گھورتے رہ گئے، شاہ ویز کے مزاج کی رنگینی سے وہ بخوبی واقف تھے، مگر شافع الدین کی لڑکی، وہ سر پکڑ کر بیٹھ گئے۔

(باقی آئندہ ماہ)

اچھی کتابیں
پڑھنے کی عادت ڈالیں

ابن انشاء
- اردو کی آخری کتاب ☆
- خمار گندم ☆
- دنیا گول ہے ☆
- آوارہ گرد کی ڈائری ☆
- ابن بطوطہ کے تعاقب میں ☆
- چلتے ہو تو چین کو چلیے ☆
- نگری نگری پھرا مسافر ☆
- خط انشاء جی کے ☆
- اس بستی کے اک کوچے میں ☆
- چاند نگر ☆
- دل وحشی ☆
- آپ سے کیا پردہ ☆

ڈاکٹر مولوی عبد الحق
- قواعد اردو ☆
- انتخاب کلام میر ☆

ڈاکٹر سید عبداللہ
- طیف نثر ☆
- طیف غزل ☆
- طیف اقبال ☆

لاہور اکیڈمی
چوک اردو بازار لاہور
فون: 042-37321690, 3710797

مجھے عشق ہے

سباس گل

ناولٹ

’’اس کا بہتر اور مناسب حل یہی ہے کہ میں حمدان کے لئے مزنہ کا رشتہ مانگ لوں مزنہ بہت حسین ہے، پڑھی لکھی خوش مزاج ہے، با اخلاق ہے اور مجھے کیا چاہیے؟ بہو بھی مل جائے گی اور یہ گھر اور حمدان کی جاب، یہ آسائشیں چھن جانے کا خطرہ بھی ٹل جائے گا، فواد راشد اپنی بیٹی کے شوہر کو تو بے گھر بے آسرا نہیں کرے گا نا، اور مزنہ اس کی اکلوتی بیٹی ہے اس ناطے فواد راشد کے ہاتھ جو بھی روپیہ پیسہ، بزنس پراپرٹی ہے وہ سب کچھ مزنہ کو ہی ملے گا، مزنہ کو ملنے کا مطلب ہے میرے بیٹے حمدان کو مل جائے پھر حمدان ہی بزنس چلائے گا جیسے اب چلا رہا ہے بعد میں اسے مکمل اختیار حاصل ہو جائے گا اور فواد راشد کب تک بزنس سنبھالے گا بوڑھا ہے جلدی تھک کر بیٹھ جائے گا سب کچھ حمدان کو سونپنے پر مجبور ہو جائے گا، داماد سے بڑھ کر قابل بھروسہ اسے کوئی اور نہ ملے گا آخر اپنی بیٹی کا بسا ہوا گھر اس کی خوشی ایک باپ ہونے کے ناطے اسے بھی تو عزیز ہوگی نا، ؟ ہاں یہ ٹھیک رہے گا مجھے اپنا اور اپنے بیٹے کا مستقبل محفوظ بنانے کے لئے مزنہ کو اپنی بہو بنانا ہی ہوگا، میں آج ہی حمدان سے بات کروں گی وہ میری بات رد کر ہی نہیں سکتا، اسے میرا کہا ماننا ہوگا۔‘‘ عائشہ رضا اپنے کمرے میں بیٹھی خود سے سوال جواب کر رہی تھیں سوچ رہی تھیں، حالات پر غور کرتے ہوئے حال و مستقبل کے تانے بانے بنتے ہوئے بالآخر اس نتیجے پر پہنچی تھیں کہ مزنہ اور حمدان کی شادی کرا دی جائے، یہ فیصلہ کر کے وہ خاصی مطمئن دکھائی دے رہی تھیں۔

☆☆☆

دل کے ہر کھیل میں ہوتا ہے بہت جاں کا زیاں
عشق کو عشق سمجھ ، مشغلہ جان نہ بنا

فیصل نے آفس سے حمدان کے ساتھ نکلتے

ہوئے یہ شعر پڑھا تو وہ مسکراتے ہوئے شعر کا جواب شعر میں دیتے ہوئے بولا۔

عشق کو عشق سمجھتے ہیں تو یوں مرتے ہیں
مشغلہ جاں جو بناتے تو بہت شاداں ہوتے

''اچھا جی!'' فیصل نے مسکراتے ہوئے اس کی آنکھوں میں دیکھا۔

''ہاں جی۔'' حمدان یوسف نے اسی کے انداز میں کہا اور دونوں ہنس پڑے۔

حمدان یوسف آج گھر دیر سے لوٹا تھا سب اپنے اپنے کمروں میں جا چکے تھے، ملازمہ نسرین نے اسے بتایا کہ عائشہ رضا اسے اپنے کمرے میں بلا رہی ہیں اس کے انتظار میں جاگ رہی ہیں، وہ سیدھا ان کے کمرے میں چلا آیا۔

''السلام علیکم! ممی کیسی طبیعت ہے آپ کی؟''

''وعلیکم السلام بیٹا! میری طبیعت بالکل ٹھیک ہے تم نے آج بہت دیر کر دی آنے میں بارہ بج رہے ہیں۔'' عائشہ رضا نے اپنے بیڈ پر نیم دراز ہوتے ہوئے استفسار کیا۔

''ممی! کام زیادہ تھا اس لئے دیر ہو گئی اور میں یہ کام جاب سمجھ کر نہیں کرتا بلکہ اپنا بزنس اپنا کام سمجھ کر کرتا ہوں اسی لئے دیر سویر ہو جاتی ہے آپ پریشان مت ہوا کریں۔'' حمدان یوسف ان کے بیڈ کے کنارے پر بیٹھ گیا اور انہیں دیکھتے ہوئے بولا۔

''پریشان کیسے نہ ہوا کروں بیٹا، میرے اکلوتے بیٹے ہو تم، دنیا میں واحد سہارا ہو میرا اور کون ہے بھلا؟ رشتے دار بھائی بہن سب ہمیں چھوڑ گئے، دولت تھی تو سب ساتھ تھے دولت نہ رہی تو سب بدل گئے۔'' عائشہ رضا نے دکھی لہجے میں کہا۔

''بدل نہیں گئے ممی، ان کے اصل چہرے سامنے آ گئے، برے وقت میں بھی ایک اچھائی ہوتی ہے جیسے ہی آتا ہے فالتو خود غرض اور مطلبی لوگ ہماری زندگی سے نکل جاتے ہیں۔'' حمدان یوسف نے مسکرا کر کہا تو وہ سنجیدگی سے بولیں۔

''تم ٹھیک کہتے ہو، کرنسی نوٹوں پر مرنے والے انسان بھی کاش نوٹوں کی طرح ہوتے جنہیں روشنی میں کر کے دیکھا تو جا سکتا کے اصلی ہیں یا جعلی ہیں نقلی ہیں، مطلبی ہیں یا مخلص ہیں۔''

''مگر ایسا ممکن نہیں ہے ممی۔'' حمدان یوسف نے کہا۔

''ہاں خیر، حمدان بیٹا! مجھے تم سے ضروری بات کرنا ہے۔''

''جی ممی کہیے میں سن رہا ہوں۔''

''بیٹا میں چاہتی ہوں کہ تم مزنہ سے شادی کر لو۔''

''واٹ؟'' حمدان یوسف کو اپنے کانوں پہ یقین نہ آیا، اس کے دل کی بات اور خواہش بنا کہے وہ کرنا چاہ رہی تھیں اسے خوشگوار حیرت نے گھیر لیا تھا۔

''ہاں بیٹا مزنہ خوبصورت ہے، خوب سیرت اور پڑھی لکھی، سلجھی ہوئی لڑکی ہے تم دونوں ایک ساتھ خوب جچو گے، اس کے لئے بھی تم سے بہتر رشتہ ہو ہی نہیں سکتا۔'' عائشہ رضا نے سنجیدگی سے کہا تو وہ مسکراتے ہوئے بولا۔

''ممی ایسا تو آپ کو لگتا ہے نا، ہو سکتا ہے اس کے پیرنٹس نے اس کے لئے کوئی لڑکا پسند کر رکھا ہو۔''

''میرے بیٹے سے اچھا لڑکا نہیں ہو گا اگر ایسا ہے تو بھی، میں انہیں راضی کر لوں گی، دیکھو بیٹا، یہ ہمارے بھلے اور فائدے کی بات ہے اگر تمہاری شادی مزنہ کے ساتھ ہو جاتی ہے تو ہماری پراپرٹی ہمیں پھر سے واپس مل جائے گی ورنہ

سوچو ہم کہاں جائیں گے اس گھر اور کاروبار سے نکالنے جانے پر، فواد راشد اپنی بیٹی کا گھر بسانے کے لئے تم پر مہربان رہے گا، سوچو بیٹا ہمارا ہی فائدہ ہے اس رشتے میں اور جو رشتے دار ہمیں دولت نہ ہونے کی وجہ سے چھوڑ گئے ہیں وہ بھی دیکھ لیں گے کہ ہم نے سب کچھ پھر سے پالیا ہے میرے بیٹے کو چاند سی دلہن بھی مل گئی ہے۔'' عائشہ رضا سنجیدگی سے بولیں تو حمدان یوسف نے دل میں سوچا۔

''حالات نے ممی کو بھی خود غرض ہو کر سوچنے پر مجبور کر دیا ہے وہ مزنہ سے میری شادی صرف اس لئے کرانا چاہ رہی ہیں کہ ہمیں یہ گھر اور تمام آسائشیں ملی رہیں۔''

''حمدان، کیا سوچنے لگے؟'' عائشہ رضا نے اسے خاموش دیکھ کر پوچھا۔

''کچھ نہیں ممی۔'' وہ مسکرایا۔

''حمدان پلیز انکار مت کرنا بیٹا، اس رشتے میں ہم دونوں کا فائدہ ہے میں پہلے فواد راشد پر شک کرتی رہی تھی کہ اس نے تمہارے پاپا کے ساتھ فراڈ کیا ہے مگر شکر ہوا کہ میں نے اپنا شک اور غصہ ان پر ظاہر نہیں کیا ورنہ وہ ہمیں اس گھر سے نکال دیتے اور اتنے مہربان نہ ہوتے ہم پر، وہ تینوں ہمارے ساتھ بہت اپنائیت سے پیش آتے ہیں لہٰذا خاموشی سے یہ رشتہ ہو جائے تو بہتر ہے۔''

''ٹھیک ہے ممی، جیسے آپ کی مرضی۔'' حمدان یوسف نے ان کا ہاتھ تھام کر کہا۔

''سچ بیٹا۔'' عائشہ رضا خوش ہوتے ہوئے بولیں۔

''جی ممی، آپ کی خوشی میں ہی میری خوشی ہے مجھے اس رشتے پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔'' حمدان یوسف مسکراتے ہوئے بولا۔

''تھینک یو بیٹا، تم نے میری بات مان کر میری بہت بڑی پریشانی دور کر دی ہے میں اپنی زندگی میں تمہارا گھر بسا ہوا دیکھنا چاہتی ہوں۔'' عائشہ رضا نے اس کے سر پر شفقت سے ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

''ممی! اللہ آپ کا سایہ میرے سر پہ ہمیشہ قائم رکھے، آپ فواد صاحب سے بات کر لیں، مجھے آپ کی خوشی میں خوشی ملے گی۔''

''خوش رہو۔'' انہوں نے خوش ہو کر حمدان یوسف کا ماتھا چوم لیا۔

''فواد راشد بلا کا شاطر اور چالاک آدمی ہے فراڈ کر کے پاور آف اٹارنی حاصل کر کے اتنا میٹھا بن گیا کے کسی کو اس کی بدنیتی دکھائی ہی نہ دے سکے۔'' حمدان یوسف نے اپنے کمرے میں آ کر جوتے اتارتے ہوئے سوچا۔

''اللہ تعالیٰ، بنا مانگے، بنا کہے مجھے میری محبت سے نواز رہا ہے مجھے اس پر خوش ہونا چاہیے اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہیے، اچھا کیا جو میں نے ممی کو فواد راشد کی حقیقت نہیں بتائی ورنہ ممی تو ایک ہنگامہ کھڑا کر دیتیں اور مزنہ کو اپنی بہو بنانے کا تو وہ سوچنا بھی گناہ سمجھتیں، اللہ کے فضل و کرم سے میری اور مزنہ کی شادی ہو جائے خیریت سے بعد میں جب ضرورت محسوس ہوگی میں ممی کو ساری صورتحال سے آگاہ کر دوں گا، ابھی تو مجھے شکرانے کے نفل ادا کرنا چاہیں، مزنہ سے رشتہ جو طے ہونے جا رہا ہے۔'' حمدان یوسف نے دل میں سوچا اور مسکراتے ہوئے وضو کے لئے واش روم میں چلا گیا۔

میں آدم ذات میرے کئی ہیں روپ
میں سوچ دا ولی میں دل دا کافر

''ابا جی، بیگم یوسف نے آج شام کی چائے پہ بلایا ہے ہمیں اور مجھے یقین ہے کہ وہ

ضرور حمدان کے لئے اپنی مزنہ کا رشتہ مانگیں گی۔"

☆☆☆

فواد راشد نے راشد بیگ کے پاس بیٹھتے ہوئے رازدارانہ انداز میں بتایا۔

"اچھا، تجھے کیسے معلوم؟" راشد بیگ نے چونک کر پوچھا۔

"صابرہ بتا رہی تھی کہ وہ حمدان کی شادی کا کہہ رہی تھیں اور اس سے بھی پوچھ رہی تھیں کہ مزنہ کا کہیں رشتہ طے تو نہیں کیا اور بھلا وہ کیا بات کریں گے ہم سے ان کو گھر کاروبار پہلے کی طرح ملا ہوا ہے کسی کمی کی شکایت تو کرنے سے رہیں وہ۔" فواد راشد نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

"ہوں تو کیا ارادہ ہے؟ ہاں کر دو گے؟"

"ہاں پکی والی ہاں، اتنا شاندار رشتہ میں کسی قیمت پر نہیں گنواؤں گا، امریکہ، لندن کا پڑھا لکھا ہے حمدان بزنس میں خوب دماغ چلتا ہے اور کاروبار چلانے کے لئے سارے نکمے اور کام چور تھوڑی بھرتی کرنے ہیں کام والا آدمی ہو تب ہی کاروبار آگے بڑھتا، چلتا ہے، سچ کہوں ابا میں حمدان کی ذہانت اور صلاحیت کا قائل ہوں وہ دل لگا کر محنت سے کام کرتا ہے ہمارے بزنس کو وہ اب صرف ایمپلائی کی حیثیت سے ہی نہیں ہمارے داماد کی حیثیت سے بھی آگے بڑھانے میں دن رات ایک کر دے گا آخر کو نام کو اس کا اور اس کے باپ کا ہی چل رہا ہے نا، یہ الگ بات ہے کہ بزنس میرے ہاتھ میں ہے۔" فواد راشد نے چالاکی سے مسکراتے ہوئے کہا تو وہ بھی مکارانہ انداز میں ہنس پڑے۔

شام کو ڈرائینگ روم میں عائشہ رضا، حمدان یوسف اور مزنہ کے دادا ماں باپ موجود تھے، چائے کے ساتھ ساتھ باتوں کا دور بھی چل رہا تھا، مزنہ باہر لان میں کتاب اٹھائے ٹہل ٹہل کر سبق یاد کر رہی تھی۔

"فواد بھائی صاحب، صابرہ بہن مجھے آپ دونوں سے بہت ضروری بات کرنی ہے بھائی صاحب، مجھے امید ہے کہ پہلے کی طرح آپ اس بار بھی میرا مان رکھیں گے۔" عائشہ رضا نے تمہید باندھتے ہوئے بات شروع کی۔

"جی بیگم صاحبہ، آپ حکم کیجئے؟" فواد راشد نے بہت مودب اور تابعدارانہ انداز میں کہا۔

"حکم نہیں ہے درخواست ہے بھائی صاحب، آپ میرے بیٹے کو اپنی فرزندی میں قبول کر لیں، مجھے مزنہ بیٹی کا رشتہ حمدان کے لئے دے دیں، میں اپنے بیٹے کے سر پر سہرا سجا دیکھنا چاہتی ہوں، اس کے بچوں کو اپنی گود میں کھلا چاہتی ہوں، مجھے یقین ہے آپ انکار نہیں کریں گے۔" عائشہ رضا نے سنجیدگی سے درخواست گزارانہ انداز میں اپنا مدعا بیان کیا تو جیسے ان کے دل کی کلی کھل گئی۔

"بیگم صاحبہ میں آپ کے یقین کو کیسے تو سکتا ہوں، آپ کا مان بڑھا کر مجھے بھی بہت خوشی ہو گی، حمدان جیسا قابل لڑکا میرا داماد بنے میرے لئے باعث مسرت ہے مجھے اپنی بیٹی کے لئے آپ کے بیٹے کا رشتہ منظور ہے۔" فواد راشد نے مسکراتے ہوئے بہت رسان سے کہا تو سب کے چہروں پر خوشی کے رنگ بکھر گئے۔

"سچ بھائی صاحب، آپ نے دل خوش کر دیا بہت شکریہ مبارک ہو آپ سب کو۔" عائشہ رضا خوش ہو کر بولیں۔

"آپ کو بھی مبارک ہو، صابرہ منہ میٹھا کراؤ سب کا۔" فواد راشد نے مسکراتے ہوئے انہیں مبارکباد دے کر صابرہ سے کہا، وہ جی اچھا کہہ کر اٹھیں اور کچن کی طرف چلی گئیں چند منٹ بعد واپس آئیں تو ان کے ہاتھ میں مٹھائی کی

PakistaniPoint
www.pakistanipoint.com

پلیٹ تھی، انہوں نے سب کا منہ میٹھا کرایا، فواد راشد نے حمدان یوسف کو گلے لگا کر اپنی دلی خوشی کا اظہار کیا تھا، اور حمدان یوسف نے یہ قربت محض مزنہ کی محبت کی خاطر برداشت کی تھی ورنہ وہ اپنے دشمن کو گلے لگانے کی حماقت نہیں کر سکتا تھا، وہ چائے کا کپ لے کر باہر لان میں چلا آیا جہاں مزنہ کتاب لئے سبق یاد کر رہی تھی۔

''ہیلو'' حمدان یوسف نے اس کے قریب آ کر کہا۔

''جی۔'' مزنہ کا جی سوالیہ تھا۔

''پیپرز شروع ہو گئے آپ کے۔''

''جی۔''

''تیاری ہو گئی۔''

''جی۔''

''جی کے علاوہ بھی کچھ بولتی ہیں آپ؟''

''نہیں۔''

''کیوں؟'' حمدان یوسف نے اس کے چہرے کو چاہت سے دیکھتے ہوئے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

''مرضی میری۔'' مزنہ نے اکڑ کر جواب دیا۔

''میری مرضی ہمیشہ نہیں چلتی مزنہ جی، کبھی کبھی دوسروں کی اور اپنوں کی مرضی بھی ماننی پڑتی ہے۔''

''جانتی ہوں، لیکن اگر دوسروں کی مرضی ماننے کا مطلب ہے کہ میں آپ سے گپ شپ لگاؤں تو ایسا ممکن نہیں ہے، آپ کا باتیں کرنے کا موڈ ہے تو اندر جائیں وہاں سب ہوں گے ان سے باتیں کریں مجھے پڑھنے دیں۔'' مزنہ نے اعتماد سے اسے دیکھتے ہوئے کھرا کھرا جواب دیا۔

''آپ نے تو صاف صاف جواب دے دیا کبھی کسی کا دل بھی رکھ لیتے ہیں۔'' حمدان یوسف نے چائے کا سپ لے کر کہا۔

''میں کیوں رکھوں کسی کا دل؟ میرے لئے میرا دل ہی کافی ہے جو میرے قابو میں ہے۔'' مزنہ سنجیدگی سے بولی۔

''اچھا، آپ جانتی ہیں کے اندر کیا باتیں ہو رہی ہیں؟''

''جی نہیں اور نہ ہی میں جاننا چاہتی ہوں۔''

''اوکے سی یو'' حمدان یوسف مسکراتے ہوئے بولا اور اندر کی جانب قدم بڑھا دیئے۔

''عائشہ بہن، رشتے پر ہم بخوشی راضی ہیں لیکن آپ سے ایک فیور چاہیے، ابھی مزنہ کے سامنے اس کی شادی کا ذکر مت کیجئے گا اس کے امتحان شروع ہو گئے ہیں وہ ڈسٹرب ہو جائے گی، آپ تو جانتی ہیں ناں لڑکیوں کی شادی کی بات اگر ان کے امتحانات کے وقت شروع ہو جائے تو وہ ذہنی طور پر ڈسٹرب رہتی ہیں ٹھیک سے پڑھ نہیں پاتیں۔'' صابرہ نے عائشہ رضا کو دیکھتے ہوئے سنجیدہ مگر نرم لہجے میں کہا۔

''میں سمجھ سکتی ہوں آپ بالکل فکر نہ کریں مزنہ کے سامنے اس کا رشتہ طے پا جانے کا ذکر بالکل نہیں ہو گا لیکن ہم شادی کی تیاری تو شروع کر سکتے ہیں ناں جونہی مزنہ کے امتحان ختم ہوں گے ہم شادی کی ڈیٹ اناؤنس کر دیں گے کیا خیال ہے بھائی صاحب!'' عائشہ رضا نے مسکراتے ہوئے ان دونوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا تو فواد راشد مسکراتے ہوئے بولے۔

''بہت اچھا خیال ہے بیگم صاحبہ، آپ شادی کی تیاریاں شروع کیجئے شادی کی ڈیٹ بھی ہم ایک دو دن میں فکس کر لیتے ہیں صلاح مشورہ کر کے مزنہ کے امتحان ہو جائیں تو شادی کے فنکشنز شروع ہو جائیں گے۔''

''انشاءاللہ۔'' سب نے ایک ساتھ کہا اندر آتے حمدان یوسف نے بھی مسکراتے ہوئے ان کی بات سن کر انشاءاللہ کہا تھا۔

☆☆☆

''حمدان یوسف آر یو میڈ؟'' فیصل نے رشتہ طے ہونے کا سنا تو حیرانگی سے اسے دیکھتے ہوئے بولا، وہ اطمینان سے مسکراتے ہوئے بولا۔

''یس آئی ایم میڈ، بی کاز آئی ایم ان لو ود مزنہ۔''

''ایک بات بتا مجھے مزنہ سے تو سچ میں محبت کرتا ہے یا اس کے باپ کے کیے کی سزا دینے کے لئے مزنہ سے شادی کر کے اس سے بدلہ لینا چاہتا ہے۔'' فیصل سنجیدگی سے اسے دیکھتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔

''کم آن یار، تو نے مجھے کیا انڈین سوپ ڈراموں کا ظالم ساس سمجھا ہوا ہے جو اسے کہہ رہا ہے۔'' وہ خفا خفا نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے بولا۔

''نہیں لیکن ایسی بھی کیا محبت کے اتنا بڑا فراڈ اتنا بڑا دکھ تو فراموش کیے ہوئے ہے۔''

''تو نہیں سمجھے گا یہ محبت ہے کوئی کاروبار نہیں ہے اور پھر اس سب میں مزنہ بے قصور ہے تو اسے سزا کیوں دوں گا میں؟'' حمدان یوسف نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

''او کے گڈ لک اینڈ کانگریٹس۔'' فیصل نے مسکراتے ہوئے اسے گلے لگا کر وش کیا۔

''تھینک یو۔'' حمدان یوسف بھی مسکرا دیا۔

☆☆☆

مزنہ پیپرز کی تیاری کر رہی تھی پیپرز دے رہی تھی اور صابرہ، فواد، عائشہ رضا، حمدان یوسف شادی کی تیاریاں کر رہے تھے۔

''آنٹی یہ اتنی پیاری اور ڈھیر ساری شاپنگ کس کے لئے کر رہی ہیں آپ؟'' مزنہ کا آخری پیپر تھا کل تیاری وہ کر چکی تھی لہٰذا فرصت پا کر آخر عائشہ رضا کے پاس آ کر ان سے پوچھ ہی لیا جو بری کے جوڑے لئے بیٹھی تھیں۔

''اپنی ہونے والی بہو کے لئے۔'' عائشہ رضا نے مسکراتے ہوئے بتایا وہ خود بھی ماشاءاللہ بہت گریس فل خاتون تھیں اور ان کی پسند بھی بہت شاندار تھی، مزنہ سراہے بغیر نہ رہ سکی۔

''ریئلی؟ آپ حمدان بھائی کی شادی کر رہی ہیں؟''

''ہاں۔'' وہ مسکراتی رہیں کے وہ اصل بات سے بے خبر ہے۔

''اور آپ نے مجھے بتایا بھی نہیں دیس از ناٹ فیئر آنٹی۔'' وہ خفگی سے بولی تو انہوں نے ہنس کر کہا۔

''تم اپنے پیپرز میں جو اتنی مصروف تھیں اس لئے نہیں بتایا تھا تمہارے امتحان ختم ہو جانے کا انتظار ہے ہمیں پھر شادی کی تقریبات شروع ہو جائیں گی۔''

''چلیں آپ کو بہت بہت مبارک ہو اور اللہ کرے کے آپ کی بہو آپ کے لئے بہت مبارک ثابت ہو۔'' مزنہ نے فوراً خوشدلی سے انہیں مبارکباد دیتے ہوئے دعا دی۔

''آمین۔'' عائشہ رضا نے دل سے کہا۔

''میرے لئے بھی کسی نے شاپنگ کی ہے یا بس ابھی بہو کے لئے ہی اتنے پیارے ڈریسز بنوائے ہیں؟'' مزنہ نے پوچھا تو وہ ہنس کر بولیں۔

''تمہارے لئے تو سب سے اچھے ڈریسز بنوائے ہیں لیکن وہ سرپرائز ہیں تمہیں فنکشن کے دن ہی ملیں گے۔''

’’اچھا، چلیں جیسے آپ کی مرضی لیکن میں سب سے خوبصورت دکھائی دوں تمام فنکشنز میں ہاں ایسی تیاری کرانی ہے آپ نے میری۔‘‘ مزنہ نے انہیں دیکھتے ہوئے کہا۔

’’ہاں ہاں کیوں نہیں؟ مزنہ تو سب سے خوبصورت دکھائی دے گی انشاء اللہ۔‘‘ عائشہ رضا نے ہنستے ہوئے کہا تو وہ بھی شرما کر ہنس دی۔

’’یا اللہ پاک، میری بیٹی کے نصیب میں ساری خوشیاں لکھ دیں، آسانیاں، کامیابیاں، صحت، عزت لکھ دیں، مزنہ شادی کے نام سے بھی چڑتی ہے مردوں سے نفرت کرتی ہے اپنے باپ کے رویے کی وجہ سے دادا کے سلوک اور سوچ کی وجہ سے وہ مردوں سے بدظن ہو چکی ہے، اس کے دل میں لچک پیدا کردے، وہ حمدان سے شادی کے لئے آسانی سے راضی ہو جائے اس کا دل نرم کردے مالک! حمدان اچھا لڑکا ہے بس وہ میرے شوہر کے فراڈ کی سزا میری بیٹی کو کبھی نہ دے، یا اللہ پاک تو تو سب جانتا ہے نا، تجھے تیرے پیاروں کا واسطہ ہے جو سکھ اور عزت مجھے نہ مل سکا وہ میری بیٹی کے نصیب میں لکھ دے میری مزنہ کو کبھی کوئی دکھ پریشانی نہ ملے، حمدان یوسف ہر لحاظ میری بیٹی کے لئے ایک اچھا جیون ساتھی ثابت ہو، آمین ثم آمین۔‘‘

ظہر کی نماز میں صابرہ ہاتھ پھیلائے، اشک بار آنکھوں سے دل کی زبان سے دعا مانگ رہی تھیں، جب مزنہ کمرے میں داخل ہوئی، آج اس کا آخری پیپر تھا جو بہت اچھا ہوا تھا، اس لئے اس کا موڈ بھی بہت اچھا تھا، پیپرز ختم ہونے کی خوشی اور اطمینان اس کے چہرے پر نمایاں تھا۔

’’السلام علیکم امی!‘‘ مزنہ نے بیڈ پر بیٹھتے ہوئے انہیں دیکھتے ہوئے بہت خوشگوار موڈ میں سلام کیا۔

’’وعلیکم السلام! پیپر کیسا ہوا؟‘‘ انہوں نے جائے نماز پر بیٹھے بیٹھے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

’’بہت اچھا ہوا شکر ہے امتحان آج ختم ہو گئے۔‘‘

’’ابھی تو ایک امتحان ختم ہوا ہے، ایک امتحان اور ہونے والا ہے تمہارا اب اس کی تیاری شروع کرو۔‘‘ صابرہ نے معنی خیز بات کہی تو وہ الجھ کر بولی۔

’’کون سا امتحان؟‘‘

’’بعد میں سوال جواب کرنا بھی تم فریش ہو جاؤ میں نماز ادا کر کے کھانا لگاتی ہوں آج تمہاری پسند کے کوفتے اور کھیر پکائی ہے میں نے۔‘‘ صابرہ نے بات بدل کر نرمی سے کہا۔

’’واؤ، کوفتے، کھیر سن کر ہی منہ میں پانی آ گیا میں ابھی چینج کر کے منہ ہاتھ دھو کے نہیں وضو کر کے آتی ہوں نماز پڑھ کر ہی اپنا فیورٹ کھانا کھاؤں گی۔‘‘ مزنہ خوشی سے مسکراتے ہوئے بولی اور واش روم کی طرف دوڑی، صابرہ اس کی خوشی دیکھ کر مسکرا دیں اور باقی نماز ادا کرنے کے لئے کھڑی ہو گئیں۔

مزنہ عشاء کی نماز کے بعد باہر لان میں چہل قدمی کر رہی تھی، حمدان یوسف بہت دنوں بعد اسے دیکھ پایا تھا اس طرح اکیلے واک کرتے ہوئے تو وہ بھی لان میں ہی چلا آیا۔

’’آپ کو نیند کیوں نہیں آتی؟‘‘

’’آپ کو بھی ہے ہم سے الفت کیا؟‘‘

حمدان یوسف کی آواز میں یہ شعر مزنہ کی سماعتوں میں اترا تو وہ شاکڈ سی اس کی سمت مڑی۔

’’واٹ؟‘‘

’’مزنہ! آئی لو یو۔‘‘ حمدان یوسف بلا ارادہ ہی یہ تین الفاظ بول کر مزنہ کو ہی نہیں خود کو بھی

حیرت میں ڈال گیا۔

''آر یو ان یور سینس؟''

''سینس تو آپ نے یہاں آتے ہی چھین لئے تھے۔'' حمدان یوسف اس کے چہرے پر لہراتی پاگل لٹ کو دلچسپی سے دیکھتے ہوئے بولا۔

''شٹ اپ، چند روز بعد آپ کی شادی ہو رہی ہے اور آپ ایک نامحرم لڑکی سے اظہار عشق فرما رہے ہیں شرم آنی چاہیے آپ کو۔'' مزنہ نے غصے سے اسے دیکھتے ہوئے تیز لہجے میں کہا، وہ اس قدر غصہ بھی کر سکتی ہے حمدان یوسف کو یہ ابھی معلوم ہوا تھا، اسے اس کا غصہ بھی اچھا لگ رہا تھا۔

''اپنی ہونے والی بیوی سے اظہار عشق کرنا کوئی جرم تھوڑی ہے۔'' حمدان یوسف نے مسکراتے ہوئے بڑے اطمینان سے اس کے سر پہ بم پھوڑا تھا۔

''کیا؟ کیا کہا تم نے؟ تمہاری ہونے والی بیوی؟ منہ دھو رکھو میں اور تم سے شادی کروں گی تم نے سوچا بھی کیسے؟'' مزنہ کا پارہ آسمان کو چھو رہا تھا اور شدید غصے کے عالم میں بول رہی تھی، اسے اتنے بڑے فیصلے سے لاعلم رکھا گیا تھا۔

''یہ ہمارے بڑوں نے سوچا ہے اور فیصلہ کیا ہے اور میں اپنے بڑوں کی بات ماننے والا بچہ ہوں سچ کہوں یہ میرے بھی دل کی خواہش تھی جو اللہ نے بنا کہے پوری کرنے کا انتظام واہتمام کر دیا ہے۔'' وہ اس کا غصہ نظر انداز کرتے ہوئے مسکراتے ہوئے بولا۔

''میں تم سے شادی نہیں کروں گی بہتر ہوگا کے تم اس رشتے سے خود ہی انکار کر دو۔'' وہ غصے سے بولی۔

''انکار نہ کروں تو؟''

''تو میں تمہارا جینا حرام کر دوں گی یاد رکھنا۔''

''جینا تو حرام ہو ہی جائے گا اگر تم نے مجھ سے شادی نہ کی تو۔'' وہ اس کے غصے کو اس بات سے بے خبر رکھنے کا سبب سمجھ کر مطمئن انداز میں بولا، وہ غصے سے بولی۔

''سوچ ہے تمہاری، جب میں نے امی سے کہا تھا کہ مجھے شادی نہیں کرنی تو مجھے بتائے بغیر اتنا بڑا فیصلہ کیسے کر لیا انہوں نے؟''

''کیونکہ والدین کی اولین خواہش ہوتی ہے کہ ان کی بیٹی اچھے گھر میں بیاہی جائے۔''

''تو تم دو گے مجھے اچھا گھر؟ تم جو خود میرے باپ کے گھر میں رہتے ہو ان کی دی ہوئی نوکری کرتے ہو تم مجھے اچھا گھر دو گے ہونہہ۔'' وہ بدتمیزی سے بولی لہجے میں طنز بھی تھا اور حقارت بھی مگر حمدان یوسف نے رتی برابر پرواہ نہیں کی۔

''تمہارے باپ کا احسان ہے یہ تو اور تمہارے باپ ہی تمہارا رشتہ مجھے دے کر مجھ غریب پر ایک اور احسان کرنا چاہ رہے ہیں، تمہیں اس لئے نہیں بتایا گیا تا کہ تم اپنے ایگزامز اطمینان سے دے سکو، اب جبکہ تمہارے پیپرز ختم ہو گئے ہیں تو نیکسٹ فرائی ڈے کو ہماری شادی ہو جائے گی ہفتے کو ولیمہ ہوگا اور سنڈے کو ہم ہنی مون کے لئے نادران ایریاز چلے جائیں گے۔''

حمدان یوسف بہت فراخدلی سے اس کا طنز اور بدتمیزی برداشت کرتے ہوئے سارا پلان بتا رہا تھا اس کے غصے کو آتش فشاں میں بدل رہا تھا۔

''بھول ہے تمہاری نیکسٹ ہفتے اور سنڈے کو تم بھی یہیں ہو گے اور میں بھی ادھر ہی ہوں گی پچھتاؤ گے تم مجھ سے شادی کر کے۔'' وہ اسے گھورتے ہوئے دھمکا رہی تھی۔

''تم سے شادی نہیں کروں گا تو زیادہ پچھتاؤں گا۔''

''ہونہہ۔'' وہ حقارت سے اسے دیکھ کر سر جھٹکتی تیزی سے اندر کی طرف بھاگ گئی۔

☆☆☆

''عشق کا عین عقل کے عین کو کھا جاتا ہے سنا تھا آج تو نے ثابت کر دیا کہ یہ سچ ہے، حد ہو گئی یار، وہ لڑکی تیری انسلٹ کرتی رہی اور تو اسے مسکرا مسکرا کر اپنے اور اس کے ہنی مون کے بارے میں بتاتا رہا۔''

فیصل حمدان یوسف کی زبانی مزنہ سے ہونے والی گفتگو کی روداد سن کر حیرت اور افسوس سے اسے دیکھتے ہوئے بولا۔

''اس کا غصہ بجا تھا یار، دیکھ نا اس کی شادی میں ہفتہ بھی نہیں رہ گیا اور اس پر یہ انکشاف اب ہوا ہے تو وہ غصہ تو کرے گی نا۔'' حمدان یوسف اطمینان سے بولا۔

''اور وہ جو اس نے تجھے اپنے باپ کے گھر میں رہنے اور ان کی دی ہوئی نوکری کرنے کا طعنہ دیا تھا وہ کیا تھا؟''

''وہ اس کی بے خبری تھی۔''

''تو اسے باخبر کرنا، یونہی اس کے ہاتھوں ذلیل ہوتا رہے گا؟ دیکھ حمدان مجھے فواد راشدڈ پہلے ہی زہر لگتا ہے اوپر سے اس کی بیٹی تیری اتنی انسلٹ کرے یہ مجھ سے برداشت نہیں ہوگا، مزنہ کو اس کے باپ کی اصلیت بتا دے ورنہ وہ اسی طرح تیرے سر پہ ناچے بلکہ تجھے بھی تگنی کا ناچ نچائے گی۔'' فیصل جذباتی ہو کر بولا۔

''بتا دوں گا لیکن مناسب وقت آنے پر۔''

''اور یہ مناسب وقت کب آئے گا؟''

''شادی کے بعد۔''

''اگر ایسا ہے تو منہ دکھائی میں تو اسے اس کے باپ کا اصل چہرہ دکھا دینا یہی اس کی رونمائی کا تحفہ ہوگا۔''

''بکواس نہ کر اتنا بے غیرت سمجھتا ہے تو مجھے کہ میں ایک باپ کے کرتوتوں کی سزا اس کی بیٹی کو دوں گا، میں نے پیار کیا ہے مزنہ سے اس لئے بنا کسی فساد کے اس سے شادی کرنا چاہتا ہوں بعد میں اس کے باپ کو بھی آئینہ دکھا لیں گے، میں ان مردوں میں سے نہیں ہوں جو اپنی لڑائی میں عورتوں کو گھسیٹتے ہیں، محبت اور جنگ میں سب جائز نہیں سمجھتا میں۔'' حمدان یوسف نے تیز اور سپاٹ لہجے میں جواب دیا۔

''ٹھیک ہے تو تو جیسے جائز سمجھتا ہے وہ کر میں ہر حال میں تیرے ساتھ ہوں۔'' فیصل سنجیدگی سے بولا۔

''دیٹس لائیک اے گڈ فرینڈ۔'' حمدان یوسف مسکرا کر بولا۔

''سالے ابھی بھی گڈ فرینڈ ہی کہہ رہا ہے حالانکہ گریٹ فرینڈ کہنا بنتا تھا۔'' فیصل نے پیار بھرا شکوہ کیا تو وہ بے اختیار ہنس پڑا، فیصل بھی شکوہ کناں نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے ہنس پڑا۔

☆☆☆

''امی اتنا بڑا دھوکا دیا آپ نے مجھے میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کے مجھے یوں بے خبری میں دلدل میں دھکیل دیں گی۔'' مزنہ روتے ہوئے صابرہ سے شکوہ کر رہی تھی۔

''میں ماں ہوں تمہاری تمہیں کبھی دلدل میں نہیں دھکیل سکتی اور رہی بات دھوکے کی تو دھوکا میں نے نہیں دیا تمہارے باپ نے دیا ہے وقت آنے پر تمہیں بھی علم ہو جائے گا، تمہاری شادی ایک دن تو ہونا ہی تھی تو حمدان یوسف میں کیا برائی ہے؟ وہ ہر لحاظ سے تمہارے لئے بہترین انتخاب ہے اور ہو سکتا ہے اس طرح ہم ان ماں بیٹے کے دکھوں کا کچھ ازالہ کر سکیں۔'' صابرہ

سنجیدگی سے بولیں۔

''انہیں ملنے والے دکھ ان کا نصیب تھے، ہم نے انہیں دکھ نہیں دیئے کہ ہم ان دکھوں کا ازالہ کریں، نفرت ہے مجھے مردوں سے کہہ دیں آپ ابو سے میں حمدان سے شادی نہیں کروں گی۔''

''کیسے نہیں کروں گی حمدان سے شادی؟'' اسی وقت فواد راشد کمرے میں داخل ہوئے اور غصیلے لہجے میں بولے وہ دونوں انہیں دیکھ کر سہم گئیں۔

''میں دیکھتا ہوں کیسے میرے فیصلے سے انکار کرتی ہو۔''

''ابو مجھے شادی نہیں کرنی نہ حمدان سے اور نہ ہی کسی اور سے۔'' مزنہ نے ہمت کر کے اپنا فیصلہ سنا دیا۔

''اچھا باپ کے منہ پر صاف صاف انکار کر رہی ہے سن رہی ہے صابرہ، یہ تیری تربیت بول رہی ہے۔'' فواد راشد نے دونوں کو باری باری شعلہ بار نظروں سے دیکھتے ہوئے سارا الزام صابرہ کی تربیت پر دھرتے ہوئے درشتی سے کہا۔

''یہ میری تربیت نہیں بول رہی فواد صاحب، یہ آپ کا وہ رویہ اور سلوک بول رہا ہے جو یہ ہوش سنبھالنے سے لے کر آج تک دیکھتی آئی ہے، آپ نے میرے ساتھ جو برتاؤ کیا وہ یہ بھی دیکھتی سنتی رہی ہے اسی وجہ سے اسے مردوں سے شادی کے نام سے نفرت ہو گئی ہے اس کے ذمے دار آپ ہیں ابا جی ہیں جنہوں نے کبھی اپنی بہو بیوی کو عزت تک نہیں دی۔'' صابرہ نے بھی ہمت کر کے سچائی کا آئینہ ان کے روبرو رکھتے ہوئے کہا تو وہ غصے سے دھاڑے۔

''ہاں کہہ دو میں ہی برا ہوں، جابر ہوں، ظالم ہوں کہہ دو۔''

''یہ بات اگر آپ دل سے پوری ایمانداری سے تسلیم کریں گے تو شاید خدا بھی آپ کو معاف کر دے۔'' صابرہ نے انہیں دیکھتے ہوئے کہا تو وہ سفاکی سے گویا ہوئے۔

''میں یہاں معافی تلافی کرنے نہیں آیا صرف یہ بتانے آیا ہوں کہ اپنی بیٹی کو اس شادی کے لئے خوشی خوشی تمام فنکشنز کے لئے تیار کر لینا ورنہ تمہاری اور میری شادی کو ختم ہونے میں چند سیکنڈ ہی لگیں گے کاغذی کارروائی تو ہو گی بعد میں پہلے تو زبانی طلاق کے تین حرف بول کے تمہاری چھٹی کروں گا سمجھیں۔''

''ابو آپ ایسا کر سکتے ہیں؟'' مزنہ صدمے سے صابرہ سے سرد ہوتا ہاتھ تھام کر فواد راشد کو دیکھتے ہوئے بولی۔

''میں ایسا ویسا کچھ بھی کر سکتا ہوں تم بھی یہ بات کان کھول کر سن لو میں نے جو یہ اتنی کامیابی حاصل کی ہے یہ سب میں تمہاری احمقانہ ضد کی وجہ سے گنوانا نہیں چاہتا لہٰذا ہنسی خوشی یہ شادی کر کے اپنا گھر بساؤ، ورنہ گھر تو بسے گا تمہارا نہیں تو میرا، شادی تو ہو گی تمہاری نہ سہی میری شادی ہو گی آج میرے پاس اتنی دولت ہے کہ مجھے ایک سے ایک اعلیٰ خاندان کی امیر لڑکی کا رشتہ مل جائے گا، ساری زندگی میں نے اس جاہل گنوار عورت کے ساتھ گزار دی اب میں لحاظ نہیں کروں گا یاد رکھنا تم دونوں۔'' فواد راشد بہت درشتی سے بے رحمی سے اپنا فیصلہ سنا کر کمرے سے باہر چلے گئے، وہ دونوں ایک دوسرے کو دکھ اور بے بسی سے دیکھ رہی تھیں۔

''اس آدمی کے پاس یہ دولت اگر پہلے آ جاتی تو یہ دوسری کیا تیسری، چوتھی شادی بھی کر لیتا، وہ تو آج تک اللہ نے اسے اپنے برتن میں

رکھا ورنہ ہم ماں بیٹی کو جو تین وقت کا کھانا اور وہاں رہنا نصیب تھا یہ بھی نہ ہوتا۔" صابرہ نے اس کو اپنے ساتھ لگا کر پرنم لہجے میں کہا اور وہ اپنے باپ کی اتنی خود غرضی، بے حسی اور لالچ پر رونے چلی گئی۔

"آپ اتنی افسردہ کیوں ہیں؟ یقین کیجئے میں ایک اچھا اور قدر کرنے والا انسان ہوں۔"

مزنہ لان میں پھولوں کے کنج کے درمیان افسردہ سی بیٹھی تھی، حمدان یوسف بھی اسے وہاں دیکھ کر وہیں چلا آیا اور بہت اپنائیت بھرے لہجے میں بولا۔

"مجھے آپ کی اچھائی کا اچار نہیں ڈالنا، اور پلیز جائیے یہاں سے میں کچھ دیر اکیلے رہنا چاہتی ہوں۔" مزنہ نے اس کی جانب دیکھے بغیر رکھائی سے جواب دیا۔

"اور میں آپ کو اکیلے نہیں رہنے دینا چاہتا میں ہر قدم پر آپ کے ساتھ رہنا چاہتا ہوں آپ کو اپنے ساتھ رکھنا چاہتا ہوں۔" حمدان یوسف نے اس کے سامنے آکر نیچے لان میں گھٹنے کے بل بیٹھ کر اس کے چہرے کو دیکھتے ہوئے کہا، کوئی اور لڑکی ہوتی تو حمدان یوسف کی اتنی محبت، چاہت اور قربت کو پا کر پگھل گئی ہوتی مگر یہ مزنہ فواد تھی جسے مردوں سے نفرت تھی، پھر بھلا اس پر حمدان یوسف کے یہ پیار بھرے جملے کیوں اثر کرتے۔

"ایک بات بتائیں مجھے، آپ کے خاندان والوں نے تو چلیں آپ کو کنگال سمجھ کر تعلق ختم کر لیا لیکن آپ تو امریکہ، یورپ میں کئی سال گزار کے آئے ہیں آپ کو وہاں کوئی لڑکی نہ ملی شادی کرنے کے لئے جو مجھ پر ستم فرمایا جا رہا ہے۔" مزنہ اس کے اتنے قریب ہونے پر ذرا بھی نہ گھبرائی بلکہ پر اعتماد اور سپاٹ لہجے میں اس سے سوال کیا، پہلے تو وہ اس کی بات پر ہنسا پھر گنگنا کر جواب دیا۔

جگ گھومیا تیرے جیسا نہ کوئی

"اور اگر میرا دماغ گھومیا تو میرے جیسا نہ کوئی سمجھے۔" مزنہ نے چڑ کر جواب دیا وہ بے ساختہ قہقہہ لگا کر ہنس پڑا تھا۔

☆☆☆

"مزنہ! میری پیاری بیٹی ہونا تم تو، دیکھو میری بات دھیان سے سنو اور اس پر عمل بھی کرنا۔" صابرہ نے اپنی گود میں سر رکھ کر لیٹی مزنہ کے بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے بہت محبت و شفقت سے کہا۔

"جی امی، میں سن رہی ہوں۔"

"بیٹا! عورت کا ظاہری حسن مرد کو اپنی جانب مائل کرنے کے لئے مقناطیس کی سی کشش رکھتا ہے اور اگر اس ظاہری حسن میں باطنی خوبصورتی بھی شامل ہو جائے تو چار چاند لگ جاتے ہیں، تم حمدان کو اپنے حسن و سادگی کی وجہ سے معصومیت کی وجہ سے پسند ہو لیکن شادی کے بعد تم نے اپنے حسن عمل سے اس کا دل جیتنا ہے، محبت اور عزت دینا ہے اپنے شوہر کو، اس کا بہت خیال رکھنا ہے ایسا کرو گی تو وہ تمہارے عشق میں دیوانہ ہو جائے گا نہ کبھی تمہیں چھوڑے گا نہ کبھی تم سے غافل ہوگا بیٹا! گھر اور دل، دونوں محبت پیار اور توجہ سے بستے ہیں، شوہر غصے میں ہو تو خاموش ہو جانا، کبھی اس سے بلند آواز میں بات مت کرنا، اس کی پسند اور مرضی کا خیال رکھو گی تو وہ بھی تمہاری پسند اور مرضی کو اہمیت دینے لگے گا۔"

"امی یہ سب نصیحتیں عورت کے لئے ہی کیوں ہوتی ہیں مرد کے لئے کوئی تاکید، تلقین، واعظ اور نصیحت نہیں ہے؟" مزنہ نے ان کے چہرے کو دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

“بیٹا چ مرد گھر کا سربراہ ہوتا ہے، کفیل ہے، عورت سے زیادہ سمجھ، عقل رکھتا ہے۔”

“تو اس لئے اسے کھلی آزادی ہے کہ وہ عورت کے ساتھ جو چاہے سلوک کرے جیسے ابو نے آپ کے ساتھ کیا، دادا نے دادی کے ساتھ کیا اور آپ کے ساتھ بھی ہے نا؟” وہ چڑ کر بولی۔

“تمام مرد تمہارے باپ دادا جیسے نہیں ہوتے، مجھے یقین ہے کہ حمدان یوسف میری دعاؤں کا ثمر ہے وہ تمہیں بہت خوشیاں دے گا، عزت، محبت سے رکھے گا تمہیں، بس بیٹا تم میرا کہنا ماننا تم

میری تربیت پر انگلی اٹھانے کا موقع نہ دینا کسی کو، مجھے مایوس نہیں کرے گی میری بیٹی مجھے یقین ہے۔” صابرہ نے اس کے بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے پیار سے سمجھایا اور ماں بھرے انداز میں کہا تو وہ ان کے سامنے ہارتے ہوئے بولی۔

“میں پوری کوشش کروں گی کے آپ کا یقین ٹوٹنے نہ دوں۔”

“شاباش، جیتی رہو مجھے یقین ہے میری بیٹی اپنے گھر کو جنت کا نمونہ بنا دے گی۔” صابرہ نے خوش ہو کر اس کی پیشانی چوم لی۔

“جی ہاں اگر وہ نمونہ جو ابو نے میرے لئے قبول کیا ہے وہ اس قابل ہوا تو ورنہ بینڈ بجا دوں گی اس کی۔” مزنہ نے منہ بنا کر کہا تو وہ ہنس کر بولیں۔

“بینڈ باجا، بارات تو وہ لے کر آ رہا ہے تمہارے لئے تم بس پورے دل سے خوشی سے اس کی دلہن بننا یہ میری زندگی کی سب سے بڑی خواہش اور خوشی ہے کہ تمہیں دلہن بنے دیکھوں اپنے شوہر کے ساتھ خوش آباد دیکھوں۔”

“انشاء اللہ۔” مزنہ یہی کہہ سکی بس اس کا دل ڈرا، بجھا اور جلا ہوا تھا، شادی کرنا اس کے لئے کسی امتحان سے کم نہ تھا، وہ ایک مرد پر بھی بھروسہ نہیں کر سکتی تھی محبت تو دور کی بات تھی اپنی ماں کی خوشی اور باپ کی بے حسی کی وجہ سے وہ یہ شادی کا لڈو کھانے پر مجبور تھی۔

اور یوں بہت دھوم دھام سے مزنہ کی شادی حمدان یوسف کے ساتھ ہو گئی، فواد راشد نے اپنی امارت کا رعب جھاڑنے کے لئے اپنے اور صابرہ کے خاندان والوں کو بھی شادی میں بلایا تھا، حسب توقع سبھی فواد راشد کی کایا پلٹ جانے پر حیران تھے اور کچھ حاسدانہ نظروں سے ان کے ٹھاٹھ دیکھ رہے تھے، فواد راشد ان کے سامنے بڑے کروفر سے گردن اکڑا کر پھرتے رہے۔

☆☆☆

“حمدان بیٹا، یہ بہت بڑا کنسائمنٹ ہے اس کے لئے ہمیں دو شفٹوں میں کام کرنا پڑا ہے اتنی محنت کے بعد ہم کوئی رسک نہیں لے سکتے آپ کو خود ازبکستان جانا چاہیے یہ کنسائمنٹ لے کر وہاں اشیاء کے کئی ممالک سے بزنس سرکل کے وفد آ رہے ہیں آپ کو بھی اس سیمینار میں شرکت کا دعوت نامہ آیا ہے، اللہ بخشے یوسف صاحب تو اب ہیں نہیں آپ ہی کو ان کی جگہ نمائندگی کرنی ہے ہمیں وہاں مزید بزنس ملنے کی بھی امید ہے۔” فواد راشد نے آفس کی میٹنگ ہال میں حمدان یوسف کو ساری صورتحال سے آگاہ کرتے ہوئے کہا تو وہ سنجیدگی سے بولا۔

“جی انکل، آپ صحیح کہہ رہے ہیں میں اس پر ہوم ورک کمپلیٹ کرتا ہوں انشاء اللہ، میں ضرور شرکت کروں گا اس سیمینار میں۔”

“گڈ، اینڈ بیسٹ آف لک۔” فواد راشد نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''تھینک یو انکل!'' وہ مسکراتے ہوئے بولا، اسے یہ سب اپنے والد کے اور اپنے بزنس کے لئے کرنا تھا، فواد راشد کے لئے نہیں اس لئے وہ اس ٹوئر کو کامیاب بنانا چاہتا تھا، تاکہ اس کے بزنس کو فائدہ ہو ملک کو فائدہ ہو۔

مزنہ ڈائری لکھ رہی تھی جب حمدان یوسف کمرے میں آیا، ہلکے نیلے رنگ کے سفید دھاگے کے کامدار لباس میں وہ بے حد دلکش و حسین لگ رہی تھی، حمدان یوسف نے ستائشی نظروں سے اسے دیکھا اور بیڈ کے کنارے پر بیٹھ کر ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کرتے ہوئے پوچھا۔

''کیا لکھ رہی ہیں مزنہ جی؟''

''آپ سے مطلب؟'' جواب حسب توقع غصے میں آیا تھا۔

''کیا خبر ہمارے مطلب کا بھی کچھ ہو۔'' وہ مسکرا کر بولا۔

''منہ دھو رکھیے۔'' مزنہ بدتمیزی سے بولی۔

''منہ تو ہم دھو ہی لیں گے آپ ایک کپ چائے بنا دیں گی۔''

''کیوں؟ آتے ہوئے ملازمہ سے کہہ دیا ہوتا چائے کے لئے۔''

''آپ میری بیوی ہیں آپ سے کہنے کا حق رکھتا ہوں۔''

''میں نے آپ کو ایسا کوئی حق نہیں دیا اور بائی دا وے تم گھر داماد ہو لہٰذا مجھ پر حکم چلانے کا سوچنا بھی مت ہمارے، شکر کرو کہ تمہیں اس گھر میں رکھا ہوا ہے جاب دی ہوئی ہے ابو نے ورنہ کہیں دھکے کھا رہے ہوتے اس وقت۔''

مزنہ نے ڈائری سائیڈ ٹیبل کی دراز میں رکھی اور بیڈ سے اترتے ہوئے انتہائی بدتمیزی سے جواب دیا، حمدان یوسف ہرٹ تو ہوا اس کی باتوں سے مگر ہمیشہ کی اپنی مسکراہٹ میں اپنا دکھ چھپا لیا۔

''درست فرمایا آپ نے بہت احسان ہے آپ کے فادر کا ہم پر۔'' وہ مسکراتے ہوئے جوتے اتار کر کھڑا ہو گیا۔

''اس احسان کو ہمیشہ یاد رکھنا۔''

''جی بہت بہتر۔'' وہ سر کو ذرا سا خم کر کے مسکرا کے بولا۔

''ہونہہ۔'' وہ سر جھٹک کر دروازے کی جانب بڑھ گئی۔

''کہاں جا رہی ہیں؟'' بے اختیار ہی پوچھا تھا۔

''آنٹی کی دوا کا وقت ہو گیا ہے۔''

''آنٹی کا اتنا خیال ہے تھوڑا سا خیال آنٹی کے بیٹے کا بھی رکھ لیا کریں ایمان سے سیدھی جنت میں جائیں گی۔'' حمدان یوسف نے مسکراتے شوخ لہجے میں کہا۔

''آپ کو میری آخرت کی فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔'' مزنہ نے اسی بدلحاظ لہجے میں جواب دیا اور دروازہ کھول کر باہر نکل گئی اور حمدان یوسف کے ہونٹوں پر آئی مسکراہٹ پل میں معدوم ہو گئی۔

''کمال ہے حمدان، وہ تیری بے عزتی کیے جاتی ہے اور تو اس سے عشق کیے جا رہا ہے، عزت نفس بھی کوئی چیز ہوتی ہے میرے دوست۔'' حمدان یوسف نے اپنے دل کا درد فیصل سے شیئر کیا تو وہ بھڑک کر بولا تو حمدان یوسف سنجیدگی سے گویا ہوا۔

''بھائی میرے، وہ کہتے ہیں ناں کے انسان یا تو محبت کر لے یا پھر اپنی عزت کو لے تو ہم ایک کام کر رہے ہیں محبت کر رہے ہیں دوسرا کام محبوب کا ہے وہ جس دن ہماری محبت کی عزت کرنے لگے گا سمجھو ہمارے بھی دن پھر جائیں

گے۔''

''اور وہ دن کب آئے گا؟''

''انشاء اللہ جلد آئے گا، شاعر نے کہا ہے نا کہ۔''

پیوستہ رہ شجر سے امید بہار رکھ

''حمدان، تو مزنہ کو حقیقت بتا کیوں نہیں دیتا؟''

''فیصل میں اس کا غرور ٹوٹتے نہیں دیکھ سکتا، اس کی انا، اس کا مان نہیں توڑنا چاہتا، اس کا سر اپنے باپ کے جرم کی وجہ سے شرم سے جھکتے نہیں دیکھ سکتا میں، میں پیار کرتا ہوں اس سے بہت بہت زیادہ پیار کرتا ہوں میں چاہ کر بھی اسے شرمسار نہیں کر سکتا فیصل، اسے یہ یقین رہنے دینا چاہتا ہوں کے وہ حمدان ولا کی مالک ہے اور بزنس پراپرٹی کی اونر ہے۔'' حمدان یوسف نے بہت سنجیدگی سے رسان سے کہا۔

''وہ جتنی تجھ سے بدگمان ہے تیرے ساتھ بدتمیزی کر رہی ہے مجھے یقین ہے کہ اگر تم اسے اس کے باپ کی سچائی بتائے گا نا تب بھی وہ تیرا یقین نہیں کرے گی، وہ یہی سمجھے گی کے فراڈ تو نے کیا ہے۔'' فیصل سنجیدگی سے بولا۔

''مزنہ کے یقین نہ کرنے سے سچ کی حیثیت تو نہیں بدلے گی نا، فراڈ اس کے باپ نے کیا تھا میرے پاپا کے ساتھ سب کچھ ہتھیا لیا اور پاپا کو ایسی صدمے سے دل کا دورہ پڑا اور وہ ہمیں چھوڑ کر چلے گئے، یہ سچ مزنہ کو پاگل کر دے گا وہ تو شرم سے ہی مر جائے گی اور میں اسے کسی قیمت پر بھی کھونا نہیں چاہتا، اس کی یہ خوش فہمی جب تک قائم رہ سکتی ہے رہنے دو اور ویسے بھی یہ گھر، بزنس، پراپرٹی میری بیوی ہونے کے ناطے مزنہ کا ہی ہوا نا، وہ کچھ غلط بھی نہیں کہتی کہ وہ مالک ہے اس سب کی۔''

''حمدان یوسف، تیرے حق میں بہتری کی میں صرف دعا ہی کر سکتا ہوں دوست۔'' فیصل نے گہرا سانس لیتے ہوئے کہا۔

دعا کا آسرا غنیمت ہے
مجھ سے تیری یہی محبت ہے

''واہ واہ واہ۔'' فیصل اس کے شعر پڑھنے پر داد دیتے ہوئے بولا تو وہ بے ساختہ ہنس پڑا، فیصل نے سچے دل سے اس کی خوشیوں کی دعا کی تھی۔

☆☆☆

''مزنہ، تم اور حمدان اتنے دور دور کیوں رہتے ہو ایک دوسرے سے؟'' صابرہ نے لان میں اس کے ساتھ ٹہلتے ہوئے اس سے سوال کیا۔

''امی وجہ آپ جانتی ہیں۔'' مزنہ نے بے نیازی سے جواب دیا۔

''یعنی میرے سمجھانے کا کوئی اثر نہیں ہوا، کیا تم نہیں چاہتیں کے تمہاری ماں سکون کی موت مرے۔'' صابرہ دکھ بھرے لہجے میں بولیں تو اس نے تڑپ کر ان کا ہاتھ تھام لیا۔

''امی، اللہ نہ کرے آپ کو کچھ ہو، کیسی باتیں کر رہی ہیں آپ؟''

''السلام علیکم آنٹی، کیسی ہیں آپ۔'' اسی وقت حمدان یوسف وہاں چلا آیا۔

''وعلیکم السلام بیٹا جیتے رہو، میں ٹھیک ہوں تم کیسے ہو؟'' صابرہ نے شفقت سے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

''میں کیسا ہوں، یہ تو آپ اپنی بیٹی سے پوچھیے۔'' حمدان یوسف نے مسکراتے ہوئے مزنہ کو دیکھ کر کہا تو وہ صابرہ کا ہاتھ چھوڑ کر اندر کی جانب چل پڑی۔

''ارے یہ تو چلی گئیں، آنٹی ایک بات

پوچھوں آپ سے۔'' حمدان یوسف نے ان کا ہاتھ پکڑ کر انہیں لان چیئر پر بٹھاتے ہوئے کہا۔

''پوچھو بیٹا، سب ٹھیک ہے نا؟'' صابرہ کا دل گھبرانے لگا حالانکہ وہ بہت اپنائیت بھرے انداز میں ان سے بات کر رہا تھا، مزنہ کے رویے کی وجہ سے دل میں کھٹکا سا جو لگا تھا سو گھبرانا ہی تھا، حمدان یوسف بھی ان کی گھبراہٹ بھانپ گیا تھا۔

''جی آنٹی سب ٹھیک ہے آپ پریشان مت ہوں اور آپ یہ مت سمجھئے گا کہ میں آپ سے مزنہ کی شکایت کر رہا ہوں میں صرف یہ جاننا چاہ رہا ہوں کے مزنہ شادی کیوں نہیں کرنا چاہتی تھیں اور وہ خوش کیوں نہیں ہیں مجھ سے شادی کر کے، مجھ میں کوئی کمی ہے کیا؟'' حمدان یوسف ان کے قریب رکھی لان چیئر پر بیٹھ گیا اور بہت نرم لہجے میں ان سے سوال کیا۔

''ارے نہیں بیٹا تم میں کوئی کمی نہیں ہے تم تو بہت اچھے اور محبت کرنے والے لڑکے ہو مزنہ کی خوش نصیبی ہے کہ اسے تم جیسا جیون ساتھی ملا ہے۔'' صابرہ نے ایمانداری سے جواب دیا۔

''لیکن مزنہ کو تو میرا ساتھ بدنصیبی لگتا ہے آنٹی۔''

''نہیں بیٹا، وہ تو پاگل ہے کم عقل ہے۔''

''آنٹی میں جانتا ہوں مزنہ بہت لونگ کیئرنگ حساس طبیعت کی مالک ہیں ممی کا بہت خیال رکھتی ہیں ممی ان سے بہت خوش ہیں اور مزنہ میرے ساتھ بھی ٹھیک تھیں، شادی سے پہلے مگر شادی کا نام سنتے ہی شادی ہوتے ہی وہ یکسر تبدیل ہوگئی ہیں جیسے میں نے کوئی جرم کر دیا ہے ان سے شادی کر کے وہ مجھے قبول کیوں نہیں کر رہیں، میں یہ بات سمجھنے سے قاصر ہوں۔'' حمدان یوسف نے بہت دھیمے اور مہذب انداز میں اپنی الجھن ان کے سامنے بیان کرتے ہوئے جواب چاہا۔

''بیٹا بچے جو اپنے گھر میں دیکھتے ہیں اپنے والدین کا ایک دوسرے کے ساتھ برتاؤ دیکھتے ہیں وہی سیکھتے ہیں اس کا اثر لیتے ہیں بدقسمتی سے مزنہ نے اپنے باپ دادا کا رویہ اپنی ماں کے ساتھ کبھی بھی اچھا نہیں دیکھا بس اسی وجہ سے اسے شادی کے نام سے چڑ ہوگئی، مردوں سے نفرت کرنے لگی، میری مزنہ، اسے لگتا ہے کہ سارے مرد اس کے باپ دادا جیسے بدمزاج، بدلحاظ اور بے حس ہوتے ہیں۔'' صابرہ کو نا چاہتے ہوئے بھی بیٹی کی شادی بچائے رکھنے کے لئے اپنی اور اپنے شوہر کی شادی شدہ زندگی کا سب سے بڑا اور برا سچ داماد کے سامنے بولنا پڑا۔

''اوہ آئی سی، ویری سیڈ، فواد انکل ایسے لگتے تو نہیں ہیں۔'' حمدان یوسف نے حیرانگی کا اظہار کیا۔

''بیٹا مرد جتنا اچھا گھر کے باہر لوگوں کے ساتھ ہوتا ہے اگر اتنا ہی اچھا وہ گھر میں اپنے بیوی بچوں کے ساتھ بھی رہے تو اس کے بچے اس قسم کے مسائل کا شکار نہ ہوں۔'' صابرہ نے دکھی لہجے میں کہا تو وہ ان کی بات سمجھتے ہوئے سر ہلا کر بولا۔

''ٹھیک کہہ رہی ہیں آپ اور آنٹی آپ بہت بہادر خاتون ہیں آپ فکر نہ کریں سب ٹھیک ہو جائے گا۔''

''حمدان بیٹے ایک وعدہ کرو گے مجھ سے؟''

''جی آنٹی آپ حکم کیجئے۔''

''حکم نہیں التجاء ہے بیٹے، میری مزنہ کی نادانیوں کو غلطیوں کو معاف کر دینا، وہ دل کی بہت اچھی ہے محبتیں بانٹنے والی، اس نے اپنے باپ کا پیار نہیں پایا کبھی اسی لئے وہ چاہتی ہے کہ

وہ ہر گھر میں پیار محبت اور خوشیاں بانٹ دے، بیٹا تم اپنی محبت سے مثبت برتاؤ سے اس کے دل سے یہ ڈر نکال دو، یہ نفرت مٹا دو کے ہر مرد اس کے باپ جیسا ہوتا ہے۔'' صابرہ نے اسے دیکھتے ہوئے پرنم لہجے میں التجا کی۔

''انشاء اللہ ایسا ہی ہوگا اور میں تو پہلے ہی اپنا رویہ اور برتاؤ مزنہ کے ساتھ مثبت رکھے ہوئے ہوں کیونکہ میرا دل کہتا تھا کہ مزنہ ایسی نہیں ہیں ان کے اس رویے کے پیچھے ضرور کوئی وجہ ہے اور اب جبکہ مجھے وجہ معلوم ہوگئی ہے تو آپ بےفکر ہوجائیے میں آپ کی بیٹی کو اتنی محبت دوں گا کے وہ بھی مجھ سے محبت کرنے لگے گی، میرا وعدہ ہے آپ سے میں آپ کی بیٹی کا ساتھ اپنی آخری سانس تک نبھاؤں گا۔'' حمدان یوسف نے ان کے ہاتھ تھام کر ان کے آنسو صاف کرتے ہوئے دل سے انہیں یقین دلایا۔

''جیتے رہو بیٹا، اللہ تمہیں خوشیوں، کامیابیوں بھری لمبی صحت مند باعزت زندگی عطا کریں۔'' صابرہ نے خوشی اور اطمینان سے روتے ہوئے اس کے سر پر شفقت سے ہاتھ پھیرتے ہوئے دل سے دعا دی، وہ خوشی سے مسکرا دیا۔

''بڑے راز و نیاز ہو رہے تھے ساس داماد میں ضرور میری شکایت لگا رہا ہوں گا آپ کا داماد۔'' صابرہ اپنے کمرے میں آئیں تو مزنہ نے ان کے پیچھے آتے ہوئے استفہامیہ انداز میں کہا تو وہ مسکرا کر اپنے بیڈ پر بیٹھتے ہوئے بولیں۔

''بالکل بھی نہیں وہ تو میری طبیعت کا پوچھ رہا تھا اپنے کام کا بتا رہا تھا وہ شکایت کرنے والا مرد نہیں ہے، جس کے دل میں چور ہے اسے تو یہی لگے گ کہ اس کی شکایت کی جا ہی ہوگی۔''

''امی۔'' مزنہ خجل سی ہوئی۔

''بیٹا ہے وہ میرا خیال رکھا کرو اس کا قسمت سے اتنا اچھا شریک حیات ملتا ہے مزنہ بیٹی، اس کی قدر کرو ایسا نہ ہو کے تمہیں کل کو اپنے رویے پر پچھتانا پڑے، محبت سے اس کا دل جیتنا بہت آسان ہوتا ہے جو پہلے ہی آپ سے محبت کرتا ہو، کفران نعمت کی سزا ملا کرتی ہے بیٹا، کوشش یہی کرنا چاہیے کہ ہم اللہ کے شکر گزار بندوں میں شامل ہوں اس سے دنیا و آخرت دونوں سنور جاتی ہیں اور شوہر کو خوش رکھنے والی بیوی جنتی ہوتی ہے یاد رکھنا میری بچی۔'' صابرہ نے اسے دیکھتے ہوئے پیار سے سمجھانے کی ایک اور کوشش کی تھی، وہ جو پہلے ہی حمدان یوسف کے مثبت، محبت بھرے برتاؤ سے شرمندگی اور بےچینی میں مبتلا تھی مزید بےکل ہوگئی تھی۔

عشق میں اندھے تھے ہم
کو نگے ہو گئے تم

حمدان یوسف نے اسے دیکھتے ہوئے شعر پڑھا تو وہ نظریں چرا کر بولی۔

''شاعری بعد میں فرمائیے گا ابھی آنٹی کے پاس جائیں وہ بلا رہی ہیں آپ کو۔''

''اوکے لیکن واپس آ کر مزید شاعری سناؤں گا کیونکہ آپ نے ابھی کہا نا کے شاعری بعد میں۔'' حمدان یوسف بالوں میں برش پھیرتے ہوئے جملہ ادھورا چھوڑ کر مسکرایا تو مزنہ نے بھنویں سکیڑ کر اسے گھورا تھا۔

''اب ایسے تو نہ دیکھیں پلیز۔'' وہ بولا۔

''کیوں آپ کو دیکھنا منع ہے؟''

''دیکھنا منع نہیں ہے، گھورنا منع ہے، دیکھئے مگر پیار سے۔'' حمدان یوسف نے برش ڈریسنگ ٹیبل پر رکھ کر اس کے حسین چہرے کو چاہت سے دیکھتے ہوئے شوخ و شریر لہجے میں جواب دیا۔

''ہونہہ شکل دیکھی ہے اپنی پیار سے۔'' وہ

تمسخرانہ لہجے میں بولی۔

''ماشاء اللہ لاکھوں میں ایک ہوں کبھی غور کیجئے گا اللہ نے چاند سورج کی جوڑی بنائی ہے ہماری۔''

''اگر آپ خود کو سورج سمجھ رہے ہیں تو یاد رکھیے کے سورج کے مقدر میں صرف جلنا لکھا ہے۔'' مزنہ نے نکتہ نکلتے ہوئے کہا۔

''اور چاند آپ ہیں جس کی چاندنی اندھیری راتوں میں روشنی اور ٹھنڈک کا سکون کا احساس دلاتی ہے سورج کی جلن کو اپنی ٹھنڈک میں جذب کر کے پرسکون کر دیتی ہے۔'' حمدان یوسف نے اس کے عین سامنے کھڑے ہو کر اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بڑے جذب سے گھرے لہجے میں جواب دیا۔

''آپ پھر شروع ہو گئے جایئے آنٹی انتظار کر رہی ہیں آپ کا۔'' مزنہ نے اپنی گھبراہٹ شرم و حیا پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے لرزتی آواز میں کہا تو وہ مسکرانے لگا۔

''میں بھی تو انتظار کر رہا ہوں آپ کا۔''

''کرتے رہیے۔'' مزنہ یہ کہہ کر خود ہی کمرے سے باہر نکل گئی۔

''جی ممی خیریت آپ نے بلایا مجھے۔'' حمدان یوسف نے عائشہ رضا کے کمرے میں آ کر ان سے پوچھا۔

''ہاں بیٹا بیٹھو۔'' عائشہ رضا سیدھی ہو کر بیٹھتے ہوئے اس کے لئے بیڈ پر جگہ بناتے ہوئے کہا۔

''جی ممی، کہیے آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے نا۔''

''ہاں بیٹا، طبیعت تو ماشاء اللہ بالکل ٹھیک ہے مزنہ میرا بہت خیال رکھتی ہے وقت پر کھانا دوا دینا واک کرانا اپنے ساتھ نماز کا یاد دلانا اس نے سب کام اپنے ذمے لے رکھے ہیں میرے اس کی وجہ سے میری صحت بھی اچھی ہو گئی ہے اور نماز کی بھی پابندی ہو گئی ہے نجانے کب سے میں رب کے آگے سجدہ کرنے سے غافل رہی اور اس بچی نے مجھے میری اس کوتاہی بلکہ گناہ کا احساس بڑے ہی طریقے سے دلایا اور شکر ہے اللہ کا کہ میں باقاعدگی سے نماز ادا کرنے لگی ہوں اس کا سارا کریڈٹ تمہاری بیوی کو جاتا ہے۔'' عائشہ رضا سنجیدگی سے گویا ہوئیں ان کے لب و لہجے میں مزنہ کے لئے ستائش اور تعریف تھی جسے سن کر وہ بہت خوش ہو رہا تھا۔

''ماشاء اللہ یہ تو بہت اچھی بات ہے نا ممی، اور مجھے زیادہ خوشی اس بات پر ہو رہی ہے کے ایک ساس اپنی بہو کی خوبیوں کو سراہا رہی ہے، تسلیم کر رہی ہے، تعریف کر رہی ہے اس کی ویٹس گریٹ۔'' وہ مسکراتے ہوئے شوخ لہجے میں بولا۔

''گریٹ تو وہ ہے ماشاء اللہ، مزنہ بہت اچھی ہے اور میں چاہتی ہوں کے تم اس اچھی لڑکی کو کہیں گھومانے پھرانے لے کر جاؤ، ہنی مون، مناؤ یہی تو دن ہے تمہارے انجوائے کرنے کے بعد میں کہاں فرصت ملتی ہے بیوی بچوں میں مگن ہو جاتی ہے اور شوہر اپنے کاروبار میں، تم نے ولیمہ بھی کینسل کرا دیا تھا، ولیمے کی تقریب رکھو، ہنی مون پر جاؤ دونوں، مزنہ کو تم تو شہر میں بھی کہیں نہیں لے گئے سیر کرانے۔'' عائشہ رضا نے سنجیدگی سے کہا۔

''ممی لے جاؤں گا ابھی کام کا لوڈ کافی ہے اور اگلے ہفتے مجھے ازبکستان اور دوبئی جانا ہے بزنس کے سلسلے میں۔''

''بیٹا بزنس کے کام تو کبھی ختم نہیں ہوتے تم بزنس کے چکر میں اپنی زندگی کے بہترین دن

یوں ضائع مت کرو اپنی بیوی کے ساتھ جاؤ گھومو پھرو صحت پر بھی اچھا پڑے گا نادران ایریاز چلے جاؤ۔''

''اوکے ممی، بزنس ٹوئیر سے واپسی پر آپ کی یہ خواہش پوری کروں گا پرامس۔'' حمدان یوسف نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''ابھی کیوں نہیں اب یہ ذاتی بزنس تو نہیں رہا نا تمہارا جس کے لئے تم اتنی محنت کر رہے ہو اپنی خوشیوں کو نظرانداز کر رہے ہو۔''

''ممی یہ ہمارا ذاتی بزنس ہی ہے اب بھی۔'' وہ بولا۔

''مطلب؟'' عائشہ رضا نے بھنویں سکیڑ کے اسے دیکھا۔

''مطلب یہ ممی کے فواد راشد نے پاپا سے سب کچھ دھوکے سے حاصل کیا ہے پاور آف اٹارنی پر دھوکے سے پاپا کے سائن کرائے اور ہماری ہر چیز کا مالک بن بیٹھا ہے۔'' حمدان یوسف نے ساری حقیقت ان کے گوش گزار کرتے ہوئے کہا۔

''یہ تم کیا کہہ رہے ہو حمدان؟'' عائشہ رضا ششدر رہ گئیں تھیں اس انکشاف پر۔

''یہی سچ ہے ممی، ہماری کمپنی کے لیگل ایڈوائزر اصغر مجید نے جعلی ڈاکومنٹس تیار کیے تھے، پاپا بہت بھروسہ کرتے تھے فواد راشد پر اسی بھروسے میں مارے گئے، میرے پاس اصغر مجید ہے گواہ اس فراڈ کا لیکن میں جلد بازی میں بنتا کام بگاڑنا نہیں چاہتا، سوچ سمجھ کر فواد راشد پر ہاتھ ڈالنا چاہتا ہوں اور اصغر مجید نے یہ سب پیسوں کے لالچ میں کیا ہے وہ مزید پیسوں کے لالچ بیان بدل بھی سکتا ہے مکر سکتا ہے اپنی گواہی سے عدالت میں یہ بھی کہہ سکتا ہے کہ ہم نے اس سے زبردستی بیان دلوایا ہے سو مجھے ہر زاویے سے صورتحال کا جائزہ لینا ہے ممی، میں جو اتنی محنت کر رہا ہوں وہ فواد راشد کا بزنس بڑھانے کے لئے نہیں ہے بلکہ میں یہ محنت اپنا اور پاپا کا بزنس بڑھانے کے لئے کر رہا ہوں اور فواد راشد پر کچھ ظاہر کیے بغیر اس کا احسان مند بن کر کام کر رہا ہوں تاکہ اسے یہ شک نہ ہو جائے کے میں اس کی حقیقت جان چکا ہوں۔'' حمدان یوسف نے دھیمی آواز اور رازدارانہ لہجے میں انہیں بتایا۔

''تم نے دیکھا وہ دھوکے باز آدمی کتنا میٹھی زبان بولتا ہے ہمارے سامنے کیسا فرمانبردار ملازم ظاہر کرتا ہے خود کو ہمارے سامنے اور میں اس پر شک کرنے کے باوجود اس کے اتنے نرم اور اچھے رویے، سلوک کی وجہ سے خود کو غلط کہہ کر اس کی ہر بات کو سچ سمجھنے لگی، میں تو اسی بات پر خوش تھی کہ اس نے ہمیں بے گھر نہیں کیا تمہیں جاب دی، شاندار سیلری پر رکھا بالکل مالکوں کی طرح رکھا تمہیں آفس میں۔'' عائشہ رضا ساری حقیقت جان لینے کے بعد غصے اور دکھ سے بولیں۔

''یہی تو اس کی چال تھی خوش اخلاقی اور اپنائیت کا مظاہرہ کر کے ہمیں مٹھی میں کرنا چاہتا تھا، وہ تاکہ ہم اس پر کسی قسم کا شک نہ کر سکیں اور نہ ہی معاملہ پولیس تھانے تک جا سکے۔'' حمدان یوسف سنجیدگی سے بولا۔

''ہوں، صحیح کہا تم نے۔'' وہ سمجھنے والے انداز میں سر ہلا کر بولیں۔

''حمدان بیٹا! جب تم ساری حقیقت جان گئے تھے تو مجھے کیوں نہیں بتایا؟''

''میں آپ کو پریشان نہیں کرنا چاہتا تھا اور یہ معاملہ رازداری اور صبر و تحمل کا تقاضا کرتا ہے اس لئے خاموشی ہی بھلی تھی۔'' حمدان نے دھیمے پن سے جواب دیا۔

"اور تم نے اس فراڈ آدمی کی بیٹی سے شادی بھی کر لی، وہ جو تمہارے باپ کا قاتل ہے جس نے ہمیں آسمان سے زمین پہ لا پھینکا اس کی بیٹی سے تم نے شادی سے انکار کیوں نہیں کیا؟" وہ غصے سے بولیں۔

"کیوں آپ بہت خوش تھیں مزنہ سے اور آپ کو اس شادی میں ہم دونوں کا فائدہ بھی تو نظر آرہا تھا ممی۔"

"جب یہ سب کچھ ہمارا تھا، ہمارا ہے تو تم انکار کر دیتے مزنہ سے شادی کرنے سے یقیناً وہ دونوں ماں بیٹی بھی خوش اخلاقی اور اپنائیت ڈھونگ رچا رہی ہوں گی اس لئے تو یہ لوگ یہاں آکر رہنے لگے تھے۔" عائشہ رضا نے غصیلے لہجے میں کہا۔

"ممی ایسا نہیں ہے صابرہ آنٹی اور مزنہ دونوں بہت اچھی ہیں اور فواد راشد نہ تو اچھا باپ ثابت ہو سکا نہ ہی اچھا شوہر وہ دونوں فواد راشد کے ظلم وستم کا شکار رہی ہیں خاص کر صابرہ آنٹی نے بہت تکلیف دہ اور ذلت بھری زندگی گزاری ہے اس آدمی کے ساتھ آپ خود سوچیں جو شخص اپنی بیوی اور اولاد کے ساتھ مخلص اور اچھا نہیں رہا وہ دوسروں کے نفع نقصان کے بارے میں کیوں سوچنے لگا؟ اسے تو صرف اپنے مفاد سے غرض ہے باقی سب جائیں بھاڑ میں اس کی بلا سے۔" حمدان یوسف نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

"ہاں لیکن اب میں مزنہ کو مزید برداشت نہیں کروں گی تم فوراً اسے فارغ کرو طلاق دو اسے۔" عائشہ رضا نے غصے سے اسے حکم سنا دیا وہ بے کل ہو گیا۔

"ممی! مزنہ کا کیا قصور ہے اس سارے معاملے میں؟"

"اس کا یہ قصور کیا کم ہے کہ وہ فواد راشد کی بیٹی ہے جس نے ہمیں برباد کر دیا مجھے بیوہ اور تمہیں یتیم کر دیا؟"

"ممی! پاپا کی موت قدرت نے اسی طرح لکھی تھی، مزنہ کو اس کے باپ کے کیے کی سزا کیوں دینا چاہتی ہیں آپ؟"

"کہیں تمہیں محبت تو نہیں ہو گئی مزنہ سے؟" عائشہ رضا نے کھوجتی نگاہوں سے اس کے چہرے پر پھیلے اضطراب کو دیکھا۔

"وہ ہے ہی اتنی اچھی کہ جسے دیکھتے ہی اس نے محبت ہو جائے جیسے مجھے ہو گئی تھی۔" حمدان یوسف نے دل میں سوچا، اسے خاموش دیکھ کر عائشہ رضا غصے اور نفرت بھرے لہجے میں بولیں۔

"کان کھول کر سن لو حمدان اس لڑکی سے محبت کا رشتہ بنانے کی ضرورت نہیں ہے یہ بات یاد رکھو کہ وہ تمہارے دشمن کی بیٹی ہے اور تمہیں مجھے بھی اس کے ساتھ دشمنوں والا سلوک ہی کرنا ہے تاکہ اس کے باپ کو بھی تو پتا چلا کے اولاد کی تکلیف پر کیسے درد ہوتا ہے۔"

"یہ آپ کی بھول ہے ممی! فواد راشد کو کوئی فرق نہیں پڑے گا اس بات سے کہ ہم اس کی بیٹی کو پھولوں کی سیج پر بٹھائیں یا کانٹوں پر ننگے پاؤں چلائیں وہ ایک خود غرض مفاد پرست اور بے حس آدمی ہے جس کے لئے رشتوں کی نہ تو کوئی اہمیت ہے اور نہ ہی کوئی احساس ہے اور رہی بات مزنہ کی اور میرے تعلق کی تو ہمارے بیچ کوئی تعلق نہیں ہے یوں سمجھیں کے ہم نے پیپر میرج کی ہے، میں صرف مناسب وقت اور موقع کے انتظار میں ہوں جب فواد راشد کو پولیس کے حوالے کیا جائے گا۔" حمدان یوسف نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

"ٹھیک ہے لیکن اس سب میں زیادہ دیر

نہیں ہونی چاہیے حمدان، حقیقت جاننے کے بعد میں مزنہ کو اپنی بہو کی حیثیت سے ایک منٹ بھی برداشت نہیں کر سکتی۔“

”ممی! پلیز کول ڈاؤن میں نے آپ کو یہ سب اس لئے نہیں بتایا کہ آپ غصے میں آ کر سارا کھیل خراب کر دیں آپ کو صبر و برداشت سے کام لینا ہوگا جیسے ابھی تک تھیں سب کے ساتھ آپ ویسے ہی رہیں گی اور مزنہ تو آپ کا شروع دن سے بہت خیال رکھتی آ رہی ہے اس کی محبت اور خدمت کا ہی خیال کر کے خاموش رہیے گا پہلے کی طرح محبت والا برتاؤ رکھیئے گا اس کے ساتھ۔“ حمدان یوسف نے نرمی سے انہیں سمجھایا، اسے اپنے آپ پر شدید غصہ آ رہا تھا کے اس نے ممی کو کیوں ساری سچائی بتائی ان کا یہ رویہ اسے پریشانی میں مبتلا کر رہا تھا خاص کر مزنہ کے بارے میں ان کی باتیں اسے دلی اذیت میں مبتلا کر گئی تھیں۔

”پہلے کی بات اور تھی پہلے مجھے یہ نہیں معلوم تھا کہ مزنہ کا باپ ہی ہماری تباہی کا ذمے دار ہے۔“ عائشہ رضا نے سپاٹ لہجے میں جواب دیا۔

”ممی! پلیز اعلیٰ ظرفی سے کام لیجئے نا۔“

”میں نہیں ہوں اعلیٰ ظرف، جس شخص کی وجہ سے میرا شوہر اپنی جان ہار گیا میں اس کی بیٹی کو گلے لگاؤں پیار کروں یہ اب مجھ سے نہیں ہوگا۔“ عائشہ رضا نے درشتی سے جواب دیا۔

”ممی! پھر کیا فرق رہ جائے گا فراد راشد میں اور آپ میں؟ اور آپ کو صبر آ گیا تھا نا پاپا کی موت پر؟ اچانک وجہ معلوم ہونے پر آپ کا مزاج یکدم کیسے بدل سکتا ہے مان لیں کے پاپا کی موت اسی طرح آنی تھی پلیز معاملے کو سلجھائیں مزید مت الجھائیں ورنہ ہمارے ہاتھ کچھ نہیں آئے گا اور ہم اس گھر سے بزنس سے بھی ہاتھ دھو بیٹھیں گے پلیز سمجھنے کی کوشش کریں ممی، میں ہی احمق ہوں جو میں نے آپ کو اصل بات بتا دی۔“ حمدان یوسف نے کمرے میں ٹہلتے ہوئے سپاٹ لہجے میں کہا اور افسوس بھری نگاہ عائشہ رضا پر ڈال کر ان کے کمرے سے باہر نکل گیا وہ بے چین ہو کر اسے آوازیں دیتی رہ گئیں۔

☆☆☆

دل میرا تجھ پہ ناز کرتا ہے
کیا بتاؤں کہ میرا کیا ہے تو؟

مزنہ ڈائری لکھ رہی تھی جب صابرہ اس کے کمرے میں چلی آئیں۔

”دل کی باتیں شوہر کے ساتھ شیئر کرنا سیکھ لو بیٹی، ڈائری کی جان چھوڑ دو اب۔“ صابرہ اس کے پاس بیٹھتے ہوئے بولیں۔

”چھوڑ دوں گی امی، بہت کچھ چھوڑ دوں گی آہستہ آہستہ۔“ وہ ڈائری بند کر کے سائیڈ ٹیبل کی دراز میں رکھتے ہوئے بولی۔

”مزنہ بیٹی، میں واپس جا رہی ہوں اپ پرانے گھر۔“

”لیکن کیوں امی، کس نے کچھ کہا ہے کیا؟“

”نہیں بھلا مجھے کس نے یہاں سے جا کے لئے کہنا ہے بس اب اور نہیں رہا جاتا یہاں بھی مجھے جانے سے مت روکنا۔“

”میں نہیں روکوں گی امی، آپ ضرو جائیں، انسان کو وہیں رہنا چاہیے جہاں ا اپنی چھت کا احساس ہو، اطمینان ہو۔“ مزنہ ان کا ہاتھ تھام کر سنجیدگی سے کہا۔

”ہاں ٹھیک کہہ رہی ہو ابھی تمہارے ا سے یہ بات کہوں گی تو وہ تو میری جان کو آ جائی گے۔“ صابرہ تھکے تھکے لہجے میں بولیں ان

لبوں پر درآنے والی مسکراہٹ میں بے بسی نمایاں تھی۔

''کچھ نہیں ہوگا امی، آپ جانے کی تیاری کریں چلیں میں آپ کا سامان پیک کرتی ہوں۔'' وہ ان کے گلے لگ کر مسکراتے ہوئے بولی اور ان کا ہاتھ پکڑ کر کھڑی ہوگئی، صابرہ نے بہت غور سے بہت پیار سے اس کا چہرہ دیکھا اور دونوں ہاتھوں کے ہالے میں لے کر چوم لیا۔

''پرانے گھر میں تیرا کون سا یار بیٹھا تیرا انتظار کر رہا ہے جو واپس جا رہی ہے؟'' فواد راشد حسب توقع صابرہ سے واپس پرانے گھر جانے کا سن کر بھڑک اٹھے۔

''بیٹی کے سسرال میں رہنا ہمیں زیب نہیں دیتا فواد صاحب، بہتر یہ ہے کہ آپ بھی واپس چلیں میرے ساتھ میرے جانے کے بعد ویسے بھی آپ کا یہاں رہنا مناسب نہیں ہوگا۔'' صابرہ نے مدھم آواز میں کہا مگر ساتھ والے کمرے سے باہر کھڑی مزنہ سن رہی تھی باپ کی ماں سے گھٹیا گفتگو اور ماں کی مہذب انداز میں کہی گئی بات۔

''کیوں میرا یہاں رہنا مناسب کیوں نہیں ہوگا؟ تجھے اور دنیا والوں کو کہیں یہ شک تو نہیں ہو جائے گا کے میں اس بڈھی بیوی سے چکر چلاؤں گا بیاہ رچاؤں گا؟ دماغ خراب نہیں ہے میرا کہ میں ایک عذاب کے ہوتے ہوئے دوسرا عذاب اپنے گلے ڈال لوں وہ بھی تیری ہی عمر کا، جانا ہے تو جا یہاں سے میں اور ابا ابھی ادھر ہی رہیں گے۔'' فواد راشد نے انتہائی گھٹیا انداز میں جواب دیا، مزنہ تنگ آ کر وہاں سے چلی گئی۔

''یہ ہمارا گھر نہیں ہے ہماری بیٹی کا سسرال ہے آپ کیوں نہیں سمجھتے؟'' صابرہ نے انہیں دیکھتے ہوئے کہا تو وہ غصے سے بولے۔

''تم کیوں نہیں سمجھتیں جاہل عورت کے حمدان ہمارا گھر داماد ہے یہ گھر اب ہمارا ہے ہم مالک ہیں اس کے۔''

''آپ سب کو بیوقوف بنا سکتے ہیں لیکن مجھے نہیں، آپ بھی اچھی طرح سے جانتے ہیں کہ اس گھر پر آپ کا ہمارا کوئی حق نہیں ہے دھوکا دیا ہے آپ نے اپنے مالکوں کو، اپنے محسنوں کو اور میں ایس دھوکے کی زندگی میں، حرام کی کمائی میں مزید آپ کا ساتھ نہیں دے سکتی اس لئے واپس جا رہی ہوں۔'' صابرہ سنجیدگی سے بولیں، فواد راشد کو ان کی اس جرأت پر بہت حیرت ہو رہی تھی ساتھ ہی فکر بھی کے کہیں وہ سب کے سامنے ان کے فراڈ کا پول نہ کھول دیں۔

''چپ چاپ واپس چلی جاؤں یہاں سے اگر تو نے زبان کھولی تو میں ہمیشہ کے لئے تیری زبان بند کر دوں گا اور واپس اللہ میاں کے پاس بھیج دوں گا تجھے بات سمجھ میں آئی تیری۔'' فواد راشد نے صابرہ کو جبڑوں سے اتنی دور سے پکڑا کے مارے درد کے ان کی آنکھوں میں آنسو آ گئے، وہ فواد راشد اپنی بات کہہ کر انہیں بیڈ پر دھکا دے کر ڈرائیور کو آوازیں دیتا باہر کی طرف گیا تھا۔

صابرہ چلی گئی تھیں اور عائشہ رضا اپنے انتقامی انداز میں سامنے آ گئی تھیں، صبح ناشتہ کے وقت انہوں نے جان بوجھ پر مزنہ کے ہاتھ پر چائے گرا دی تھی، دوپہر میں کچن میں جا کر اسے کوکنگ کرتے دیکھ کر مرچوں کا ڈبہ کھول کر نظر بچا کر کھڑکی کے سامنے رکھ دیا ہوا سے مرچیں اڑ کر مزنہ کی آنکھوں میں چلی گئیں وہ کھانستے کھانستے بے حال ہو گئی، آنکھوں میں شدید جلن اور سرخی پھیل گئی تھی وہ ٹھنڈے پانی سے آنکھیں دھو دھو کر تھک گئی تھی مگر آنکھوں کی جلن کو آرام نہیں آ رہا تھا، نسرین نے اسے عرق گلاب دیا آنکھوں میں

ڈالنے کے لئے تو چند منٹ کو سکون ملا پھر وہی جلن مرچیں لگ رہی تھیں آنکھوں سے بار بار پانی آ رہا تھا۔

''اندھوں کی طرح کام کرو گی تو یہی ہوگا نا'' عائشہ رضا نے بہت تلخی سے کہا تھا، مزنہ کو ان کے لہجے پر زیادہ حیرت نہیں ہوئی تھی البتہ نسرین ان کے ایکدم سے بدلتے انداز پر ضرور حیران پریشان تھی۔

''دلہن بی بی یہ بیگم صاحبہ کو کیا ہو گیا ہے آپ کے ساتھ ایسا کیوں کر رہی ہیں؟'' نسرین نے آہستگی سے مزنہ سے پوچھا تو وہ ہنس کر بولی۔

''کچھ نہیں بس ان کے اندر کی روایتی قسم کی ساس جاگ گئی ہے۔''

''دلہن بی بی ٹھیک کہہ رہی ہیں آپ ادھر آپ کی امی جی واپس گئیں ادھر بڑی بیگم صاحبہ نے آپ پر ستم ڈھانا شروع کر دیئے، آپ نے صاف جی کو بتایا؟'' نسرین نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے پوچھا تو اس نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

''نہیں مردوں کو ساس بہو کی لڑائی میں گھسیٹنا اچھی بات نہیں ہے خواہ مخواہ بات بڑھتی اور بگڑتی ہے۔''

''اللہ دلہن بی بی آپ بہت اچھی ہیں اور بہت سمجھدار بھی، آپ کی امی جی بھی بڑی نیک اور اچھی عورت ہیں اللہ انہیں آپ کا سکھ دکھائے۔'' پچاس سالہ نسرین نے دل سے دعا دی۔

''آمین۔'' وہ اداسی سے مسکرا دی۔

حمدان یوسف اپنی بزنس کانٹیکٹ کی ڈائری ڈھونڈ رہا تھا، مزنہ واش روم میں تھی، حمدان یوسف نے سائیڈ ٹیبل کی دراز کھولی تو اس کی نظر مزنہ کی ڈائری پر پڑی اس نے بلا ارادہ ڈائری کھول لی، سامنے چند سطریں لکھی تھیں تاریخ کے ساتھ۔

''آج پھر ابو نے امی پر ہاتھ اٹھایا ہے میر دل چاہتا ہے ابو کے ہاتھ اور زبان دونوں کاٹ کر پھینک دوں جن سے وہ میری امی کو مارتے ہیں گالیاں دیتے ہیں۔''

''سیڈ۔'' حمدان یوسف نے زیر لب کہا اور کافی سارے صفحے پلٹ دیئے، وہاں لکھا تھا۔

''حمدان ایک اچھے انسان ہیں لیکن میں چاہ کر بھی ان کے ساتھ نہیں رہ سکتی کیونکہ......''

اس سے آگے وہ نہ پڑھ سکا کیونکہ واش روم کا دروازہ کھلنے کی آواز آئی تھی، حمدان یوسف نے جلدی سے ڈائری واپس رکھی اور دراز بند کر دی، ڈریسنگ ٹیبل پر رکھا اپنا موبائل اٹھا کر چیک کرنے لگا تب مزنہ کمرے میں آ گئی تھی، حمدان یوسف نے پلٹ کر اسے دیکھا اس کی آنکھوں کی سرخی اور سوجن دیکھ کر ٹھٹک گیا، وہ دانستہ آنکھیں جھکائے بالوں میں برش کر رہی تھی۔

''مزنہ! آپ روتی رہی ہیں کیا؟'' حمدان یوسف نے بے قرار ہو کر پوچھا تو اس نے نظریں جھکائے ہی جواب دیا۔

''نہیں تو، میں کیوں رووں گی؟ روئیں میرے دشمن۔''

''آپ کی آنکھیں اتنی سرخ ہو رہی ہیں۔''

''بالوں میں شیمپو کیا تھا وہی آنکھوں میں چلا گیا اس لئے سرخ ہو رہی ہیں۔'' مزنہ کو بروقت معقول بہانہ سوجھ گیا۔

''لیکن آنکھیں تو بہت زیادہ ریڈ ہیں سوجن بھی ہے۔'' پتا نہیں کیوں وہ مطمئن نہیں ہو رہا تھا فکرمندی سے بولا۔

''تھوڑی دیر میں ٹھیک ہو جائیں گ آنکھیں۔''

"آپ کہیں تو میں آپ کو ڈاکٹر کے پاس لے چلوں وہ کوئی آئی ڈراپس لکھ دیں گے۔" حمدان یوسف نے اپنائیت سے کہا وہ دل ہی دل میں اس کی فکر، محبت، خیال پر تڑپ کر رہ گئی، وہ کتنا اچھا تھا اس کے ساتھ اور وہ اس کے ساتھ کیا کر رہی تھی۔

"افوہ آپ نے تو رائی کا پہاڑ بنا کے رکھ دیا ہے کہا نا تھوڑی دیر میں ٹھیک ہو جائیں گی، آپ جائیں اپنا کام کریں مجھے نماز پڑھنی ہے۔" وہ نا چاہتے ہوئے بھی بدتمیزی سے بولتی ہیئر برش ڈریسنگ ٹیبل پر رکھتے ہوئے بولی۔

"سنا ہے جو بیوی اپنے شوہر کو خوش نہ رکھ سکے اس کی نماز قبول نہیں ہوتی۔" حمدان یوسف نے مسکرا کر کہا۔

"نماز میرا اور میرے اللہ کا معاملہ ہے آپ کو میری نماز کی فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔" وہ بے دھڑک ہو کر بولی۔

مکتب میں عاشقی کا پہلا یہی سبق ہے
جو میں کہوں وہ باطل جو تو کہے وہ حق ہے

حمدان یوسف نے اس کے قریب آ کر اس کے بالوں کی لٹ کو اس کے چہرے سے ہٹاتے ہوئے یہ شعر پڑھا تو وہ ان دیکھی آگ میں سلگنے لگی اور جن آنکھوں سے اس نے حمدان یوسف کو دیکھا تھا اس کے دل میں عجیب سی چبھن ہونے لگی تھی، وہ ایکدم اداس سا ہو گیا اور تیزی سے پلٹ گیا۔

"U dont understand
and ican,t explain۔"

مزنہ نے ڈائری کھولی اور یہ ایک سطر لکھ کر ڈائری بند کرتے ہوئے گہرا سانس لبوں سے خارج کیا۔

عائشہ رضا ٹی وی لاؤنج میں بیٹھی سیب کھا رہی تھیں، مزنہ چائے کے برتن میز پر رکھنے کے لئے آئی تھی، چائے میز پر رکھ کر جونہی وہ جانے لگی عائشہ رضا نے جان بوجھ کر اپنا پاؤں آگے کر دیا اور وہ لڑکھڑا کر منہ کے بل نیچے جا گری۔

"ہائے میں مر گئی، دلہن بی بی۔" نسرین جو عائشہ رضا کا موبائل فون لا رہی تھی یہ منظر دیکھ کر دل تھام کر دوڑی چلی آئی، موبائل صوفے پر رکھا اور مزنہ کو شانوں سے پکڑ کر اٹھانے لگی۔

"تم کیوں مرنے لگیں نہ کوئی کام ڈھنگ سے ہوتا ہے وہ تو یہ اپنی ماں کے بل بوتے پر سگھڑ بی بی بنی ہوئی تھی ماں گئی تو سارا سگھڑاپا اور سلیقہ ایک ہی دھکے میں منہ کے بل جا گرا، لے جا اسے یہاں سے خون کھولتا ہے میرا ہر وقت اس کی صورت دیکھ دیکھ کر۔" عائشہ رضا نے بہت غصیلے اور سفاک لہجے میں کہا نسرین اسے اٹھا کر اس کے کمرے کی طرف لے گئی، مزنہ کا نچلا ہونٹ پھٹ گیا تھا منہ سے ہونٹوں سے خون نکل آیا تھا، اسے حقیقتاً بہت تکلیف ہو رہی تھی، آنسو آپ ہی آپ بہتے چلے جا رہے تھے، نسرین کو بھی اس کی حالت پر رونا آ رہا تھا، وہ واش میں اس کا منہ دھلا کر کلی کروا کر لے آئی، اسے، پین کلر کھلا دی اور آرام کرنے کا کہہ کر کمرے سے چلی گئی، مزنہ تکلیف اور بے بسی کے احساس کے ساتھ روتے روتے سو گئی تھی، حمدان یوسف گھر آیا تو گھر میں پھیلا سناٹا اسے غیر معمولی طور پر محسوس ہوا تھا، عائشہ رضا اپنے کمرے میں تھیں، مزنہ سو رہی تھی، نسرین اسے دیکھ کر چلی آئی۔

"سلام حمدان بابا۔" نسرین نے اسے دیکھتے ہوئے سلام کیا۔

"وعلیکم السلام نسرین بی، خیر ہے گھر میں آج اتنی خاموشی کیوں ہے؟ کہاں ہیں سب؟" حمدان یوسف نے نسرین سے پوچھا۔

''بیگم صاحبہ اپنے کمرے میں ہیں اور مزنہ بیٹی میرا مطلب ہے دلہن بی بی بھی اپنے کمرے میں آرام کر رہی ہیں۔'' نسرین نے سنجیدہ لہجے میں بتایا۔

''آرام، اس وقت۔'' حمدان یوسف کو اچنبھا ہوا تھا۔

''جی چائے لاؤں آپ کے لئے؟''

''جی بنا دیں، مجھے آٹھ بجے ایک بزنس ڈنر پر جانا ہے ممی کو بتا دیجئے گا۔'' حمدان یوسف یہ کہہ کر سیڑھیوں کی جانب بڑھ گیا۔

''حمدان بابا!'' نسرین نے بے اختیار اسے پکارا۔

''جی!'' وہ واپس پلٹا۔

''ایک بات بتانا چاہ رہی ہوں مگر...... چھوڑیں۔''

''کیا بات ہے نسرین بی، آپ بلا جھجک کہہ سکتی ہیں مجھ سے۔'' حمدان یوسف نے انہیں دیکھتے ہوئے نارمل انداز میں کہا۔

''نہیں رہنے دیں بیگم صاحبہ نے سن لیا تو بہت غصے ہوں گی مجھے نوکری سے نکال دیا تو میں اس عمر میں کہاں جاؤں گی حمدان بابا؟'' نسرین بے چارگی سے بولی تو وہ نرمی سے بولا۔

''نسرین بی! آپ نے مجھے اپنے ہاتھوں میں کھلایا ہے آپ کو یہاں سے کوئی نہیں نکالے گا، آپ بے فکر ہو کر بتایئے کیا بات ہے؟''

''معاف کرنا حمدان بابا! چھوٹا منہ بڑی بات ہے لیکن کہے بنا دل کو چین بھی نہیں آئے گا۔'' نسرین نے عائشہ رضا کے کمرے کی طرف دیکھتے ہوئے دھیمے انداز میں کہا تو وہ بے کل ہو کر بولا۔

''نسرین بی! پلیز جو بھی بات ہے کہہ دیں مجھے الجھن ہو رہی ہے۔''

''بیٹا! جس دن سے دلہن بی بی کی امی یہاں سے گئی ہیں بیگم صاحبہ کا سلوک دلہن بی بی کے ساتھ بہت برا بلکہ ظالمانہ ہو گیا ہے انہوں نے......'' نسرین نے ایک ہفتے میں ہونے والی تمام زیادتیاں اس کے گوش گزار کر دیں، حمدان یوسف شاکڈ رہ گیا۔

☆☆☆

میں روئی تو نہیں ہوں
نہ جانے کیوں میرا کاجل
جب بھی ڈالو آنکھوں میں
اب اکثر پھیل جاتا ہے
تم تو جانتے ہو ان دنوں
عجب سا حبس رہتا ہے
کبھی بے حد گرمی اور کبھی
بہت ہی ٹھنڈ ہوتی ہے
تب ہی ہے سرخ میری ناک
میں روئی تو نہیں ہوں
کہا تو ہے کہ یوں ہی بس
بھیگا ہے آنچل کا کونا
چھوڑو تم فکر مت کرو
میں روئی تو نہیں ہوں
یہ جو ہونٹوں پہ سوجن ہے
کسی بھی چوٹ کا سبب ہے
تمہاری بے نیازی کا یونہی غصہ نکالا ہے
نہیں اداس کب ہوں میں
زیادہ کام کے باعث
تھکاوٹ تو ہو ہی جاتی ہے
میں روئی تو نہیں ہوں
بتا دینا اس کو جا کر
کوئی خوش فہمی نہ پالے
ویسے ہی سرخ ہیں آنکھیں
میں روئی تو نہیں ہوں

حمدان یوسف کافی دیر سے کھڑا مزنہ کے چہرے کو دیکھ رہا تھا، پھٹے، سوجے ہونٹ، سوجی بھیگی آنکھیں اور بند آنکھوں کے پیچھے سرخ پتلیاں اسے شدید کرب، اذیت اور تکلیف کا احساس دلا رہی تھیں، مزنہ کی محبت اس کے دل میں مزید بڑھ گئی تھی جو اس کی ممی کے ظلم خاموشی سے سہہ رہی تھی بنا اس سے شکایت کیے، اس کا دل رو رہا تھا، وہ بے بس تھا کتنا، وہ اس کے قریب بیڈ کے کنارے پر بیٹھ گیا اور بے اختیار اس کے رخسار پر نرمی سے ہاتھ پھیرنے لگا، مزنہ اس کے ہاتھ کا لمس اپنے گال پر محسوس کر کے ہڑبڑا کر نیند سے جاگی تھی اور حمدان یوسف کو اپنے قریب بیٹھے دیکھ کر تیزی سے اٹھ کر بیٹھی تھی، اس کی سرخ سوجی آنکھیں، اس کا متورم چہرہ اس کے ساتھ ہونے والی زیادتی کی ساری کہانی بیان کر رہا تھا۔

''تم یہاں کیا کر رہے ہو، اٹھو یہاں سے۔'' وہ بوکھلاتے ہوئے بولی تو اس نے اطمینان سے کہا۔

''نہیں اٹھوں گا اور نہ ہی اب تمہاری کوئی بات سنوں گا اپنی حالت دیکھی ہے تم نے، چلو میں تمہیں ڈاکٹر کے پاس لے کر جاؤں گا ابھی اور اسی وقت۔''

''میں آپ کے ساتھ کہیں نہیں جاؤں گی۔'' وہ ضدی پن سے بولی۔

''میں اٹھا کر لے جاؤں گا حق رکھتا ہوں۔''

''بھاڑ میں جاؤ تم اور تمہارا حق جسے دیکھو مجھی پہ رعب جھاڑنے چلا آتا ہے۔'' وہ غصے سے بولتی تیزی سے بیڈ سے اتری تو سر چکرا گیا، حمدان یوسف نے فوراً کھڑے ہو کر اسے تھام لیا اور اسے زبردستی بیڈ پر دوبارہ لٹا دیا۔

''تمہیں آرام کی ضرورت ہے میں ڈاکٹر کو کال کر کے گھر بلا رہا ہوں۔'' حمدان یوسف نے اسے دیکھتے ہوئے فکرمندی سے کہا اور موبائل نکال کر ڈاکٹر کا نمبر ملانے لگا۔

''اگر آپ چاہتے ہیں کہ میں ڈاکٹر کے سامنے آپ کی عزت افزائی نہ کروں تو اسے مت بلائیں۔'' مزنہ نے سپاٹ لہجے میں کہا تو ڈاکٹر کا نمبر ملاتے اس کے ہاتھ وہیں رک گئے۔

''جانتا تھا کہ ڈاکٹر پوچھے گا کہ کیا ہوا اور اگر غصے میں آ کر مزنہ نے سچ بول دیا تو وہ شرم سے زمین میں گڑھ جائے گا۔''

☆☆☆

''کیا بات ہے آج صبح سے کھوئے کھوئے نظر آ رہے ہو بیگم نے پھر سے تو تواضع نہیں کر دی اپنے شوہر نامدار کی؟'' فیصل نے حمدان یوسف کو گم صم دیکھ کر لنچ ٹائم میں پوچھ ہی لیا۔

''نہیں یار، مزنہ کا غصہ اور بدتمیزی تو میں بخوشی جھیل لیتا ہوں اس سے مجھے کوئی پرابلم نہیں ہے مسئلہ ممی نے پیدا کر دیا ہے۔'' حمدان یوسف سنجیدگی سے بولا۔

''کیسا مسئلہ؟''

''میں نے بہت بڑی غلطی بلکہ نادانی بیوقوفی کر دی انہیں سب سچ بتا دیا اور تب انہوں نے مزنہ کو تختہ مشق بنایا ہوا ہے۔'' حمدان یوسف نے اسے ساری بات تفصیل سے بتا دی۔

''اسی لئے تو عورت کو ناقص العقل اور پیٹ کا ہلکا کہا جاتا ہے۔'' فیصل اس کی بات سن کر تاسف سے بولا۔

''ہوں مگر مجھے ممی سے ایسے سلوک کی توقع ہرگز نہیں تھی، آئی ایم شاکڈ یار۔'' حمدان یوسف دکھی لہجے میں بولا۔

''میرے دوست برے اور غیر متوقع

حالات میں ہی دوسروں کے اپنوں میں چھپے برے اور غیر متوقع رویے سامنے آتے ہیں۔" فیصل سنجیدگی سے بولا۔

"واقعی، اس ایک کرائسز نے اپنے پرائیوں سب کے چہروں سے نقاب اتار دیا ہے سب کا پردہ چاک ہوگیا ہے۔" حمدان یوسف نے اسے دیکھتے ہوئے جواب دیا۔

"بھائی! میں تو پردہ نہیں کرتا ہمیشہ بے نقاب ہی رہتا ہوں تیرے سامنے، اندر باہر سے سیم ٹو سیم۔" فیصل نے اپنے مخصوص پرمزاح انداز میں کہا تو وہ مسکرانے لگا۔

"چل یار چل کر، کچھ نہیں ہوتا، تو اسے ساس کا بہو سے ازلی بیر سمجھ کے فی الحال اگنور کر دے اور اطمینان سے بزنس ٹوئیر کر کے آجا، چار پانچ دن کی تو بات ہے، میں سب سنبھال لوں گا۔" فیصل نے اس کا ہاتھ تھپک کر کہا۔

"وہ تو ٹھیک ہے فیصل، لیکن مجھے ممی کی وجہ سے فکر لگی رہے گی کہ کہیں وہ پھر سے مزنہ کے ساتھ مزید کچھ برا نہ کر دیں میں یہ سب دیکھ رہا ہوں اور کچھ نہیں کر پا رہا یار۔" حمدان یوسف نے بے بسی سے پرمتفکر لہجے میں کہا۔

"تو بزنس ٹوئر سے واپس آجا پھر اس کیس کا ڈراپ سین۔" فیصل نے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

"انشاء اللہ، ہم مزید رسک نہیں لے سکتے فیصل۔"

"بالکل۔" فیصل نے اثبات میں سر ہلایا، حمدان یوسف نے گہرا سانس لبوں سے خارج کیا اور کرسی کی بیک سے اپنا سر ٹکا کر آنکھیں موند لیں۔

☆☆☆

"آنٹی! آپ کو فلو ہو رہا ہے نا، میں نے آپ کے لئے سوپ بنایا ہے لیں گرما گرم سوپ پی لیں انشاء اللہ جلدی آرام آجائے گا۔" مزنہ سوپ کا پیالہ چھوٹی سے ٹرے میں سجائے عائشہ رضا کے پاس آ کر بہت خوشگوار اور اپنائیت بھرے لہجے میں بولی، نسرین دروازے سے جھانک رہی تھی کہ اب دیکھیں عائشہ رضا کیا برتاؤ کرتی ہیں مزنہ کے ساتھ وہ اتنے پیار سے ان کے لئے سوپ بنا کر لے گئی ہے تو شاید وہ بھی غصے کیے بغیر سوپ پی لیں، مگر کہاں، وہ عائشہ رضا تھیں اگر کوئی بات ان کے دماغ میں بیٹھ گئی تھی تو وہ اسے نکالنے کی ضرورت ہی محسوس نہیں کرتی تھی اور مزنہ کو ان کی نفرت، غصے اور انتقام کی زد میں آنا ہی تھا اب۔

"میرا آرام، سکھ، چین برباد کرنے والی مجھے کیسے آرام دے سکتی ہے اور یہ سوپ، سوپ نہیں ہے زہر ہے میرے لئے۔" عائشہ رضا غصیلے لہجے میں بولیں۔

"آنٹی! میں بھلا آپ کو زہر کیوں دوں گی؟ آپ پی کر تو دیکھیں آپ کی پسند کا ہاٹ اینڈ ساور سوپ بنایا ہے میں نے۔" مزنہ نے دھیمے پن سے کہا تو وہ مزید جلال میں آتے ہوئے بولیں۔

"میری پسند کا خیال اب تم رکھو گی، اپنی اوقات دیکھی ہے تم نے، دفعہ ہو جاؤ ادھر سے نفرت ہے مجھے تمہاری شکل سے۔"

"اوکے میں چلی جاتی ہوں آپ غصہ مت ہوں آپ کا بی پی شوٹ کر جائے گا، شوگر بڑھ جائے گی۔"

"اور تم تو یہی چاہتی ہو نا کہ میرا بی پی شوٹ کر جائے مجھے ہارٹ اٹیک ہو جائے اور میں مر جاؤں۔" وہ سیخ پا ہوگئیں اور تیز غصیلے لہجے میں بولیں۔

"ہرگز نہیں، خدانخواستہ میں ایسا کیوں چاہوں گی آنٹی۔"

"تو میرے سر پہ کیوں سوار ہو دفعہ ہو جاؤ یہاں سے مجھے نہیں پینا تمہارے ہاتھ کا بنا سوپ لے جاؤ یہ میرے سامنے سے۔" عائشہ رضا نے غصیلے کرخت لہجے میں کہا اور ہاتھ مار کر سوپ کا پیالہ اڑا دیا، سوپ مزنہ کے ہاتھ، بازو گردن پر گرا تھا، اس کی بے اختیار چیخ نکل گئی۔

یہی نہیں یہ منظر اندر آتے حمدان یوسف کی آنکھوں نے بھی دیکھا تھا اور وہ سکتے میں آ گیا تھا، عائشہ رضا یہ سب کر کے اپنے کمرے کی طرف چلی گئیں اور نسرین بھاگتی ہوئی مزنہ کے پاس چلی آئی۔

"دلہن بی بی! یہ کیا ہو گیا، آپ چلیں اپنے کمرے میں۔"

"آپ ممی جی کو سوپ بنا دیں، دوا بھی کھانی ہے انہوں نے اور یہاں سے صاف کرا دیں میں چینج کر کے آتی ہوں۔" مزنہ تکلیف سے تڑپ کر بولی اور دوپٹے سے اپنے اوپر گرا سوپ صاف کرتی ہوئی سیڑھیاں چڑھنے لگی، نسرین برتن اٹھا کر پلٹی تو حمدان یوسف کو سامنے کھڑا دیکھا۔

"اب تو آپ نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا نا حمدان بابا، آپ مزنہ بیٹی کے شوہر ہیں ان کی حفاظت آپ کی ذمے داری ہے، بڑی صابر بچی ہے جو کسی سے کچھ نہیں کہتی۔" نسرین نے اسے دیکھتے ہوئے کہا اور اپنا کام نبٹانے میں لگ گئی، حمدان یوسف جیسے ایکدم ہوش میں آ گیا تھا، صورتحال کی سنگینی کا احساس ہوا تو سیدھا عائشہ رضا کے پاس چلا آیا۔

"ممی یہ کیا کر رہی ہیں آپ؟" وہ صدمے اور دکھ سے انہیں دیکھتے ہوئے بولا تو انہوں نے انجان بنتے ہوئے میگزین کھول کر کہا۔

"دیکھ نہیں رہے میگزین پڑھ رہی ہوں۔"

"دیکھ تو میں نے وہ لیا ہے جو آپ ابھی مزنہ کے ساتھ کر کے آئی ہیں۔"

"ہاں تو...... وہ اسی سلوک کی مستحق ہے۔"

وہ بے نیازی اور بے حسی سے پر لہجے میں بولیں۔

"اس کا فیصلہ کرنے والی آپ کون ہوتی ہیں؟ جو قصور اس نے کیا ہی نہیں آپ اس کی سزا اس معصوم لڑکی کو دے رہی ہیں، اتنی تکلیف اسے پہنچا کر آپ کو کیا حاصل ہو رہا ہے؟"

"سکون۔" وہ بڑی بے رحمی سے بولیں۔

"ایک اچھے انسان اور مسلمان کو کبھی بھی دوسرے انسان کو تکلیف پہنچا کر سکون نہیں ملتا یاد رکھیے ممی، آپ ظلم کر رہی ہیں مزنہ پر، گناہ ہے یہ دکھی دل کی بددعا اور اللہ کی ناراضگی لے رہی ہیں آپ۔" حمدان یوسف تاسف زدہ نظروں سے انہیں دیکھتے ہوئے بولا، وہ بے پروائی سے گویا ہوئیں۔

"وہ ایک مجرم کی بیٹی ہے جیسا باپ ویسی بیٹی مجھے بیوہ اور تمہیں یتیم کرنے والے شخص کی بیٹی ہے مزنہ تم یہ بات کیوں بھول جاتے ہو، اسے تکلیف ہو گی تو اس کے ماں باپ کو بھی درد ہو گا، بیٹی کا درد محسوس کر کے تڑپیں گے وہ دونوں تو میرے دل کو خوشی ملے گی خوشی۔"

"ممی آپ اتنی سفاک اتنی بے رحم بھی ہو سکتی ہیں مجھے اندازہ نہیں تھا اور مزنہ کو تکلیف پہنچا کر جو خوشی آپ حاصل کرنا چاہ رہی ہیں ناں آپ کو وہ خوشی کبھی نہیں ملے گی کیونکہ مزنہ آپ کے اس سلوک کا ذکر کبھی بھی اپنے پیرنٹس سے نہیں کرے گی اس لئے کہ وہ اپنے باپ کو بھی جانتی ہے اور ماں کی تکلیفوں سے بھی بخوبی آگاہ ہے، ماں کی بے بسی کی وجہ سے اور اپنے باپ کی بے حسی کی وجہ سے وہ انہیں کبھی نہیں بتائے گی اور تو

اور مزنہ نے مجھ سے بھی ذکر نہیں کیا، شکایت نہیں کی آپ کی، اس سے اس لڑکی کی اعلیٰ ظرفی اور صبر کا اندازہ لگا لیں آپ۔" حمدان یوسف نے سنجیدگی سے کہا۔

"یہ بھی اس کا ڈرامہ ہے تمہاری نظروں میں مہان بننے کا۔"

"اچھا اور جو آپ کر رہی ہیں وہ کیا ہے؟"

"حمدان تم اب اپنی ماں سے سوال جواب کرو گے۔"

"یہ مت بھولیں کے اللہ بھی آپ سے یہ سوال کرے گا اور جواب لے گا کہ آپ نے ایک معصوم لڑکی پر اتنا ظلم کیوں کیا، اس نے اگر اپنے باپ کو بتایا ہوتا تو آپ سوچ بھی نہیں سکتیں کہ وہ آپ کے ساتھ کیا کچھ کر سکتا ہے جو شخص آپ کے شوہر کا سب کچھ ہتھیا سکتا ہے وہ آپ کی ان بد سلوکیوں پر آپ کے اور آپ کے بیٹے کے ساتھ کیا کچھ کر سکتا ہے ذرا سوچیے ممی جی، ایسا نہ ہو کے آپ کو لینے کے دینے پڑ جائیں۔" حمدان یوسف نے دکھی ہو کر دیکھتے ہوئے سمجھانے کی کوشش کی تھی۔

"مجھے کچھ دینا نہیں ہے بلکہ واپس لینا ہے فواد راشد سے۔"

"اس طرح سے۔" حمدان یوسف کا اشارہ ان کے مزنہ کے ساتھ سلوک کی جانب تھا، انہوں نے نخوت سے سر جھٹکا۔

"آپ پاپا کی موت کو مشیت الٰہی سمجھ کر صبر کیوں نہیں کر لیتیں جیسے میں نے کر لیا ہے جب تک آپ کو اصل بات معلوم نہیں تھی آپ آرام سے زندگی گزار رہی تھیں جو نہی حقیقت کا علم ہوا آپ کا مزاج ہی بدل گیا، آپ یہ کیوں بھول رہی ہیں کے پاپا ہائی بلڈ پریشر کے مریض تھے، جبھی ان سے اتنا بڑا بزنس لوس برداشت نہیں ہوا اور ان کا ہارٹ فیل ہو گیا، موت تو برحق ہے ممی، وہ صدمے سے جان ہار گئے میں مانتا ہوں، لیکن فواد راشد نے ہمیں صرف مالی نقصان پہنچایا تھا، اس نے پاپا کے قتل کا پلان نہیں کیا تھا نہ ہی اس نے ساری پراپرٹی حاصل کرنے کے بعد آپ کو اور مجھے اس شاندار بنگلے سے، اعلیٰ بزنس سے بے دخل کیا ہے، پاور آف اٹارنی ضرور اس کے پاس ہے لیکن اگر دیکھا جائے تو فواد راشد نے آپ کو اور مجھے ہر طرح کی سہولت، آزادی اور اختیار دے رکھا ہے، عزت دی ہوئی ہے آپ آج بھی اس محل میں اتنی ہی شاہانہ زندگی بسر کر رہی ہیں جتنی شاہانہ زندگی آپ پاپا کی لائف میں بسر کر رہی تھیں، آپ کے خرچ میں، آرام میں، آسائشوں میں رتی برابر بھی کمی نہیں ہوئی، فواد راشد کو دولت چاہیے تھی غربت احساس محرومی نے اس سے فراڈ کرایا ضرور ہے تا کہ وہ اپنی خواہشات کو پورا کر سکے لیکن اس نے ہمارا بھی خیال رکھا ہے، ذرا سوچیے اگر وہ آپ کو اس گھر اور جائیداد سے مجھے آفس سے نکال باہر کرتا، پیسے پیسے کو محتاج بنا دیتا، اس گھر سے خالی ہاتھ نکال دیتا تو کیا کر لیتیں آپ، کہاں جاتیں، کہاں سے حاصل کرتیں یہ سب آسائشیں؟"

"تم اس فضول لڑکی کے لئے اپنی ماں سے بحث کر رہے ہو۔" عائشہ رضا نے اس کی باتوں کو سمجھنے کے باوجود وہ درست کہہ رہا ہے نظر انداز کرتے ہوئے سپاٹ لہجے میں کہا۔

"بحث نہیں کر رہا ہوں آپ کو حقیقت اور سچائی سے آگاہ کر رہا ہوں، اس سب کے ساتھ ساتھ فواد راشد نے آپ کو یا آپ کے بیٹے کو تشدد کا نشانہ بھی نہیں بنایا اس نے صرف دولت حاصل کی ہم سے کچھ نہیں چھینا ہم پر ظلم کے پہاڑ نہیں توڑے اور آپ کیا کر رہی ہیں؟ آپ انتہائی

سفا کی اور بے رحمی کا مظاہرہ کر رہی ہیں اس کی بیٹی کے ساتھ، ایسا کرتے ہوئے اس کی محبت اور خدمت کا ہی خیال کر لیا ہوتا، آپ تو انتقام میں اتنی اندھی ہو گئیں کہ انسانیت اور اخلاقیات کو ہی فراموش کر دیا، آپ کے بیٹے کے ساتھ اگر فواد راشد نے ایسا سلوک کیا ہوتا تو آپ جواز پیش کر سکتی تھیں، لیکن آپ کے بیٹے کو اس نے خراش تک نہیں آنے دی، جسمانی، جذباتی تشدد اور اذیت آپ پہنچا رہی ہیں مزنہ کو، آپ نے تو فواد راشد کو بھی مات دے دی ممی، وہ تو صرف دولت کا لالچ کر رہا تھا جو ہر انسان میں ہوتا ہے لیکن آپ نے تو اخلاقیات اور انسانیت سے ہی ہاتھ اٹھا لیا، وہ کم ظرف نکلا تو کیا ہوا، اعلیٰ ظرفی کا مظاہرہ تو آپ بھی نہ کر سکیں، مجھے فواد راشد کے دھوکے سے اتنا دکھ نہیں ہوا ممی، جتنا مزنہ کے ساتھ آپ کے منفی رویے اور سلوک پر ہوا ہے، شرم آ رہی ہے مجھے، میری ماں اور سیٹھ یوسف رضا مرحوم کی بیوہ اس قدر نیگیٹیو ہو کر سوچ سکتی ہے انسانیت اور احساس کی دھجیاں اس طرح سے بکھیر سکتی ہے آئی ایم شاکڈ ممی، آئی ایم رئیلی شاکڈ، آپ نے تو مجھے مزنہ سے نظریں ملانے کے قابل بھی نہیں چھوڑا، بہت ہرٹ کیا ہے آپ نے مجھے، افسوس، دلیس از مائی موم۔'' حمدان یوسف نہایت دکھ اور کرب سے کہتا ان پر ایک دکھ اور تاسف بھری نگاہ ڈالتا وہاں سے چلا گیا۔

''حمدان!'' عائشہ رضا نے اسے پکارا مگر وہ جا چکا تھا، وہ مزید غصے میں آتے ہوئے کمرے میں بے چینی کے عالم میں چکر لگانے لگیں۔

''میرا بیٹا میرے ہی خلاف بول رہا ہے مجھے صحیح اور غلط کا فرق سمجھا رہا ہے، مجھے غلط کہہ رہا ہے اور مزنہ کی سائیڈ لے رہا ہے، اس دھوکے باز آدمی کی وجہ سے آج میرا بیٹا مجھے باتیں سنا گیا ہے مزنہ کی خاطر حمدان نے پہلی بار میرے سامنے اونچی آواز میں بات کی ہے، پہلی بار وہ مجھ پر غصے ہوا ہے، اسے اپنی ماں غلط اور وہ منحوس لڑکی درست محسوس ہو رہی ہے، مزنہ فواد اب تو تم نہیں بچو گی تم نے میرے بیٹے کے دل میں اپنے لئے ہمدردی پیدا کر لی اور میرے لئے غصے بھر دیا ہے تم دیکھنا میں تمہارے ساتھ کرتی کیا ہوں میں تمہیں نہیں چھوڑوں گی مزنہ، ہرگز نہیں چھوڑوں گی۔'' عائشہ رضا نے کمرے میں ٹہلتے ہوئے سازشی انداز میں سوچا۔

حمدان یوسف اپنے اور مزنہ کے مشترکہ بیڈ روم میں آیا تو مزنہ کو ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے اسٹول پر بیٹھے دیکھا، وہ کپڑے تبدیل کر چکی تھی، نیلے رنگ میں سفید رنگ کی آمیزش والا لان کا سادہ سا سوٹ پہنے سفید جارجٹ کا دوپٹہ جس کے بارڈر نیلے رنگ کے تھے، بالوں کو پونی میں مقید کیے وہ بے حد ملول دکھائی دے رہی تھی، سوپ گرم تھا بہت جس نے اس کے نازک بدن کو جلا دیا تھا، اس نے گھریلو ٹوٹکا آزمایا تھا ہاتھ اور بازو پر ٹوتھ پیسٹ لگا رہی تھی، حمدان یوسف بے قرار ہو کر اس کے قریب آ گیا۔

''مزنہ کیا ہوا آپ کو؟'' انجان بننا فی الوقت ضروری تھا۔

''جل گیا ہے۔'' اس نے مختصر جواب دیا۔

''کیسے؟''

''کیسے؟ اہم بات یہ نہیں ہے بلکہ اہم بات یہ ہے کہ جلنے سے تکلیف ہو رہی ہے۔'' وہ ٹوتھ پیسٹ لگاتے ہوئے بولی، اس کی آواز میں ہلکی سی نمی تھی جسے محسوس کر کے وہ تڑپ گیا۔

''آپ اپنا خیال نہیں رکھتیں نا؟'' وہ واش روم کی طرف میڈ سن بکس لینے کے لئے جاتے ہوئے بولا۔

''میں تو رکھتی ہوں، دوسروں کو بھی تو خیال رکھنا چاہیے نا۔''

مزنہ کا جواب معنی خیز تھا وہ سمجھ بھی گیا تھا کہ وہ کیا کہہ رہی ہے کس طرف اشارہ کر رہی ہے شرمندہ سا ہو گیا اور میڈیسن بکس میں سے برنال نکال لایا۔

''یہ رہنے دیں، میں برنال لگا دیتا ہوں اس سے جلدی ٹھیک ہو جائے گا درد۔'' وہ اس کے ساتھ سے ٹوتھ پیسٹ لے کر بند کرتے ہوئے نرمی سے بولا تو وہ بولی۔

''نہیں یہ ٹھیک ہے اس سے ٹھنڈک کا احساس ہو رہا ہے مجھے۔''

''میں نے کہا نا یہ بہتر ہے آئیں ادھر بیڈ پر بیٹھیں میں آپ کی گردن پر لگا دیتا ہوں کریم۔''

''میں خود لگا لوں گی پلیز آپ زحمت مت کیجئے۔'' مزنہ نے سپاٹ لہجے میں کہا تو وہ سنی ان سنی کرتے ہوئے اسے شانوں سے پکڑ کر اٹھانے لگا۔

''شوہر بیوی کے لئے کچھ کرے تو وہ زحمت نہیں ہوتا محبت اور فرض ہوتا ہے۔''

''میں نے آپ کو اپنا پابند نہیں کیا۔'' وہ ناچار اٹھتے ہوئے بولی تو اس نے ملائم لہجے میں جواب دیا۔

''آپ کی محبت نے تو مجھے اپنا پابند کر لیا ہے نا بیٹھیں۔'' اس نے مزنہ کو بیڈ پر لٹایا اور اس کی گردن پر برنال لگانے لگا، مزنہ کو جلنے کی تکلیف اور جلن کے ساتھ ساتھ اس کے ہاتھ کی حرارت کی حدت نے بھی مزید جلا دیا تھا، وہ ایکدم تڑپ کر بولی۔

''رہنے دیں نا، کیوں میری جلن میں اضافہ کر رہے ہیں؟''

''یہ تو محبت کی جلن ہے۔'' وہ مسکراتے ہوئے بولا۔

''مجھے نہیں چاہیے پلیز بیٹھے یہاں سے تکلیف ہو رہی ہے مجھے۔'' وہ تکلیف سے نڈھال ہو کر بولی ماتھے پر بل پڑ گئے تھے۔

''تکلیف میں محبت سے بہتر کوئی مرہم نہیں ہوتا۔'' حمدان یوسف نرمی سے اس کی سرخ ہوئی گردن پر برنال لگاتے ہوئے بولا۔

''اچھا، تو پھر وہی لگا دیا ہوتا اس کریم کی کیا ضرورت تھی۔'' وہ سلگ کر بولی تو اسے بے ساختہ ہنسی آ گئی، مزنہ نے اسے گھورا۔

''تو پھر لگا دوں محبت کا مرہم؟'' اس نے شریر لہجے میں پوچھا۔

''شٹ اپ۔'' وہ غصے سے کہہ کر گردن پھیر گئی۔

''ارے رے، گردن سیدھی رکھیے کریم اِدھر اُدھر لگ جائے گی۔'' حمدان یوسف نے اس کی ٹھوڑی پکڑ کر اس چہرہ سیدھا کرتے ہوئے کہا تو وہ غصے سے اسے دیکھتے ہوئے بولی۔

''کیا مسلہ ہے آپ کا، تکلیف میں بھی چین سے نہیں رہنے دیتے۔''

''آپ کی تکلیف میں چین کہاں ہے مجھے بہت شرمندہ ہوں میں آپ سے کے میرے ہوتے ہوئے آپ اتنی تکلیف سے گزر رہی ہیں، کاش میں آپ کی یہ تکلیف اپنے جسم پر لے سکتا لیکن یقین کیجئے آپ کو تکلیف میں دیکھ کر مجھے ایک پل بھی قرار نہیں آ رہا۔'' حمدان یوسف نے اس کے سر پر محبت سے ہاتھ پھیرتے ہوئے ایمانداری سے کہا تو وہ بیزاری سے بولی۔

''ہو گیا آپ سین پورا، چلیے اب جائیے یہاں سونے دیں مجھے۔''

''او کے میں ڈاکٹر کو کال کر رہا ہوں وہ آ کر آپ کو انجکشن لگا دے گا تو آپ کو درد میں کمی

ں ہو گی نیند بھی آ جائے گی یوں درد اور بف میں کہاں نیند آتی ہے؟" حمدان یوسف نرمی سے کہتے ہوئے اے سی کی کولنگ بڑھا تا کہ اسے جلن کم محسوس ہو، وہ اس کی بات جواب میں خاموش رہی جس کا مطلب تھا کہ اقعی شدید درد محسوس کر رہی ہے اور انجکشن انے پر اسے کوئی اعتراض نہیں ہے، حمدان ف کو اس خیال نے مزید پریشان اور دکھی کر تھا کہ مزنہ اس کی محبت وہ معصوم لڑکی اس وقت ید تکلیف میں مبتلا ہے۔

ڈاکٹر تھوڑی دیر میں گھر آ کر اسے انجکشن لگا ، دوا لکھ کر دے گیا تھا جو حمدان یوسف نے م کو بھیج کر منگوائی تھی، دوا کھا کر مزنہ سو گئی تھی، ن یوسف بے کل و بے قرار رات بھر اس کے انے بیٹھا جاگتا رہا تھا۔

"ممی مزنہ کے ساتھ اب کچھ بھی برا کرنے پہلے یہ ضرور یاد رکھیے گا کہ فواد راشد مزنہ کا آپ کو اس گھر سے دھکے دے کر نکال دے مت بھولیں کے کیم ابھی اس کے ہاتھ میں پاور آف اٹارنی کا استعمال اگر اس نے صحیح ں میں کیا نا تو آپ کو اس گھر سے خالی جانا ہو کر کیجئے کے اس میں اتنی تو انسانیت ابھی ہے مگر آپ نے تو حد ہی کر دی ممی۔" صبح تے کی میز پر حمدان یوسف نے عائشہ رضا کو ب کر کے کہا اور صرف ایک گلاس جوس پی کر فس کے لئے نکل گیا مگر جاتے ہوئے نسرین مزنہ کا خیال رکھنے کا کہنا نہیں بھولا تھا۔

"حمدان صحیح کہہ رہا تھا میں نے اس پہلو پر تو ہی نہیں کہ فواد راشد اپنی بیٹی کے ساتھ نے والی زیادتیوں کا سن کر ہمیں گھر اور بزنس نکال باہر کرے گا سارے اختیارات تو اس ہاتھ میں ہیں، مجھے کچھ ایسا کرنا ہو گا کے سانپ بھی مر جائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے۔" عائشہ رضا نے ناشتہ کرتے ہوئے سوچا۔

مزنہ کا ناشتہ نسرین نے اس کے کمرے میں ہی پہنچا دیا تھا، حمدان یوسف از بکستان اور دوبئی کے لئے تیاری مکمل کر چکا تھا اسے مزنہ کی فکر تھی جبھی اسے دیکھتے ہوئے کہتے ہوئے بولا۔

"مزنہ! میں چار پانچ روز کے لئے بزنس ٹوئیر پر جا رہا ہوں، میں چاہتا ہوں کے تب تک آپ اپنی امی کی طرف چلی جائیں ان کے ساتھ رہیں وہ بھی خوش ہو جائیں گی اور میں بھی مطمئن رہوں گا۔"

"اور جو ممی جی اکیلی رہ جائیں گی۔" مزنہ نے اسے دیکھا۔

"وہ اکیلی کہاں ہوں گی، گھر کے ملازم ہوں گے ان کے پاس اور ویسے بھی ممی کو عادت ہے اکیلے رہنے کی ان کے لئے مسئلہ۔"

"میدان چھوڑ کر بھاگنا بزدلی ہے اور میں بزدل تو ہرگز نہیں ہوں۔" وہ کھوئے کھوئے معنی خیز لہجے میں بولی۔

"کیا مطلب؟" اس نے چونکتے ہوئے اس کی آنکھوں میں جھانکا تو وہ نظریں چرا کر بولی۔

"مطلب پھر کسی وقت جان لیجئے گا فی الحال جانے کی تیاری کریں آپ کو دیر نہ ہو جائے اور میں یہاں سے کہیں نہیں جا رہی۔"

"ٹھیک ہے اگر کوئی مسئلہ ہو، کوئی پریشان ہو کسی قسم کی ہیلپ چاہیے تو آپ فیصل کو کال کر لیجئے گا، اسے تو آپ جانتی ہیں نا وہ میرا بہترین دوست ہے، بھائی جیسا ہے اسے گھر اور بزنس کے تمام معاملات کا علم ہے۔" حمدان یوسف نے سنجیدگی سے ہدایت دیتے ہوئے کہا۔

"دوست کتنا ہی بہترین کیوں نہ ہو اسے

ہر بات نہیں بتایا کرتے اور نہ ہی اپنے راز شیئر کرتے ہیں کیونکہ وہ بھروسہ مند دوست ہی ہوتے ہیں جو آپ کے گھر میں نقب لگاتے ہیں، پیٹھ میں خنجر گھونپتے ہیں۔" مزنہ نے نہایت سمجھدارانہ مشورہ دیتے ہوئے اسے دیکھا۔

"لیس یو آر رائیٹ، لیکن فیصل ان دوستوں میں سے ہے جو برے وقت میں مشکل میں کام آتے ہیں جن کے دم سے دوستی جیسا رشتہ آج بھی زندہ ہے۔" حمدان یوسف نے اس کے قریب آ کر اس کے سندر چہرے کو چاہ سے دیکھتے ہوئے جواب دیا۔

"گڈ۔" وہ یہ کہہ کر جانے لگی تو حمدان یوسف نے اس کا ہاتھ تھام لیا، وہ اس کی اس جرأت پر حیران رہ گئی۔

"مجھے مس کریں گی؟" وہ آس بھرے لہجے میں پوچھ رہا تھا۔

"پتا نہیں۔" جواب حسب توقع بے پرواہی سے آیا تھا۔

"لیکن مجھے پتا ہے۔"

"کیا؟" مزنہ نے چونک کر تحیر آمیز نظروں سے اس کا دلکش چہرہ دیکھا۔

"کہ میں آپ کو بہت مس کروں گا، یہاں سے جانے کو دل تو نہیں چاہ رہا لیکن مجبوری ہے ضروری ہے جانا، انشاء اللہ جلد واپس آؤں گا اور سب ٹھیک کر دوں گا۔" وہ بے اختیاری میں اس کے چہرے کو نرمی سے چھوتے ہوئے اسے یقین دلا رہا تھا۔

"کچھ خراب ہے کیا؟" وہ انجان بن کر معصومیت سے سوال کرتی اس کے دل کو چھو گئی۔

"نہیں سب ٹھیک ہے بس آپ اپنا بہت خیال رکھیے گا اور ممی کا بھی۔" حمدان یوسف نے اس کا ہاتھ اپنے ہونٹوں سے لگا کر اس کے چہرے کو محبت پاش نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"جی ٹھیک ہے۔"

"او کے چلتا ہوں۔"

"ہوں۔" وہ بس اتنا ہی کہہ سکی۔

وہ خوش تھی یا اداس اس کے چہرے سے کچ
اندازہ لگانے سے قاصر تھا وہ یہ بھی غنیمت تھا
اسے جاتے جاتے اس کا ہاتھ نہیں جھٹک دیا تھ
اس سے روڈ نہیں ہو رہی تھی، وہ اسی میں خوش تھ
یہ بھی مثبت اشارہ تھا اس کے لئے۔

"گڈ لک نہیں کہیں گی مجھے؟" حمدا
یوسف نے اس کے چہرے پر نگاہیں مرکوز کر
ہوئے مسکراتے ہوئے کہا۔

"بیسٹ آف لک، فی امان اللہ۔" مز
نے مسکرا کر کہا تو وہ نہال ہو گیا۔

"تھینک یو، تھینک یو سو مچ اینڈ لو یو ما
لائف، اللہ حافظ۔" حمدان یوسف خوشی سے
قابو ہو کر بولا۔

اور بے اختیاری میں ہی اس کی چمکتی پیشا
پر اپنی محبت کی مہر ثبت کر کے اس کے ہاتھوں
اپنی آنکھوں سے چوم کر اسے ایک الوہی احسا
اور اسے مہک میں گھرا چھوڑ کر سفر کے لئے نکل
گیا۔

بے یقین لمحوں میں
بے ثبات سرچوں میں
اک دراز پڑتی ہے
زندگی کو جینے کی
ڈور ہاتھ لگتی ہے
بے یقین لمحوں میں
پھر سے جاگ اٹھتی ہیں
خوش امید سی کرنیں
بے یقین لمحوں میں
عشق اک یقین بن کر

زندگی میں آتا ہے
بے یقین لمحوں کو
معتبر بناتا ہے۔

مزنہ خوش تھی بہت خوش تھی اس احساس کے ساتھ کہ حمدان یوسف ایک نیک سیرت مہذب او دھیمے لہجے کا خوش مزاج مرد ہے جو اپنی بیوی کو عزت اور محبت دینا جانتا ہے، جو اس سے محبت کرتا ہے بہت زیادہ اور بے لوث محبت کرتا ہے مگر شاید وہ اس محبت کے ساتھ جی نہیں سکتی تھی، اسے یہ احساس ہی حوصلہ دینے کے لئے کافی تھا کہ دنیا کا خوبصورت اور خوب سیرت مرد اسے دل و جان سے چاہتا ہے اور وہ...... وہ بھی تو اس سے پیار کرنے لگی ہے، اس کے دل میں۔

عشق کی سرگم، آنکھوں میں تھے خواب سہانے
عشق کو اس کے وہ تو جانے
نہ جانے بس پیا نہ جانے

☆☆☆

''بیگم صاحبہ تو دلہن بی بی کو مارنے پر تلی ہیں اوپر سے حمدان بابا بھی ملک سے باہر چلے گئے ہیں، اللہ جانے اب دلہن بی بی کے ساتھ وہ کیسا سلوک کریں گی؟'' نسرین برتن دھوتے ہوئے گھر کے دوسرے ملازم رشید سے کہہ رہی تھی جبھی وہاں سے گزرتے ہوئے فواد راشد کے کانوں میں اس کی بات پڑ گئی اور ان کی ساری باتیں سننے کے غصے سے طنطناتے ہوئے عائشہ رضا کے سامنے جا کھڑے ہوئے وہ لان میں بیٹھی چائے پی رہی تھیں، فواد راشد کے بدلے ہوئے تیور دیکھ کر ٹھٹکیں۔

''آپ کو کیا لگتا ہے بیگم صاحبہ، کہ آپ میری بیٹی پر ظلم ڈھائیں گی اور میں آپ کو اتنے عیش و آرام کے ساتھ اس گھر میں رہنے دوں گا، دھکے مار کے گھر سے نکال دوں گا سمجھیں۔'' فواد راشد نے عائشہ رضا کو خونخوار نظروں سے دیکھتے ہوئے خطرناک لہجے میں کہا تو وہ اندر سے بری طرح ڈر گئیں۔

''کیوں، کیوں نکال دو گے یہ میرا گھر ہے تمہارا نہیں ہے میں سب جان گئی ہوں تم نے دھوکے سے میرے شوہر کی پراپرٹی حاصل کی ہے، ہمیں یہاں رکھ کر تم نے ہم پر کوئی احسان نہیں کیا اپنا فائدہ سوچا ہے تاکہ ہم ماں بیٹا تمہارے خلاف کوئی بات نہ کر سکیں، قانون کا سہارا نہ لیں سکیں، لیکن میں تمہیں انجام تک پہنچا کر ہی دم لوں گی۔'' عائشہ رضا نے ہمت کر کے لہجہ کڑا کر کے کہا تو وہ تمسخرانہ انداز میں ہنستے ہوئے بولا۔

''دم باقی بچے گا تو دم لوگی نا اور تم کیا مجھے میرے انجام تک پہنچاؤ گی، تمہارا انجام تو میرے ہاتھوں ہوگا، اب اگر تمہیں سچ معلوم ہو ہی گیا ہے تو اپنی زبان بند رکھو ورنہ تمہاری سانس بند کرنے میں دیر نہیں لگاؤں گا میں، اکی بات اور اپنے بوڑھے بھیجے (دماغ) میں بیٹھا لو اب اگر تم نے کچھ بھی الٹا سیدھا کرنے کی کوشش کی تو تمہارے بیٹے کو سیدھا ملک عدم بھیج دوں گا اس کا وہ حشر کروں گا کہ تم اس کا آخری دیدار تک کرنے کو ترس جاؤ گی، پھر تمہیں کسی اولڈ ہاؤس میں جمع کرا دوں گا یا یہ بھی کیوں کروں گا دھکے دے کر اس گھر سے نکال دوں گا بلکہ کسی پاگل خانے میں چھوڑ آؤں گا پھر تم وہاں جی بھر کر باتیں کرنا میرے خلاف وہاں تمہاری سچائی کو بھی لوگ تمہارا پاگل پن سمجھیں گے ہاہاہا۔''

(باقی اگلے ماہ)

جب وہ مہرباں ہوا

حمیرا نوشین

بلقیس نے لکڑی کے بھاری دروازے کو دھکیل کر اندر ڈیوڑھی میں قدم رکھا فہد نے بھی ان کی پیروی کی، سامنے ہی برآمدے میں نماز کی چوکی پر آپا ہاتھ پھیلائے اپنی حاجتیں منوانے میں مشغول تھیں، وہ دونوں پاس بچھی چارپائی پر بیٹھ گئے۔

بلقیس نے مکان پر طائرانہ نظر ڈالنا شروع کی، دونوں کمرے بوسیدہ حالت میں تھے، صحن کا فرش جا بجا اکھڑا ہوا تھا، دیواروں کا پلستر اتر کر انہیں بدنما کر رہا تھا، صحن میں ایک سائیڈ پر بنے چھوٹے سے کچن میں چولہے پر ایک سلور کی دیگچی رکھی تھی، سلیب پر چند پلیٹیں اور کٹوریاں اوندھی پڑی تھیں۔

صحن میں لگے امرود کے درخت کے پتے ہوا سے جھول رہے تھے، کچھ خشک پتے اِدھر اُدھر بکھرے تھے، پورا گھر بے شک صاف ستھرا تھا مگر مخدوش حالت میں، اسے مرمت کی اشد ضرورت تھی، دس مرلے کے اس مکان کو گرا کر اگر نئے سرے سے تعمیر کیا جاتا تو ایک عالیشان مکان کے روپ میں ہوتا۔

"السلام علیکم پھپھو۔" فہد کی آواز نے ان کو خیالات سے چونکا دیا، وہ ان کے آگے سر جھکائے کھڑا تھا اور وہ سر پر ہاتھ پھیرتی دعاؤں سے نواز رہی تھیں، بلقیس بھی سلام کرتی جلدی سے آگے بڑھیں۔

"جیتی رہو۔" آپا نے دعا دی۔

"کتنے دن ہو گئے آپ کو دیکھے ہوئے، مجھے فکر ہو رہی تھی۔" بلقیس نے کہتے ہوئے ان کو اٹھنے میں سہارا دیا، وہ بھی ان کے ساتھ پلنگ پر پاؤں اوپر کر کے بیٹھ گئیں۔

"اچھا کیا جو چلی آئیں، کئی دنوں سے بخار نے دبوچ رکھا تھا مجھے، آج طبیعت کچھ بھلی محسوس

مکمل ناول

ہو رہی ہے۔"

"حد کرتی ہیں آپ بھی، بالکل غیروں والا رویہ رکھتی ہیں آپ، اللہ رکھے آپ کی اتنی بھابھیاں اور بھتیجا بھتیجی ہیں، چلیں دوسروں کا تو میں نہیں کچھ کہہ سکتی، مگر مجھے تو آپ خبر کر دیتیں، ڈاکٹر کے پاس لے جاتی۔" ناراضی سے کہتی وہ اندر سے تکیہ اٹھالائیں اور زبردستی انہیں لٹا دیا۔

فہد موڑھا گھسیٹ کر ان کے سرہانے بیٹھ گیا اور سر دبانے لگا، انہوں نے ہاتھ تھام لیا۔

"ارے نہیں میرے لال، کیوں اپنے ہاتھ تھکاتا ہے، کچھ نہیں ہوا مجھے بھلی چنگی تو ہوں میں۔"

"ہاں نظر آ رہا ہے جتنی آپ صحت مند ہیں بالکل بھی پروا نہیں ہے آپ کو اپنی، اللہ نہ کرے اگر آپ کو تنہائی میں کچھ ہو جاتا تو ساری زندگی اپنے آپ کو معاف نہیں کر پاتی اوروں کا تو مجھے پتا نہیں پر اپنی ضرور کہوں گی، گھر میں دھیان ہر وقت آپ کی طرف لگا رہتا ہے، یہی فکر ستاتی ہے پتا نہیں آپا نے کچھ کھایا بھی کہ نہیں، آج بھی پلاؤ اور شامی کباب بنائے تو حلق میں اٹک سے گئے فوراً لے کر آپ کے پاس پہنچی۔" انہوں نے تکیے کے سہارے سے انہیں بٹھایا اور پلیٹ ان کے ہاتھ میں تھمائی۔

ذرا سا شامی کباب اور دو چمچ چاول لے کر انہوں نے پلیٹ سائیڈ پر رکھ دی۔

"بس جی نہیں چاہ رہا۔"

"کچھ تو لیں ایسے تو مزید بیمار پڑ جائیں گی، حالت دیکھیں اپنی کیسی زرد رنگت ہو رہی ہے۔" بلقیس ہولے ہولے ان کے ہاتھ سہلانے لگیں۔

"بس اب تو چل چلاؤ کا وقت ہے، رنگت نے ساتھ چھوڑنا ہے ناں۔"

"کیسی مایوسی کی باتیں کر رہی ہیں آپ؟"

"بس اب میں آپ کو یہاں ایک دن بھی اکیلی نہیں رہنے دوں گی، اٹھیں میرے ساتھ گھر چلیں، ہمیں بھی خدمت کا موقع دے دیں، کیا پتا ہم گناہگاروں کی بخشش کا سبب بن جائیں آپ۔" بلقیس کا لہجہ رندھ گیا۔

"کیوں گناہگار کرتی ہے مجھے بلقیس، میں خطاوار کیسے کسی کی بخشش کا سبب بن سکتی ہوں، میں تو خود گناہوں میں لتھڑی ہوں، سمجھا پتر اپنی ماں کو ضد نہ کرے۔" انہوں نے فہد کی طرف رخ موڑا۔

"پھپھو ضد تو آپ کر رہی ہیں، محلے والے بھی کیا سوچتے ہوں گے کہ کتنے بے حس رشتہ دار ہیں آپ کے، جو یوں آپ کو تنہا چھوڑا ہوا ہے۔" فہد بھی ماں کا ہم خیال ہوا۔

"کچھ نہیں سوچتے محلے والے سب جانتے ہیں کہ میں ہی ضد پر اڑی ہوں، اپنا یہ کھنڈر (ٹوٹا پھوٹا گھر) چھوڑنے کو تیار نہیں، ورنہ سب کو پتا ہے یہ بڑا پری وار ہے میرا اور میری فکر نہ کیا کر میں کلی (اکیلی) نہیں ہوں، رب سوہنا ہر دم میرے ساتھ ہے اس کی ذات سے لو لگی ہے وہ مجھے کبھی کلا (اکیلا) ہونے ہی نہیں دیتا، ویسے بھی سارا دن سپارہ پڑھنے والے بچوں کی رونق لگی رہتی ہے، لڑکیاں بہت دھیان رکھتی ہیں میرا۔" فہد اور بلقیس کے بے حد اصرار پر بھی وہ ان کے ساتھ چند دن کے لئے بھی جانے کو تیار نہ ہوئیں، ناچار وہ دونوں منہ لٹکائے گھر سے روانہ ہوئے تھے۔

بلقیس نے گھر جا کر سوپ بنا کر فہد کے ہاتھ بھیجا تھا وہ بصد اصرار پورا پیالہ پلا کر ہی گھر لوٹا تھا۔

☆☆☆

وقار دکان سے تھکے ہارے واپس لوٹے تھے، قدموں کی لڑکھڑاتی چال واضح کر رہی تھی کہ اب ان میں مزید محنت کرنے کی سکت نہیں رہی، چار بیٹوں کی تعلیم وتربیت نے ان کو اتنا نہیں تھکایا تھا جتنا ان کی بے روزگاری اور عیاشیوں نے مضمحل کر دیا تھا، بجائے اس کے کہ وہ باپ کی مشقت کا احساس کر کے ان کا ساتھ دیتے وہ روز ہاتھ پھیلائے ان کے سامنے ہو جاتے۔

''ابھی کل تو تم نے پیٹرول کے لئے پیسے لئے تھے، اتنی جلدی کیسے ختم ہو گیا۔''

''ابا وہ اتنی بڑی رقم نہیں تھی کہ مہینے بھر کا پیٹرول ڈلوا لیتا، ان چند روپوں میں میں نے پیٹرول کے ساتھ ساتھ اپنی سی وی کی ڈھیروں فوٹو کاپیاں بھی کروائی تھیں دو جگہ خود دھکے کھانے کے بعد مدثر کو بھی اس کی مطلوبہ جگہ پر چھوڑا تھا۔'' نبیل نے بھی تپ کر جواب دیا تھا، ایک تو جگہ جگہ نوکری کے لئے خوار ہوتا پھرتا اوپر سے ابا ایک ایک پائی کا حساب کرنے بیٹھ جاتے۔

وقار نے بے بس ہو کر جیب میں سے چند نوٹ نکال کر اس کی ہتھیلی پر رکھے جو اس نے ناک بھوں چڑھا کر اپنی پینٹ کی جیب میں اڑسے تھے۔

بیٹوں کی خواری پر ان کا دل بھی کڑھتا تھا مگر ان کو تھوڑا احساس باپ کا بھی کرنا چاہیے تھا، مختلف جگہوں پر اپلائی کرنے کے بعد وہ انتظار میں گھر میں پڑے اینٹھتے رہتے یا پھر دوستوں کے ساتھ آوارہ گردی۔

آخر ایسا کب تک چلے گا؟ ان سوچوں نے ان کا ذہن منتشر کر دیا تھا۔

''کیا سوچ رہے ہیں کچھ پریشان لگ رہے ہیں؟'' بلقیس چائے لئے ان کے پاس آ بیٹھیں۔

''تمہاری نکمی اولاد ہی میرے اعصاب پر سوار ہے اور کیا پریشانی ہو سکتی ہے مجھے۔''

''یہ نکمی اولاد آپ کی بھی ہے۔'' بلقیس نے چائے کا کپ پکڑاتے ہوئے انہیں گھورا۔

''یہی تو دکھ ہے باپ کی محنت ومشقت ان کی گھٹی میں کیوں نہ پڑی، عورتوں کی طرح سہل پسندی ان کے جی کو بھا گئی ہے۔'' وقار براہ راست تو بلقیس کا نام نہ لے سکے مگر سنا بھی دیا۔

''تمہیں تو ہمیشہ سے ہی میری سستی کا گلہ رہا، نہ میں پوچھتی ہوں، کتنی نوکرانیاں لگوا کر دی تھیں مجھے، دن بھر کولہو کے بیل کی طرح جتی رہتی ہوں، اولاد کو پال کر جوان کر دیا، پر تمہیں ابھی بھی میری ذات میں کیڑے نظر آتے ہیں، اس عمر میں عورتیں بہوؤں کا سکھ پاتی ہیں، دس گھروں میں پھر کر جی ہلکا کرتی ہیں اور مجھے اس گھر کے دھندوں سے ہی فرصت نہیں۔''

''تو پھر کہو ناں، بیٹوں سے کہ کسی کام دھندے سے لگیں تا کہ تم بھی بہوؤں کا سکھ پاؤ۔''

''ہاں اب سوچ لیا ہے میں نے، مجھ سے بھی اب یہ گھر کے کام دھندے نہیں ہوتے، جوڑ جوڑ دکھ جاتا ہے میرا، اب تو مجھے بھی گھر میں بہو کا آرام چاہیے۔'' بلقیس کے چہرے پر تھکن در آئی۔

''تمہارا کیا خیال ہے میرا دل نہیں چاہتا کہ میں بیٹوں کے سر پر سہرا سجا دیکھوں، جس عمر میں فہد ہے میں دو بچوں کا باپ بن چکا تھا۔''

''اللہ خیر رکھے وہ بھی بن جائے گا کون سی عمر نکل گئی۔''

''جو اس کے اطوار ہیں ناں اس میں عمر نکلتی ہی دکھائی دیتی ہے۔''

''اب بچوں کو بد دعائیں دینے پر آ گئے تم،

اللہ سے اچھی امید رکھو۔'' بلقیس نے ان کی کہی بات پر ناراضی سے انہیں دیکھا۔

''فہد میرے ساتھ دکان پر جانے لگ جائے تو کاروبار کچھ ہی عرصہ میں ترقی کر جائے گا، جوان خون کی محنت گرے گرے کاروبار کو بھی کھڑا کر دیتی ہے، یہاں تو پھر چلتی دکان ہے مگر ان کو پروا ہو تب ناں۔'' وقار کی آنکھوں میں بیٹوں کے لئے فکرمندی اور لہجے میں شکوہ تھا۔

''کتنی ہی بار سوچتا ہوں کہ صمد سے فہد کے لئے بات کروں مگر پھر وہی اس کی بے روزگاری آڑے آجاتی ہے۔'' وقار کی بات سن کر بلقیس کے ماتھے پر تیوریاں چڑھ گئیں۔

''میں صاف لفظوں میں کہے دے رہی ہوں، مجھے تمہارے کسی بھی بھائی بہن کی بیٹی اس گھر میں بہو کی صورت میں نہیں چاہیے، میرے بیٹے ہیں بہوئیں بھی میں ہی مرضی سے لاؤں گی۔'' وہ چیخ کر بولیں۔

''یاد رکھنا بیٹے میرے بھی ہیں اپنی مرضی چلانا میں بھی جانتا ہوں مگر نکھٹو بیٹوں کے لئے اپنی لائق فائق بھتیجیاں میں ڈبونا نہیں چاہتا۔'' وقار نے ایک ایک لفظ چبا کر ادا کیا اور بلقیس نے ان کے الفاظ پر جبڑے بھینچ لئے۔

''لائق فائق بھتیجیاں۔'' بڑبڑاتی ہوئی وہ وہاں سے اٹھ گئی تھیں اور وقار نے ان کے اٹھ جانے کو اپنے لئے غنیمت سمجھا۔

☆☆☆

وہ چت لیٹی تسبیح کے دانے گھما رہی تھیں تہجد پڑھ کر وہ پھر سے اپنے بستر پر آلیٹی تھیں اور اب فجر کی اذان کے انتظار میں تھیں جب سے بخار ہوا تھا اس نے کمر توڑ کر رکھ دی تھی، زیادہ دیر بیٹھنا دشوار ہو گیا تھا سو لیٹے لیٹے اذکار کرنے لگیں۔

میں تنہا رات کاٹنا بھی اکیلے پہاڑ کاٹنے کے مترادف ہے دن تو بچوں کو س پڑھانے اور گھر کے مختلف کاموں میں گزر جا ویسے بھی اب ان میں اتنا کام کرنے کی ہمت کہاں رہی تھی، سیپارہ پڑھنے والی بچیاں سار کام کرجاتیں۔

آج کل تو بس ان کے دل میں ایک خواہش جڑ پکڑ رہی تھی کہ اپنے رب کے گھر دیدار نصیب ہو جائے مگر پھر معاملہ محرم کا آجا نہ باپ رہا نہ بھائی، صمد اور وقار ان کے چچاز بھائی تھے مگر تو نا محرم، ان کی اولادیں دنیا و رنگینیوں میں الجھی تھیں ویسے بھی ایک بڑھیا د ذمہ داری کون لیتا۔

شوہر کا سوچ کر سینے میں دبی آہ نکل گئی زندگی کے چند بھیانک ماہ و سال جو ساری زندگ پر اپنا رنگ جما گئے کہ پھر ان کی سیاہ بختی کبھی ج ہی نہ ہوئی۔

☆☆☆

زینت ماں باپ کی نازوں پلی اکلوتی بیٹی بھائی کی لاڈلی کو کیسے اپنے وقت کے شاہانہ اندا میں رخصت کیا گیا تھا، لڑکیاں دولہا کو دیکھ کر آتیں تو چٹکی کاٹ کر سرگوشی کرتیں، کیسا گبھر جوان، سرخ و سفید رنگت کا مالک تھا اس کا مجازی خدا، وہ سکھیوں کی بات پر شرم سے گلنار ہوئی جاتی تھی، شوہر اگر حسین تھا تو وہ بھی کم نہ تھیں بڑی بڑی غلافی آنکھیں، دہکتے انار جیسے رخسار، متناسب جسامت کی مالک شوہر کے دل میں اترتی چلی گئی، صبح سے شام تک گھر والوں کی سیوا کرتی تو شام کو دلیر کی خدمت میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھتی۔

دوپٹے کے ہالے میں اس کا پھول سا مکھڑا دلیر کا دل ہی کھینچ لے جاتا، سینا پرونا، کھانے پکانے ہر کام میں ماں نے طاق کر کے بھیجا تھا، سو

جلد ہی پورے گھر کے دلوں پر راج کرنے لگی، دو نندیں بیاہی جا چکی تھیں اور دو کنواری تھیں، انہیں بھی اپنے ساتھ لگا لیتی کڑھائی کرنا سکھاتی تو کبھی اون سلائی لے کر سویٹر بننے کے طریقے بتانے بیٹھ جاتی۔

ساجدہ تو خوب دل لگا کر بھابھی کے ہاتھوں کا ہنر اپنے ہاتھوں میں منتقل کر رہی تھی مگر چھوٹی نازیہ کا دل سلائی کڑھائی سے زیادہ سہیلیوں کے ساتھ پھرنے میں لگتا تھا، جب بھی زینت اسے فریم لے کر بٹھاتی کوئی نہ کوئی سہیلی پراندہ جھلاتی اسے بلانے آ جاتی اور وہ سب کچھ وہیں چھوڑ چھاڑ اپنے لباس کی شکنیں درست کرتی بال بناتی سہیلی کے ساتھ یہ جا وہ جا۔

ساجدہ منہ بناتی ماں سے شکایت کرتی تو وہ بھی خوب آڑے ہاتھوں لیتیں، رفتہ رفتہ وہ بھابھی سے متنفر ہوتی چلی گئی دل میں ان سے خار کھانے لگی جس کی وجہ سے ماں کی ڈانٹ اور بہن کی جلی کٹی باتیں سننے کو ملتی تھیں۔

اکثر موقعوں پر وہ زینت کے ساتھ بدتمیزی کر جاتی مگر زینت نے ہمیشہ برداشت سے کام لیا، ماں کے ڈانٹنے پر بھی وہ اس کی سائیڈ لیتی۔

”ارے اماں رہنے دیں ابھی چھوٹی ہے، جو کہتی ہے کہنے دیں میرے لئے بہنوں جیسی ہے۔“ وہ دل میں کسی بھی قسم کا بغض رکھے بغیر پیار بھری نظر ڈالتی۔

”یہ تمہیں چھوٹی نظر آ رہی ہے تم سے صرف تین برس چھوٹی ہے، کیسی ذمہ داری سے تم نے پورے گھر کو سنبھالا ہوا ہے نہ شوہر کو شکوہ نہ سسرالیوں کو تم سے کوئی گلہ، یہ اگلے گھر جائے گی تو کیا ماں باپ کی صلواتیں سنائے گی کہ ماں نے کوئی ڈھنگ، سلیقہ سکھا کے نہ بھیجا۔“

”راشدہ باجی کی عادت کا پتا ہے مجھے، وہ ان دونوں کو بھانجیاں بنا کر ہرگز نہیں رکھیں گی، بہوؤں کی نگاہ سے ان کے ہر کام کی جانچ پڑتال کریں گی۔“

زینت ساس کے منہ سے اپنی تعریف سن کر کھل اٹھی تھی اور ساتھ میں نازیہ کے لئے فکر مند بھی ہو گئی کہ دونوں بہنوں کی سگی خالہ کے گھر سگائی (منگنی) ہوئی تھی اور راشدہ خالہ بڑے تیکھے مزاج کی تھیں۔

تاہم اس نے ساس کو تسلی دی کہ وقت کے ساتھ ساتھ سمجھ آ جائے گی۔

☆☆☆

سرما کی دوپہر میں وہ کھلے صحن میں بیٹھی ساگ کاٹ رہی تھی، ساس پڑوس میں بچے کی میار کباد دینے گئی تھیں، ساجدہ کی طبیعت ناساز تھی وہ اندر رضائی میں منہ دیئے پڑی تھی، جب ہی کھلے دروازے سے دلیر آتا دکھائی دیا۔

ساگ کاٹتے ہاتھوں میں چھری کانپ سی گئی، دلیر کو اس نے کبھی آنکھ بھر کر کبھی نہ دیکھا تھا دیکھتی بھی تو کیسے، جب بھی نگاہ ملی دلیر کو اپنی طرف مخمور نگاہوں سے دیکھتا ہی پایا، اسے لاج آ جاتی، اب بھی کچھ یہی کیفیت تھی۔

دلیر گھر میں کسی کو نہ پا کر چارپائی پر اس کے قریب بیٹھ گیا، نگاہیں اسی پر مرکوز تھیں وہ چھری چلانا چھوڑ چکی تھی، ساگ کے پتوں سے کھیلنے لگی۔

”آپ اس وقت گھر کیسے آ گئے؟“ کانپتی آواز میں اس نے پوچھ ہی لیا۔

”تمہیں دن کے اجالے میں دیکھنے کی خواہش مجھے اس وقت گھر لے آئی، دیکھنا چاہتا تھا کہ دن میں سوچ زیادہ دمکتا ہے یا تمہارا روپ۔“ دلیر نے مسکرا کر کہا تو وہ ہونٹ کاٹنے لگی، ہونٹ کاٹنے سے لبوں کی سرخی اور بڑھ گئی۔

"اگر ایسے ہی انداز اپنائے رکھے تم نے تو نہ آج تم ساگ پکا سکو گی اور نہ ہی میں دکان پر جا سکوں گا۔" دلیر کی گمبھیر آواز نے زینت کی دھڑکنیں منتشر کر دیں۔

وہ ایسا ہی تھا اس کی ایک ایک ادا پر نثار ہونے والا۔

"زینت تم واقعی میرے گھر کی زینت ہو، تمہاری موجودگی میں گھر کیسا روشن لگ رہا ہے۔"

وہ اظہار کر رہا تھا اور اس کی پلکیں بار حیا سے خم ہوئی جا رہی تھیں، دلیر پائنتی میں نیم دراز ہو گیا اور اس کے دوپٹے کا پلو اپنے منہ پر رکھ کر جیسے اس کی خوشبو سانسوں میں اتارنے لگا۔

ان کے اطراف محبت نے حصار باندھ دیا، دونوں محبت کی معطر فضا میں سانس لینے لگے، دلیر کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ سب کچھ چھوڑ کر چاہت کے اس احساس تلے دبتا چلا جائے، اطراف سے بے خبر ہو جائے، اسی دم دروازہ کھلنے پر مٹھو کا شور شروع ہو گیا۔

"اماں آ گئی، اماں آ گئی۔" دلیر ایک جھٹکے سے اس کے پاس سے اٹھا تھا، پتا نہیں اماں نے اسے زینت کے پاس بیٹھے دیکھا تھا یا نہیں، وہ شرمندہ سا اندر کمرے کی طرف بڑھ گیا۔

وہ صحن میں دوسری چارپائی پر پاؤں اوپر کر کے بیٹھ گئیں زینت نظریں نیچی کیے پھر سے ساگ کاٹنے میں مشغول ہو گئی۔

"تم اس وقت گھر میں کیسے نظر آ رہے ہو؟ خیر تو ہے؟" انہوں نے دلیر کی طرف دیکھا جو اندر کمرے میں سے ہاتھ میں کچھ اٹھائے باہر آ رہا تھا۔

"ابا نے پیسے لینے کے لئے بھیجا تھا، بیوپاری آیا ہوا ہے اسے دینے تھے اسی لئے آیا تھا۔" وہ ماں کے قریب بیٹھ گیا۔

"آپ کہاں گئی تھیں؟"

"سعیدہ کے پوتا ہوا ہے اسی کی مبارک دینے گئی تھی، اللہ جلدی سے مجھے بھی اس گھر میں پوتے کی قلقاریاں سنا دے، سعیدہ کے گھر کیسی رونق لگی ہے حلوائی مٹھائی تیار کر رہا ہے، اللہ مجھے بھی یہ خوشی دے تو پورے سوا دو من مٹھائی تیار کرواؤں گی سب کا منہ لڈوؤں سے بھر دوں گی۔" ان کی بات سن کر وہ دونوں خفیف سے ہو گئے، زینت جلدی سے پرات اٹھا کر باورچی خانے کی طرف چل دی کہ سامنے بیٹھے دلیر کی مسکراتی نگاہوں کی حدت اس کے رخسار جلا رہی تھی، دلیر بھی مسکراتا ہوا ماں کو سلام کرتا گھر سے نکل گیا۔

☆☆☆

کتنے ہی دن بلقیس وقار سے کھنچی کھنچی رہیں، ان کی بات پر پتھر سا جواب دیتیں مگر آخر کب تک۔

ذہن میں جو کھچڑی انہوں نے پکائی تھی، ضروری تھا کہ وقار کو مناسب لفظوں میں اس سے آگاہ کیا جاتا، سو ایک دن اپنا موڈ خود ہی درست کر کے لہجے میں بشاشت لئے ان کا من پسند میٹھا بنا کر ان کے پاس چلی آئیں، وقار چونک گئے مگر خاموش رہے، دو چار سرسری باتوں کے بعد وہ اپنے اصل موضوع کی طرف آ گئیں۔

"آپ آپا کی طرف بھی کبھی چکر لگا لیا کریں۔"

"تمہارا کیا خیال ہے میں ان کی طرف سے غافل ہوں؟" ہاتھ روک کر انہوں نے بلقیس کی طرف دیکھا۔

"شام کو دکان سے واپسی پر ان کی طرف سے ہو کر ہی آتا ہوں، میں ہی کیا غفار اور صمد بھی باقاعدگی سے ان کی خبر گیری کے لئے جاتے

ہیں۔” انہوں نے بیسن کے حلوے کے چمچ سے منہ بھرا۔

“صمد اور غفار بھائی تو ہیں ہی مطلبی، انہوں نے تو چکر لگانے ہی ہیں۔”

“کیا مطلب؟”

“مطلب تو صاف واضح ہے آپا کے مکان پر نظریں جمی ہیں ان کی، جب ہی تو دن رات چکر لگتے ہیں۔”

“اپنے دماغ سے اس فتور کو نکال دو، ان کو آپا سے کسی بھی قسم کا لالچ نہیں، محبت اور رشتے کا احساس انہیں وہاں لے جاتا ہے اور پھر ہمارے علاوہ ان کا اور ہے کون؟” پلیٹ خالی کر کے انہوں نے سائیڈ پر رکھی۔

“یہی تو میں چاہ رہی ہوں کہ انہیں یہ احساس دلائیں کہ ان کا ہمارے سوا اور کون ہے، انہیں راضی کریں کہ وہ یہاں ہمارے پاس آ کر رہیں۔”

“جب تم اچھی طرح جانتی ہو کہ وہ اپنا گھر کسی بھی طور چھوڑنے پر راضی نہیں تو پھر بار بار یہ بات کیوں کرتی ہو؟” بیڈ سے ٹیک لگا کر انہوں نے ٹانگیں پھیلا لیں۔

“پتا نہیں آپا کو اس کھنڈر سے کیا دلچسپی ہے جو چھوڑنے کو تیار نہیں۔” ماتھے پر شکن لئے وہ بولیں۔

“تمہارے لئے وہ کھنڈر ہے مگر ان کا آشیانہ ہے، انہوں نے اپنا بچپن، جوانی سب وہیں گزاری ہے، یادیں جڑی ہیں پھر کیسے وہ اس جگہ کو چھوڑیں۔”

“جو ان کا اصل گھر تھا اس کو چھوڑنے میں تو انہوں نے ذرا نہ سوچا، ہر رشتے کو ٹھوکر مار کر نکل آئیں۔”

“بیکار کی باتیں مت کرو، انہوں نے ہر رشتے کو ٹھوکر نہیں ماری، ان صابر خاتون کو ٹھوکروں کی زد میں رکھا جاتا تھا وہ بھی انسان تھیں کہاں تک مظالم برداشت کرتیں۔”

“عورت اپنا گھر بسانے کے لئے ہر ظلم برداشت کر لیتی ہے، آخر ہم بھی تو ہیں۔” بلقیس کی بات پر وقار کا پارہ چڑھ گیا۔

“کون سے ظلم کے پہاڑ توڑے ہیں میں نے تم پر، چند سال تو تم میری ماں کے ساتھ گزارا نہیں کر سکیں، فوراً ہی الگ گھر کی رٹ لگا دی، یہ میری ماں کا ہی حوصلہ تھا جو تمہیں چند سال بھی برداشت کیا۔” وقار کی بات پر بلقیس کو غصہ تو بہت آیا مگر ضبط کر گئیں۔

“اس قصے کو چھوڑو کہ میں نے تمہاری ماں کو برداشت کیا یا انہوں نے مجھے، فی الحال آپا کی بات ہو رہی ہے۔”

“تو پھر تم بھی انہی تک رہو۔” عینک کے پیچھے سے وقار نے انہیں گھورا وہ سلگ گئیں۔

“میری بات ذرا ٹھنڈے دماغ سے سننا، بیچ میں ہی لتاڑنے نہ بیٹھ جانا، جو تمہاری عادت خاص ہے۔” انہوں نے بھی جوابی حملہ کر کے ہی چین لیا۔

وقار کے کان کھڑے ہو گئے وہ مکمل طور پر بلقیس کی طرف متوجہ تھے۔

“آپا اب عمر کے اس حصے میں ہیں جو بونس میں ملتا ہے کیا پتا کب فرشتہ اجل در کھٹکھٹا دے، محلے والے تھو تھو کریں گے، اتنا بڑا خاندان اور آخری وقت میں اکیلے سانسیں پوری کیں، پانی کا گھونٹ ڈالنے والا بھی پاس نہ تھا، میں سوچ رہی ہوں آپا کو ہم یہاں اپنے پاس لے آتے ہیں اور مکان کو مرمت وغیرہ کروا کے فی الحال کرائے پر دے دیتے ہیں ایک معقول آمدنی ہر مہینے ہاتھ آئے گی، کچھ میں اپنا زیور بیچ دوں گی، تھوڑا بہت

میرے بھائی جمال لگا دیں گے، یہ تو طے ہے نوکری تو اس ملک میں میرے بچے کو ملنے سے رہی، یونہی خوار ہوتا اپنے بال جھڑوائے گا، باہر نکل گیا تو باقی بھائیوں کی بھی زندگی سنور جائے گی، کچھ کھلے ہاتھ کا سکھ میں بھی دیکھ لوں گی۔" اپنی بات مکمل کر کے انہوں نے شوہر کی طرف دیکھا جو آنکھوں میں غم وغصہ کی کیفیت لئے ان پر نظریں جمائے تھے۔

"شرم نہیں آتی دوسروں کے مال پر نظریں رکھتے ہوئے، ان کی چیز وہ جانیں، ہم کہاں سے ان کے مکان کے کرائے کے حقدار بن گئے۔"

"کیوں ایسا کیا غلط کہا میں نے، ہم حقدار نہیں تو اور کون ہوگا، ان کی اپنی اولاد تو کوئی ہے نہیں، چچا تایا کی اولاد ہی حقدار ہوتی ہے ترکے کی۔"

"مجھے تمہاری ذہنیت پر افسوس ہو رہا ہے، غفار اور صمد نے آج تک ایسی بات منہ سے نہیں نکالی اور تم نے کہاں تک کی پلاننگ کر لی، اب سمجھ میں آ رہا ہے کہ یہ کھانے پینے کی اشیاء لے کر فہد کے ساتھ آپا کے گھر کے تمہارے چکر کیوں لگتے ہیں، اصل میں تو تمہیں آپا سے نہیں ان کے گھر سے لگاؤ ہے۔" شوہر کی بات پر بلقیس کھسیا گئیں۔

"آپا سے لگاؤ ہے جب ہی تو ان کو اپنے گھر لانے کی بات کر رہی ہوں ورنہ بوڑھے بندے کی خدمت کرنا کوئی آسان کام نہیں۔"

"اگر خدمت کرنے کا ایسا ہی دل چاہ رہا ہے تو کل ہی اپنی اماں کو یہاں لانے پر راضی کر لیتا ہوں، وہ بھی تو بوڑھی ہیں خدمت کر لینا، وہ بھی خوش ہو جائیں گی، تمہیں بھی نیکیوں کا خزانہ مل جائے گا۔" وقار نے مسکراتے ہوئے ان کی طرف دیکھا وہ چیں بہ چیں ہو گئیں۔

"جو بات ہو رہی ہے مجھے اس بارے میں رائے دو، کیا میں صحیح نہیں کہہ رہی؟"

"کم عقل عورت بچوں کا مستقبل دوسروں کا حق غصب کر کے کبھی نہیں بنتا، محنت اور زور بازو سے ہی نصیب ہوتا ہے، اپنے دماغ میں جو یہ کھچڑی پکائی ہے اسے نکال دو تو بہتر رہے گا، میں اس معاملے میں تمہارا حمایتی نہیں بنوں گا۔" منہ پر تکیہ رکھ کر انہوں نے کروٹ بدل لی، بلقیس کا خون کھول کر رہ گیا۔

☆☆☆

رب نے زینت کی ساس کی ایسی سنی کہ اس مہینے اسے زینت کی طبیعت گری گری محسوس ہونے لگی فوراً ماتھا ٹھنکا اور ڈاکٹر کے پاس لے دوڑیں، ڈاکٹر نے ان کے شک کو یقین میں بدل کر ان کے چہرے پر خوشی کی لہریں دوڑا دیں، سارے گھر کا کام کاج جو زینت نے سنبھال رکھا تھا، ساس نے بہت سے کام لے کر اپنی بیٹیوں کے ہاتھوں میں منتقل کر دیئے، ہنڈیا روٹی میں بھی اس کا ہاتھ بٹانے لگیں، ساجدہ تو پہلے بھی بھابھی کی مدد کو تیار رہتی تھی اب تو اور بھی خوشی خوشی سارے کام کرنے لگی البتہ نازیہ کا دل بھابھی کی طرف سے بالکل اوب گیا، وہ کام کرتی نخرے دکھاتی، بھابھی کو سو سو باتیں سناتی، یاں گھورتی دھمکاتی مگر وہ بھی اپنے نام کی ڈھیٹ تھی، اٹھا پٹخ کر کے چیزوں پر اپنا غصہ نکالتی، گھر سے نکلنے کا اب اسے ٹائم بہت کم ملتا، سہیلیاں گھر بلانے آتی تو ماں انہیں ٹال دیتی، وہ خون کے گھونٹ پی کر رہ جاتی بھابھی کو خونخوار نظروں سے گھورتی، زینت بیچاری چور بن جاتی۔

گو کہ اس زمانے میں بہوؤں کے ایسے چاؤ چونچلے نہیں کیے جاتے تھے مگر زینت کی ساس نے اکلوتی بہو ہونے کے ناطے اس کا کافی حد

تک خیال رکھا، محلے کی خواتین رشک بھری نگاہوں سے دیکھتیں تو زینت کا اپنی تقدیر پر شکر اور بڑھ جاتا۔

دلیر تو پہلے ہی اس پر فریفتہ تھا اب تو پہلے سے بھی زیادہ وارفتگی میں اضافہ ہو گیا تھا۔

وہ ہاتھ میں چھوٹا سا شاپر پکڑے کمرے میں داخل ہونے لگا تو اماں اچانک ہی سامنے بنے کمرے سے نکلی تھیں اس کے ہاتھ میں لٹکے شاپر کو غور سے دیکھا تو لبوں پر مسکراہٹ رینگ گئی۔

دلیر خفیف ہو گیا۔

''اماں......وہ......زینت کا برفی کھانے کو دل چاہ رہا تھا تو اس لئے لے آیا۔''

''تو کھلا دے پھر، میں نے کب منع کیا ہے، تیری نسل چلے گی اس سے خیال رکھنا تو بنتا ہے، وہ کوئی فرمائش نہ بھی کرے تو تجھے خود سے بھی اس کا احساس کر لینا چاہیے، میری طرف سے کوئی روک ٹوک نہیں۔'' انہوں نے مسکراتے ہوئے بیٹے کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اسے تھپکی دی تو وہ ماں کا ہاتھ پکڑ کر مسکرا دیا اور سرشار سا اپنے کمرے میں چل دیا۔

زینت مسہری پر لیٹی کسی سوچ میں گم تھی، دلیر کے آنے پر سیدھی ہو کر بیٹھی۔

''لیٹی رہو۔'' وہ اس کے قریب ہی بیٹھ گیا، شاپر میں ہاتھ ڈال کر اس نے برفی کا لفافہ کھول کر ایک ڈالی نکال کر زینت کے منہ کے قریب کی۔

''آپ لے بھی آئے میں نے تو ویسے ہی ذکر کیا تھا۔'' وہ شرمندہ سی ہو کر اس کے ہاتھ سے برفی پکڑنے لگی، دلیر نے ہاتھ پیچھے کر لیا۔

''اوں ہوں۔''

''ایسے ہی ذکر کیا تھا یا ویسے ہی، جب میری رانی کا دل کر رہا تھا تو لے آیا اور جب لے کر میں آیا ہوں تو کھانی بھی میرے ہاتھ سے پڑے گی۔'' دلیر نے مسکراتے ہوئے برفی پھر اس کے منہ کے قریب کی زینت نے شرمیلی مسکان سجائے منہ کھول دیا، دلیر نے برفی کا پورا ٹکڑا اس کے منہ میں ڈال کر کچھ سرگوشی کی تھی، زینت کے کان دہک اٹھے تھے، منہ چلانا مشکل ہو گیا تھا اور دلیر کے چہرے پر آنے والے وقت کے خوش آئندہ خیالات نے بشاشت بکھیر دی تھی۔

☆☆☆

صبح ساس نے اس کا کھلا چہرہ بغور دیکھا تھا، ایک ممتا کا روپ اسے نکھار رہا تھا تو دوسری طرف چاہنے والے شوہر نے اس کے حسن کو دو چند کر دیا تھا۔

صحیح کہتے ہیں مرد کی محبت عورت کے چہرے کو خوش نما پھول کی سی تازگی بخش دیتی ہے، یہی حال زینت کا تھا، ساس اس کے چہرے پر پھیلی طمانیت اور خوشی دیکھ کر پرسکون ہو گئی تھیں۔

''زینت بیٹا! دلیر سے تیرا جو جی چاہے فرمائش کر، پر میری ایک بات یاد رکھ۔'' انہوں نے اس کے ہاتھ سے فریم لے کر سائیڈ پر رکھا زینت پریشان ہو گئی۔

''جب بھی تیرا کسی چیز کو دل چاہے بلا جھجک مجھ سے کہہ دینا، ایسی حالت میں عورت کا وقت بے وقت اچھی بری چیز کھانے کو دل کر جاتا ہے، یہ مت سوچنا کہ میں کیا سوچوں گی، جس گھڑی تو مجھ سے فرمائش کرے گی، اسی وقت اپنی دھی (بیٹی) کی فرمائش پوری کروں گی، اپنی خواہش کو دبانا مت، ورنہ بچہ ندیدا (بھوکا) پیدا ہو گا اور میں نہیں چاہتی کہ میرے پوتے کو لوگ ندیدا کہیں۔'' انہوں نے کچھ ایسے انداز میں کہا کہ زینت کی بے ساختہ ہنسی چھوٹ گئی خود وہ بھی

اپنی کہی بات کا مزا لے کر ہنس دیں۔

☆☆☆

پرندے سورج کے تعاقب میں اڑے چلے جا رہے تھے اور زینت اپنی خوشیوں کے ہنڈولے میں مگن سفر کر رہی تھی، اس مرتبہ سردیاں لگتا تھا کچھ زیادہ ہی طویل ہو گئی تھیں یا پھر اسے لگ رہی تھیں، بار بار سردی اسے اپنی لپیٹ میں لے لیتی کبھی زکام ہو جاتا تو کبھی کھانسی کا سلسلہ شروع ہو جاتا۔

ساس نے جو یہ کیفیت دیکھی تو ٹھنڈے پانی میں ہاتھ ڈالنے سے منع کر دیا، اسے مکمل آرام کرانے لگیں، نازیہ کو بھی علیحدگی میں خوب سمجھایا کہ وہ دوسرے جی سے ہے، گھر میں رونق آنے والی ہے بھابھی کا خیال رکھا کر، انہوں نے برتن دھونے کی ذمہ داری نازیہ پر ڈال دی تو وہ چپ چاپ برتن دھونے لگ گئی۔

زینت اس کی طرف متشکر نگاہوں سے دیکھتی تو وہ بھی مسکرا کر بھابھی کو دیکھتی، نازیہ کا رویہ اس سے کافی بہتر ہو گیا تھا خوش اسلوبی سے اپنے ذمے کے کام نمٹاتی اور کبھی کبھار زینت کا دل خوش کرنے کو اس کے پاس بیٹھ کر ڈھیروں باتیں کرتی۔

''دیکھ لینا بھابھی، اگر لڑکی ہوئی تو بالکل میری جیسی پیاری ہو گی۔'' زینت اس کی بات پر مسکرا دی۔

''اے بس رہنے دے، خالی شکل کس کام کی، جو گنوں میں اچھی نہ ہو، تیرے پر تو بالکل نہ پڑے۔'' ماں نے منہ بنا کر کہا تو نازیہ کا منہ بن گیا۔

''اماں تم تو مجھ سے کبھی خوش نہ ہونا۔'' وہ بگڑ گئی تو زینت نے اسے ساتھ لگا لیا۔

''ہاں اماں اب تو آپ اسے کچھ نہ کہیں، دیکھیں سارا دن تو اس کا کاموں میں گزر جاتا ہے، سکھیوں سے ملنے بھی نہیں جاتی۔''

''بھابھی اپنے کھاتے میں گناہوں کا اضافہ نہ کریں، کل اماں جب تائی بانو کے ہاں گئی تھیں تو اپنی سکھیوں سے ملنے کون گیا تھا اور اس کے حصے کا کام کس نے کیا تھا؟'' ساجدہ نے کڑھائی کرتے ہاتھ روک کر بھابھی کو شاکی نگاہوں سے دیکھا تو جہاں زینت نے نظریں چرائیں وہیں ماں نے نازیہ کو کھا جانے والی نگاہوں سے گھورا۔

نازیہ ماں کی طرف سے رخ پھیر کر بیٹھ گئی یہ اس کا ماں سے ناراضی کا مکمل اظہار تھا مگر ماں کب پروا کرتی تھی، اس کی کمر پر آہستگی سے ایک دھموکا لگا کر اور دو چار باتیں سنا کر ہی چین لیا تھا، زینت نازیہ کی کھنچائی پر شرمندگی محسوس کرنے لگی۔

☆☆☆

کل رات سے مینہ برس رہا تھا، ساتھ تیز ہوا بھی کھڑکیوں پر دستک دے رہی تھی، ٹھنڈک میں بے پناہ اضافہ ہو چکا تھا، دلیر سویا ہوا تھا، وہ آہستگی سے لحاف سے نکل کر کمرے سے باہر آ گئی، باہر یخ بستہ ہوا نے اس کا استقبال کیا تھا اس نے گرم چادر اپنے گرد اچھی طرح لپیٹ لی، بارش رات کے کسی پہر رک چکی تھی، پورا صحن درختوں کے پتوں سے بھرا پڑا تھا۔

زینت نے غسل خانے میں سے بالٹی اٹھائی اور نلکے کے نیچے رکھ کر آہستگی سے بھرنے لگی مبادا ساس جاگ جائے بالٹی بھر کر وہ جھاڑو لے صحن دھونے میں مگن ہو گئی۔

ٹھنڈا ہوا کے جھونکے اس کے بدن سے ٹکراتے تو ٹھنڈ اس کی ہڈیوں تک میں گھس جاتی، سردی سے اس کے ہونٹ نیلے پڑ رہے تھے مگر وہ

کام میں جتی تھی، اسے بالکل بھی اچھا نہیں لگتا تھا کہ وہ سارا دن آرام کرے اور ساس اور نندیں کام کریں۔

جلدی جلدی پانی ڈال کر جھاڑو سے اینٹوں کا فرش دھوتی وہ آگے بڑھتی جا رہی تھی، وہ ساس کے اٹھنے سے پہلے صحن دھو کر فارغ ہو جانا چاہتی تھی، اگر وہ اٹھ جاتیں تو...... تو ٹھنڈ میں اسے بھی کام نہ کرنے دیتیں، ان کی محبت پر اس کے تخ لب مسکرا دیئے، سوچوں میں گھری اس کے ہاتھ مسلسل حرکت میں تھے، جب ہی پیچھے سے اس کے متحرک ہاتھوں کو کسی نے روک لیا، زینت نے ڈر کر پیچھے مڑ کر دیکھا، نازیہ اسے گھور رہی تھی۔

”یہ کیا کر رہی ہیں آپ؟ اس ٹھنڈ میں یہ کوئی فرش دھونے کا وقت ہے، اگر خدانخواستہ بیمار پڑ گئیں تو جانتی ہیں کہ کتنا نقصان ہو سکتا ہے۔“ نازیہ نے اس کے ہاتھ سے جھاڑو لے کر پھینکی، اس کے گرد شال اچھی طرح لپیٹی، زینت کے ٹھٹھرتے ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں لے کر محبت سے دبایا۔

”آپ کمرے میں جا کر آرام کریں، میں دھو لیتی ہوں فرش بس آپ ہمارے اس گھر میں آنے والی خوشی کا خیال رکھا کریں باقی کام ہم دونوں بہنیں سنبھال لیں گی۔“ وہ بہت محبت سے اس کے گلے لگے کہہ رہی تھی، زینت مسکرا دی، نازیہ نے اسے کمرے میں بھیج کر ہی دم لیا اور خود ہاتھ میں جھاڑو پکڑ کر شڑاپ شڑاپ فرش دھونے لگی، صرف یہی نہیں ذرا دیر ہی گزری تھی کہ گرم گرم دودھ پتی اور بوائل انڈے لئے وہ کمرے کے دروازے پر کھڑی تھی، زینت نے متشکر نگاہوں سے اس کے ہاتھوں سے ٹرے پکڑی تھی۔

لگتا تھا اماں کی لی گئی کلاس اس پر اچھا خاصا اثر کر رہی تھیں، وہ بند لبوں سے مسکرا دی۔

☆☆☆

کل شام سے زینت کی طبیعت ذرا ڈھیلی تھی وہ دھوپ میں کسلمندی سے پڑی رہی، دھوپ اچھی خاصی تیز تھی اسے چبھنے لگی تو وہ اٹھ کر اندر اپنے کمرے میں چلی آئی، کمرے میں داخل ہوتے ہی وہ کسی وجود سے ٹکرائی تھی۔

چند ثانیے تو وہ باہر کی روشنی سے چندھیائی آنکھوں سے کمرے میں دیکھتی رہی، وہ نازیہ تھی جو اسے تھامے کھڑی تھی۔

”آپ ٹھیک ہو نا بھابھی؟“ فکرمندی سے کہتی وہ اسے مسہری تک لے آئی۔

”ہاں ٹھیک ہوں، یہ تمہارے ہاتھ میں......؟“

”ہاں آپ کی کچھ شرٹ ہیں، اب میری بھابھی کی شرٹ تنگ ہونے لگیں گی تو سوچا ادھیڑ کر کھول دیتی ہوں۔“ وہ لگاوٹ سے بولی تو زینت شرما گئی۔

اس کا جسم اب قدرے فربہی ہو چلا تھا تنگ قمیضوں میں اس کا سانس گھٹنے لگا تھا سوچ رہی تھی کہ کچھ سوٹ کھول لیتی ہوں مگر طبیعت کی وجہ سے سستی کر رہی تھی۔

”تم کتنی اچھی ہو نازی۔“ اس نے مشکور ہو کر نازی کے ہاتھ تھام لئے۔

”وہ تو میں ہوں آپ کو دیر سے پتا لگا ہے، پر اماں کو تو ہمیشہ مجھ سے گلہ ہی رہتا ہے۔“

”ایسی بات نہیں ہے وہ ماں ہیں تمہیں بہت چاہتی ہیں، بس اظہار میں تھوڑی کنجوس ہیں۔“ وہ اس کی لمبی چوٹی سے کھیلتے اسے بہلانے لگی۔

”اچھا بھابھی، ابھی اماں کو نہ بتانا کہ میں آپ کے کپڑے لے کر گئی ہوں ورنہ فکرمند ہوں

گی کہ کہیں خراب ہی نہ کر دوں حالانکہ آپ جانتی ہیں کہ اچھی خاصی سلائی آتی ہے مجھے۔'' زینت کو ہنسی آ گئی وہ اچھی طرح جانتی تھی کہ اسے کس حد تک سلائی آتی ہے۔

''تم بے فکر رہو اماں کو بالکل بھی خبر نہیں ہو گی کہ تم میرے کپڑے ٹھیک کر رہی ہو، جب پہنو گی تبھی یہ راز کھولوں گی۔'' زینت نے اسے تسلی دی تو وہ مطمئن ہو کر اس کے کمرے سے نکل گئی۔

☆☆☆

اس کے اوپر پڑنے والے تابڑ توڑ تھپڑوں نے نہ صرف اس کا منہ سن کر دیا تھا بلکہ دماغ کے سارے پرزے جام کر ڈالے تھے، الزام اتنا اچانک اور بھیانک لگا تھا کہ زبان سلب ہو گئی تھی، بولتی بھی تو کیسے سارے ثبوت اس کے خلاف چیخ چیخ کر گواہی دے رہے تھے، ایسے میں اس کا چیخنا چلانا اپنی بے گناہی ثابت کرنا سب فضول تھا۔

اس نے تو سنا تھا کہ اندھیرے گناہوں کو ڈھانپ لیتے ہیں مگر یہاں تو اندھیرے نے اس کی زندگی کی روشنیاں ہی نگل لی تھیں۔

سورج کی چمکتی کرن میں اس کا شفاف کردار رات کے آخری پہر کی تاریکی میں تاریک ہو گیا تھا، وہ منہ کے بل گری تھی کبھی نہ اٹھنے کے لئے۔

''بے غیرت تیرے گریز کو میں ہمیشہ شرم پر محمول کرتا رہا مجھے کیا پتا تھا کہ دل تو کسی اور کو تھما کے آئی ہوئی ہے پھر میری طرف کیسے جھکاؤ ہونا تھا۔'' وہ اسے بالوں سے گھسیٹتا ہوا کمرے میں لے گیا تھا۔

سر سے چادر اتر کر اس کے پیروں میں الجھتی چلی گئی، پتھرائی آنکھیں سارا منظر بے یقینی سے دیکھ رہی تھیں، اس نے مڑ کر ایک نظر پیچھے کھڑے نفوس پر ڈالی کہ شاید اس کی پارسائی کی گواہی دینے کو کوئی لب ہلے مگر سب کی آنکھوں میں اس کے لئے حقارت تھی، نفرت تھی۔

☆☆☆

کل تک جس گھر میں اس کے لئے اپنائیت تھی، محبت تھی ہمدردی کے جذبات تھے آج وہ ان کا سامنا کرنے سے گھبرا رہی تھی۔

صبح ہوتے ہی ساس نے ایک بار پھر گاؤں کی میڈ وائف کو طلب کر لیا مگر اس بار طلب کرنے کی نوعیت الگ تھی۔

ساس نے زبردستی آنکھوں میں خشونت لئے میڈ وائف سے پھکی لے کر اس کے منہ میں پھینکی تھی، پھکی حلق میں اٹک گئی، دھانس لگی، آنکھوں سے پانی بہنے لگا، ملتجی نگاہوں ساس پر ٹکائیں اور بری طرح کھانستی ہوئی الٹی کرنے کو جھکی مگر فوراً ہی بالوں سے پکڑ کر اسے چارپائی پر چت لٹا دیا اور پانی کا گھونٹ اس کے منہ میں ڈال دیا، گلے میں پانی اٹکا تو سانس بھی اٹکنے لگی، اسے لگا وہ دو قصاب کے بیچ ذبح کی جا رہی ہو، ہاتھ پاؤں مار کر اپنی جان بچانے کی کوشش میں لگی ہو مگر سب بے سود، جس طرح قصائی مزاحمتی کوششیں بے کار ثابت کر کے پوری طرح قابو کر کے گلے پہ چھری پھیر دیتا ہے یہی سب اس کے ساتھ ہوا، اس کی خوشیوں پر بھی چھری چلا دی گئی ممتا کے احساس کو کچل دیا گیا، ماں کے رتبے پر فائز ہونے کی خوشی چھین کر بچے کی موت پر آنسو بہانے پر مجبور کر دیا گیا۔

''خس کم جہاں پاک، ایسی بدکردار کی کوکھ سے بچے کا جنم سوائے گناہ کے کچھ نہیں۔'' نفرت و حقارت سے کہتی ساس اس کے کمرے سے نکل گئی تھی، وہ پٹی پر سر مار مار کر سسکتی رہی۔

☆☆☆

کتنے ہی دن ہو گئے تھے وہ خالی وجود کا خنجر کی طرح چبھتا احساس لئے گھر کے کاموں میں جتی رہتی، اس کا جسم کسی دق زدہ مریض کا لگتا تھا۔

اس دن کے واقعہ نے اس کے جسم سے سارا خون چوس لیا تھا، سب کچھ ہار جانے اور کھو دینے کا غم اس قدر شدید اور تباہ کن تھا کہ وہ اپنے آپ سے بھی نظریں نہیں ملا پا رہی تھی، پتا نہیں انجانے میں کون سا کیا گیا گناہ اس کی خوشیوں کو یک لخت چاٹ گیا تھا۔

دلیر اس کی شکل دیکھ کر راضی نہ تھا، کتنی ہی بار تین قبیح الفاظ کو زبان پر آنے سے روک لیتا کہ ماں کی نصیحت اس کا منہ بند کر دیتی تھی، کہ طلاق دینے کی غلطی کبھی نہ کرنا، ابھی دو بہنیں بیٹھی ہیں اپنے گھر کی ہو جائیں تو ٹھوکر مار کر باہر کر دینا، سو وہ ٹھوکروں میں رہنے لگی۔

ماں اس کے ہر غم سے نا آشنا رہی اسے معلوم نہ تھا کہ نازوں پلی بیٹی کن ندامت کے داغ سجا کر دکھوں کو جھیل رہی ہے۔

پورے گھر میں ایک ساجدہ تھی جو ہمدردی کی نظر اس پر ڈال لیتی مگر اس کی حمایت میں ایک لفظ بولنے کی ہمت اس میں بھی نہ تھی۔

زینت کی بے گناہی کا دل اعتراف تو کرتا تھا مگر اظہار نہ کرتا تھا کہ اظہار اس گھر کے در و دیوار کو ہلا کر رکھ دیتا، کتنی ہی جانیں چلی جاتیں اور کتنی ہی پشتوں میں بدنامی کا داغ جدا نہ ہوتا۔

☆☆☆

وقار غیض و غضب سے کانپتے گھر میں داخل ہوئے تھے ایک لمحے کو تو بلقیس بھی خوفزدہ ہو گئی تھیں مگر پھر اپنی ازلی ہٹ دھرمی میں آ گئیں۔

''تمہیں کچھ خوف خدا ہے کہ نہیں، خاندان بھر میں تو تم نے مجھے اپنی حرکتوں سے ذلیل کروایا ہی ہے اب کیا آخرت میں بھی رسوا کرو گی۔'' وہ کھا جانے والی نگاہیں ان پر گاڑھے ہوئے تھے۔

''ایسا کیا کر دیا میں نے جو یوں بن بادل کی طرح برس رہے ہو؟'' بلقیس کا اطمینان قابل دید تھا۔

''سب کچھ کر کے بھی پوچھ رہی ہو کیا کیا ہے میں نے؟ میرا نہیں تو اپنا ہی خیال کر لو، تم نے بھی کل کو رب کو منہ دکھانا ہے، لوگوں کا مال غضب کر کے دل دکھا کر کس منہ سے اس ذات کا سامنا کرو گی؟ جس اولاد کے لئے یہ سب کچھ کر رہی ہو ناں، کل کو اس نے قبر پر فاتحہ پڑھنے بھی نہیں آنا۔''

''ایسی اولاد نہیں ہے میری۔'' وہ تڑپ اٹھیں۔

''جانتا ہوں ایسی اولاد نہیں ہے مگر حرام کا مال کھا کر ایسی ہی ہو جائے گی، کیوں اپنا اور میرا بڑھاپا رول رہی ہو، عزت کی زندگی اور روٹی میں تمہارا گزارا نہیں ہوتا؟'' وہ چیخ ہی پڑے تھے۔

''جب مال ہے ہی اپنا تو اسے لینے میں کیا ڈر، کیا خوف؟ کتنی ہی بار محبت سے سمجھایا مگر بڑھیا کی عقل میں بات ہی نہیں آتی بڑھاپے میں خدمت کروانے کی بجائے رل رہی ہے۔'' ماتھے پر شکنیں ڈالے انہوں نے بڑی نخوت سے کہا تھا، وقار جلال میں آ گئے وہ پھنکارتے ہوئے تیزی سے ان کی طرف بڑھے تھے، بچے کمروں سے باہر نکل آئے، وقار نے پوری قوت سے بلقیس کا بازو مروڑا تھا۔

''اگر آئندہ تمہاری زبان سے آپا کے لئے بڑھیا کا لفظ نکلا تو تو یہ زبان گدی سے کھینچ لوں گا، بڑوں کا ادب اگر آج تم نے نہیں کیا تو پھر اپنی اولاد سے بھی احترام کی توقع رکھنا عبث ہے۔'' وہ

جبڑے بھینچے خوں آشام نگاہوں سے انہیں دیکھ رہے تھے، بلقیس ہکا بکا رہ گئی تھیں، ہمیشہ ان کی مانے والا شخص کیسے یکدم غیر بنا کھڑا تھا، سرد گرمی تو دونوں میں چلتی رہتی تھی مگر اس طرح تکلیف دینے کی جرأت انہوں نے کبھی نہ کی تھی۔

''دیکھ لو اپنے باپ کو، اس بڑھیا کی خاطر میری ہڈیاں توڑ رہا ہے۔'' بچوں کو دیکھ کر انہوں نے واویلا شروع کیا۔

''ابھی توڑی تو نہیں ہیں ہاں اگر تم سیدھی نہ ہوئیں تو یقیناً توڑ بھی دوں گا۔'' انہوں نے جھٹکے سے بلقیس کا بازو چھوڑا وہ لڑکھڑا گئیں، بچے ان کی طرف بڑھے تھے۔

''اپنی ماں سے کہہ دو جس وکیل کو آپا کے گھر کا مقدمہ لڑنے کو کہا ہے اس سے کیس واپس لے لے ورنہ دوسروں کا گھر چھینتی کہیں خود ہی بے گھر نہ ہو جائے۔''

''تو اب تم مجھے دھمکی دو گے؟'' وہ سینہ ٹھونک کر سامنے ہوئیں، حماد، نبیل ماں کو باپ کے سامنے سے ہٹانے کی کوشش کرنے لگے مگر وہ کب کسی کی سنتی تھیں۔

''دھمکی نہیں دے رہا تمہیں آگاہ کر رہا ہوں۔'' وقار کی بات پر وہ استہزائیہ ہنسی تھیں۔

''شاید تم بھول گئے ہو وقار کہ حماد کی پیدائش پر یہ گھر تم نے میرے نام کر دیا تھا، سو آئندہ اگر دھمکی دو تو ذرا سوچ کر دینا، گھر سے میں نہیں کوئی اور ہی جائے گا۔''

وہ سارے لحاظ بالائے طاق رکھے شوہر کے سامنے سینہ تان کر کھڑی تھیں، وقار سکتے میں آ گئے، یکدم وہ سینے پر ہاتھ رکھ کر جھکے تھے، زبان کچھ کہنا چاہتی تھی مگر سلب ہو گئی وہ لڑکھڑا کر گرے تھے، بچے چیختے ہوئے ان کی طرف بڑھے تھے، خود بلقیس بھی دم بخود رہ گئی تھیں۔

☆☆☆

وقار اسپتال میں زندہ لاش کی صور پڑے تھے انہیں فالج کا شدید اٹیک ہوا تھ دائیں ٹانگ اور بازو مکمل طور پر مفلوج ہو تھے، زبان نے بھی ساتھ چھوڑ دیا تھا، وہ غو غاں کر کے بات کرنا چاہتے تھے مگر ان کی بات سمجھ نہیں آتی تھی، ڈاکٹر نے شدید ذہنی دباؤ شکار بتایا تھا کہ فی الحال مریض کو پرسکون ر جائے، پندرہ دن ہسپتال رہ کر انہیں گھر لے آ تھے، وہ بالکل لاچار ہو چکے تھے دوسروں محتاج، بیٹے باپ کی خدمت میں لگے رہتے ا بلقیس بھی ان کا ہر ممکن حد تک خیال رکھنے کوشش کرتیں مگر آخر کب تک؟ آہستہ آہستہ سب ہی ان سے تنگ آنے لگے وقار اپنی بے بسی آنسو بہاتے۔

بلقیس کو اب کھلی آزادی تھی وہ آسانی آپا کے مکان کا کیس لڑ سکتی تھیں ایک وقار ہی ا کی راہ میں حائل ہوتے تھے باقی سسرال کو تو آڑے ہاتھوں لیتی تھیں، فہد باپ کی دکان جانے لگا تھا، نبیل اپنے باہر جانے کے چکروں میں تھا، روز ماں سے زیور بیچنے کا مطالبہ کرتا۔

''کچھ دن صبر نہیں ہوتا تم سے؟ بس کچھ دنوں کی بات ہے، فیصلہ ہمارے ہی حق میں ہو گا بڑھیا کب تک پیشیاں بھگتے گی۔''

''مجھ سے اب اور انتظار نہیں ہوتا امی میرے سارے دوست ایک ایک کر کے نکل گئے کئی تو سیٹل بھی ہو گئے میں ہی اکیلا یہاں سڑ رہا ہوں۔'' وہ جھنجھلا رہا تھا۔

''بس جیسے ہی مکان ہمارے نام ہو گا بیچ کر تمہارے باہر جانے کا بندوبست ہو جائے گا۔'' بلقیس نے اس کے بالوں پر ہاتھ پھیرتے ہوئے

سے تسلی دی۔

''اوں......اوں......اوں۔''

یہ ساری گفتگو وقار کے سامنے کمرے میں ور ہی تھی وہ سن تو سکتے تھے مگر بول نہیں، ان ونوں ماں بیٹے کی باتیں انہیں تکلیف دے رہی ھیں، وہ آپا کا مکان بیچنے کی بات کر رہے تھے ور وہ کتنے بے بس تھے کہ کچھ کر نہیں سکتے تھے سوائے آنسو بہانے کے۔

''چپ کر کے پڑے رہو، کیا ملا تمہیں اس ڑھیا کی حمایت کر کے، اگر پرسکون ہو کر میری ت پر غور کرتے تو آج یوں بستر پر لاچار نہ ڑے ہوتے، اپنی زندگی تو خراب کر ہی لی، ماری بھی مشکلوں میں اضافہ کر دیا، سارا جمع جتھا لاج معالجے پر لگ رہا، کبھی اس شخص نے عقل سے کام نہیں لیا، ہمیشہ جذباتی پن دکھایا، نتیجہ ہمیں بھگتنا پڑ رہا ہے۔'' بلقیس کی کڑوی باتیں ان کا ل چیرے دے رہی تھیں۔

''ان کو چھوڑیں امی، مجھے میرے مسئلے کا ل بتائیں۔'' نبیل نے پھر ان کو اپنی طرف توجہ کیا۔

''کیا بتاؤں مسئلے کا حل؟ بتا تو دیا۔'' وہ چیخ گئیں۔

''مکان نام ہونے اور بیچنے تک میں انتظار ہیں کرسکتا۔'' اس کا لہجہ حتمی تھا۔

''تو پھر کیا کروں جان بیچ دوں تمہارے لئے۔'' وہ سیخ پا ہو گئیں۔

''جو بیچنے کی چیز ہے اسے بیچیں۔'' نبیل نے نرمی سے کہا۔

''کیا؟'' آنکھیں سکیڑ کر اسے دیکھا۔

''دکان بیچ دیں، میں باہر چلا گیا تو ایسی ں دکانیں بنا لیں گے ہم، بس ایک بار یہاں سے چلا جاؤں، روپے پیسے کا ڈھیر لگ جائے گا۔''

''شاباش ہے میرے بیٹے، صدقے جاؤں تمہاری سوچ پر، دکان سے جو گھر کی دال روٹی چل رہی ہے اسے بیچ کر وہ بھی بند کرا دوں، فاقوں تک لے آؤ ہمیں، باہر جا کر کیا درختوں سے نوٹ توڑ توڑ کر بیگ بھر بھر کر بھیجو گے جو نئی دکانیں خرید لیں گے۔'' بلقیس نے نبیل کو لتاڑا۔

''امی میں باہر جاتے ہی کام پر لگ جاؤں گا میرے سب یار دوست سیٹل ہو چکے ہیں وہاں، آپ ٹینشن نہ لیں دنوں میں ہمارے حالات بدل جائیں گے، دعائیں دیں گی آپ مجھے۔'' وہ ماں کے گھٹنے سے لگ گیا۔

''اوں...... اوں...... اوں۔'' وقار اس کی بات سن کر زور زور سے نفی میں سر ہلانے لگے کہ جیسے بلقیس کو اس کی بات ماننے سے روک رہے ہوں، ان دونوں نے ان کی طرف دیکھا تھا۔

''آپ بستر پر پڑے پڑے میری راہ میں روڑے اٹکائیں باہر چلا جاؤں گا تو آپ کا بھی کچھ اچھا علاج معالجہ ہو جائے گا ورنہ یونہی بستر پر پڑے پڑے گل جائیں گے۔''

''سمجھائیں امی کو۔'' وہ باپ کی چارپائی کے پاس چلا آیا، وقار نے نفی میں شدومد سے گردن ہلانا شروع کر دی وہ غصے میں بولتا ہر شے کو ٹھوکر مارتا کمرے سے باہر نکل گیا۔

☆☆☆

گناہ کی پاداش میں اسے اگر سنگسار کر دیا جاتا تو شاید وہ تکلیف بھی وہ آسانی سے جھیل جاتی جو اس وقت وہ اٹھا رہی تھی، وہ اور دلیر سمندر کے کناروں کی طرح بہت دور بہت فاصلے پر تھے، کتنی ہی بار اس نے اپنی بے گناہی ثابت کرنے کے لئے لب کھولنا چاہے مگر اس کی سرد مہری نے اس کے لبوں کو منجمد کر دیا، وہ اپنی ضرورت کے

تحت کبھی ان فاصلوں کو پاٹتا تو اگلے کئی دن اسے ندامت اور شرمندگی میں گزارنے پڑتے۔

ساس کے کاٹ دار جملے اور دلیر کی گئی تذلیل سے یوں لگتا کہ وہ کسی جائز رشتے کے بغیر اس کے ساتھ رہ رہی ہے۔

عورت کی گھٹی میں اگر صبر کا مادہ رب نے نہ رکھا ہوتا تو وہ لمحے کی تاخیر کیے بغیر اس گھر اور مکینوں کو چھوڑ چکی ہوتی۔

سینکڑوں میل دور جب بھی کبھی ماں باپ کو بتانے کی سوجھی، بدنامی کا خوف ایسا غالب آیا کہ وہ کانپ اٹھتی، روح تک لرز جاتی، چپ کا قفل لبوں پر لگائے وہ تقدیر کے ستم سہنے پر مجبور تھی۔

تقدیر کا لکھا نہ ہم مٹا سکتے ہیں نہ چھپا سکتے ہیں سو جس غم کو چھپانے کا اس نے اپنے آپ سے عہد کیا تھا وہ عہد اسے خود توڑنا پڑا، دوسری بار اس کے جسم میں ایک نئی روح کے آثار پیدا ہوئے تو ساس نے پھر سے اس میڈ وائف کا در کھٹکھٹایا، وہ ساس کے آگے ہاتھ جوڑے رب سے التجائیں کیں کہ ان کو اس پر رحم آ جائے مگر آزمائش کے دن طویل تھے دوسری بار بھی اس کو کچھ بنا کسی جرم اور پاداش کے اجاڑ دی گئی تو اس کے صبر کا پیمانہ چھلک پڑا، غم سے چارپائی سے ایسی لگی کہ اٹھنے کے بھی قابل نہ رہی۔

اسے جزام کے مریض کی طرح ایک طرف ڈال دیا گیا، دلیر اس کے کمرے کا رخ تک نہ کرتا، تھکی اور نم پلکوں سے وہ دروازے کی راہ دیکھتی رہ جاتی، کمرے کے باہر دلیر کے قدموں کی آہٹ اس کے دل میں خوش فہمی تھما دیتی کہ شاید وہ میری خبر لینے آ جائے، محبت اور ہمدردی کا احساس شاید اسے میری طرف لے آئے مگر خوش فہمی ہمیشہ خوش فہمی ہی رہی۔

جسم سوکھ کر لکڑی کی طرح ہو گیا تھا، آنکھیں اندر کو دھنسی اپنی قسمت پر بین کرتی رہتیں، شہابی رنگت جھلس کر رہ گئی تھی ساجدہ اس کے پاس روٹی اور سالن رکھ کر جانے لگی تو اس نے اسے پکار لیا وہ ٹھٹک کر رک گئی۔

وہ بھابھی کے پاس رکنا چاہتی تھی اس کی خدمت اور دلجوئی کرنا چاہتی تھی مگر ماں کی طرف سے اسے اجازت نہ تھی۔

"ساجدہ کیا تم بھی مجھے گناہگار سمجھتی ہو؟"

سر اٹھا کر نقاہت زدہ آواز میں اس نے پوچھا تو ساجدہ نے نگاہیں جھکا لیں۔

"مجھے تم سے کوئی شکوہ نہیں مگر خدا کے لئے مجھ پر ایک احسان کر دو میرے ماں باپ کو خط لکھ دو انہیں میری حالت سے باخبر کر دو، میں یہاں سے چلی جاؤں گی، تم لوگوں کی نظروں سے دور ہو جاؤں گی، کبھی اپنی منحوس شکل نہیں دکھاؤں گی تمہیں۔" اشک ٹوٹ ٹوٹ کر اس کے ملگجے تکیے میں جذب ہونے لگے، ساجدہ تڑپ اٹھی اس کے قریب آئی اور ڈبڈبائی نظروں سے دیکھتی ہوئی اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

"مجھے معاف کر دینا بھابھی، تمہاری اچھائی اور بے گناہی کا دل اعتراف تو کر رہا ہے مگر زبان سے کہنے سے قاصر ہوں۔"

"یہ احساس مجھے بھی دن رات کچوکے لگاتا ہے کہ میں ایک مجرم کو بے نقاب اور بے گناہ کو بے قصور ثابت نہ کر کے خود بھی گناہ عظیم کی مرتکب ہو رہی ہوں، مجھے معاف کر دو بھابھی، اس گھر کے مکین تمہارے مجرم ہیں اور ان کو قدرت کی طرف سے پتا نہیں کون سی سزا ملے گی دل اس خدشے سے کانپ اٹھتا ہے، میں آپ کے گھر اطلاع دینے کی کوشش کرتی ہوں۔۔۔"

وہ اپنے اشک پیتی ہاتھ چھڑاتی اس کے کمرے سے بھاگتی ہوئی نکلی تھی، زینت کے سینے

سے اٹکی ہوئی سانس آہ کی صورت نکلی، اس نے چھت پر نگاہیں مرکوز کر دیں آسمان والے کا ہاتھ ٹھا کر شکر ادا کیا کہ کوئی تو ہے جو اس کی بے گناہی سے واقف ہے۔

☆☆☆

چند دن بعد ہی اماں اس کے بھائی کے ساتھ اس کی خبر لینے آن پہنچیں، نازونعم سے پالی گئی بیٹی کو اس حال میں دیکھ کر تڑپ اٹھیں، اس کو بانہوں میں بھر لیا، دیوانہ وار منہ چومنے لگیں، بیٹی کو اس حالت میں دیکھ کر دل پھٹ رہا تھا، سیلابی ریلے میں دونوں ماں بیٹی بھیگنے لگیں۔

”یہ...... یہ کیا حال ہو گیا تمہارا، ہمیں خبر کیوں نہ دی کہ تم اس حال میں پڑی ہو، کچھ روز سے میرا دل گھبرا رہا تھا تو تمہارے ابا سے ضد باندھ لی کہ زینت کو دیکھ کر آؤں گی سو تمہارے بھائی کو لئے چلی آئی، یونہی تو میرا دل نہیں گھبرا رہا تھا میری بچی بے وارثوں کی طرح اس کمرے میں پڑی ہے کوئی پرسان حال نہیں۔“ وہ کبھی اس کے ہاتھوں کو چھو کر دیکھتیں تو کبھی منہ پر ہاتھ پھیرتیں، سفیان بھی بہن کو اس حالت میں دیکھ کر سکتے میں آ گیا تھا کہ کہیں سے بھی یہ زینت اس کی پہلے والی زینت نہ لگتی تھی۔

زینت کی نگاہیں بھائی سے ملیں تو دونوں کی آنکھوں سے آنسو لڑھک پڑے، اس نے آگے بڑھ کر بہن کے سر پر ہاتھ رکھا تھا، اس کی حالت دیکھ کر دل کٹ رہا تھا۔

”اماں مجھے یہاں سے لے جاؤ، میں یہاں نہیں رہنا چاہتی، مر جاؤں گی میں یہاں پر، خدا کے لئے مجھے یہاں سے کسی طرح نکال کر لے جاؤ، یہ گھر میرا نہیں، یہاں میری کسی کو پروا نہیں، شوہر میری طرف دیکھتا تک نہیں کہ میں کن حالوں میں پڑی ہوں۔“

”شاباش ہے تمہاری بے غیرتی پر، اب بھی شوہر کو ہی مورد الزام ٹھہرانا، اپنی بے حیائی کے قصے نہ سنانا؟“ ساس ایکدم ہی کمرے میں داخل ہوئی تھی اور ہاتھ نچا کر بولیں۔

سفیان کے ماتھے پر ناگوار لکیریں ابھری تھیں کہ یہ عورت اس کی بہن سے متعلق کس قسم کی باتیں کر رہی تھی، ماں کا بھی خون کھول اٹھا۔

”بہن آپ ہوش میں رہ کر بات کرو، اس قسم کی باتیں کرنے کا مقصد کیا ہے آپ کا، میری بچی پر الزام تراشی آپ کو زیب نہیں دیتی۔“

”صحیح کہہ رہی ہیں آپ، بچی پر الزام تراشی تو آپ کو زیب نہیں دے رہی اور جو میرے بچے پر اپنی بدکردار بیٹی منڈھ دی وہ آپ کو زیب دیتا تھا؟“

”خالہ زبان کو لگام دیں۔“ سفیان تیز لہجے میں بولتا اٹھ کھڑا ہوا۔

”اے بس چپ کر کے بیٹھ جا، بہن کو لگام دی ہوتی تو آج اس کے سسرال میں یہ باتیں سننے کو نہ ملتیں، خود تو بدنام ہوئی سو ہوئی ہمیں بھی ذلیل کر کے نکلے گی، جب اس کا چکر کسی کے ساتھ چل رہا تھا تو وہیں بیٹی بیاہ دیتے یا دفنا دیتے، دوسروں کے سر تو یہ عذاب نہ ڈالتیں۔“ وہ بھی غصے سے پھنکار کر بولی تھیں۔

ماں کا کلیجہ شق کر ڈالا تھا ان کے لفظوں نے، سفیان ضبط کے کڑے مراحل سے گزر رہا تھا۔

”غضب خدا کا رات کی تاریکی میں اپنے عاشق کے ساتھ فرار ہو رہی تھی پوری تیاری کے ساتھ، بڑا لتا، زیور سب کچھ باندھ کر، وہ تو شکر میری نازیہ کی آنکھ کھل گئی جو اس نے پکڑ لیا، دلیر نے بھی اپنی آنکھوں سے یہ منظر دیکھا، وہ تو اس کمبخت کی قسمت اچھی تھی جو میرے دلیر کے

ہاتھوں سے بچ نکلا اور شکر کرو تمہاری بیٹی کے کالے کرتوت ہم نے اب تک چھپا رکھے ہیں، کوئی اور گھر ہوتا تو پنچائیت میں فیصلہ سنا کر فارغ کر دیتے۔" زینت کی ساس بولتی جارہی تھی اور زینت کا سانس اکھڑتا جارہا تھا، اس کے ہاتھ پاؤں مڑ چکے تھے، سفیان ایکدم بہن پر جھکا تھا۔

"زینت...... زینت؟" اس نے تڑپ کر پکارا مگر زینت ہوش وخرد سے بیگانہ ہو چکی تھی، ماں زارو زار رو رہی تھی، سفیان مرد تھا اسے حوصلے سے کام لینا تھا، اپنی بہن کو ہر حال میں بچانا اور یہاں سے نکالنا تھا۔

☆☆☆

ٹوٹے قدموں اور برستی آنکھوں سے اس نے وہ دہلیز پار کی تھی، جس سے اس نے ہمیشہ مر کر نکلنے کا سوچا تھا، مرتو وہ اب بھی گئی تھی بس سانسیں چل رہی تھیں۔

کبھی کبھی دنیا کے ساتھ کی گئی نیکی بہت بھاری پڑ جاتی ہے اس کی زندگی کا دشوار امتحان بن جاتی ہے، ایسی کالک مل جاتی ہے کہ لاکھ صفائیوں کا دھوون بھی اسے پاک نہیں کر پاتا، رب کے حضور مانگی گئی دعائیں بے اثر ہو جاتی ہیں، دنیا کے سامنے اس کے لئے ذلت وخواری لکھ دی جاتی ہے شاید اس لئے کہ رب کو اس کا امتحان مقصود ہوتا ہے، پر ایسے امتحان بڑے جان لیوا وصبر آزما ہوتے ہیں، تن کو جلا دیتے ہیں من کو راکھ کر دیتے ہیں ایسی راکھ جو اڑا اڑا کر اس کا روز تماشا بناتی ہے اسے گھائل کرتی ہے یہی حال زینت کا تھا۔

خود تو وہ مری تھی ماں باپ کی زندگیوں میں سے بھی زندگی کی رمق جیسے اس نے نکال دی تھی، طلاق کا داغ اس کے جسم و جاں کو چاٹنے لگا، بھائی منہ چھپا کر کئی دن گھر میں پڑا رہا، باپ نے گھر سے نکلنا ہی بند کر دیا، ایک طرف بیٹی کا دک دوسری طرف دنیا والوں کی باتیں ان کے جسم می نیزے کی انی کی طرح چبھتیں۔

ماں بیٹی کے دکھ پر اندر سے ہل کر رہ گ ماں باپ بیٹی کی پیدائش پر خوش ہوتے ہوئے ب ڈرتے تھے، بہتے اشکوں سے جب بیٹی کو ودا کرتے ہیں تو در پردہ یہی وہ خوف ہوتا ہے آنکھوں کو بھگوتا ہے۔

دل سے مانگی گئیں دعائیں کبھی مستجا نہیں بھی ہوتیں، قدرت امتحان لیتی ہے اور یہ کڑ امتحان زینت کے ساتھ اس کے والدین کو بھ ایک پھنکارتا ناگ بن کر ڈسنے لگا۔

اسے سفیان کی آنکھوں سے خوف آنے ل وہ دلیر کی جان لینے کے در پے تھا۔

"اگر تم نے مجھے قسم نہ دی ہوتی تو میں ا خبیث کی کب کی جان لے لیتا۔" اس نے غص سے مٹھیاں بھینچیں۔

"پھر کیا ہوگا؟ میری قسمت سنور جائے گی میرے دکھ میں پہلے سے بڑھ کر اضافہ نہ کر بھائی، اس کم ظرف انسان کی جان لے کر آ آپ کو اور اپنے پیاروں کو کیوں مشکل میں ڈال چاہتے ہو؟" زینت کی بات پر سفیان نے جبڑے بھینچ لئے۔

"پھر...... پھر کیا کروں، تمہارا دکھ مجھے دن رات تڑپاتا ہے، راتوں کی نیند چھین لی ہے اس دکھ نے میری۔" اس کی آنکھیں نم ہوئیں تو زینت نے اپنے آنسو دامن دل میں جذب کر لئے۔

اس کا بھائی اس کی وجہ سے غمزدہ تھا، نیندیں اچاٹ ہو گئی تھیں، اس کا وجود کانپنے لگا تھا۔

☆☆☆

پہلی پیشی پر آیا نحیف وجود لئے حاضر

ہوئیں تھیں، کٹہرے میں کھڑے ہونا جسم سے خون نچوڑ لے گیا، واپسی پر من من بھر کے پاؤں ور برستی آنکھوں سے گھر کا رخ کیا تھا، اپنوں نے کیسا زخم دیا تھا جس کا انہوں نے کبھی تصور بھی ہیں کیا تھا۔

شام کو غفار اور صمد ماں کو لے کر ان کے پاس آئے تھے، تینوں نے آتے ہی ان کے آگے ہاتھ جوڑ دیئے تھے۔

"ہمیں معاف کر دیں آپا، ہم نے بھابھی کو سمجھانے کی بہت کوشش کی مگر سب بے سود، وہ پنی کرنی کر کے رہیں، انہوں نے ہمیشہ مفاد کو رشتوں پر ترجیح دی۔"

صمد اور غفار ان سے آنکھیں نہیں ملا پا رہے تھے۔

"دیکھ میں تیرے آگے ہاتھ جوڑ کر معافی انگتی ہوں، میرے بچے کو معاف کر دے، تجھے پتا ہے کہ وہ کن حالوں میں پڑا ہے میرا وقار بے قصور ہے وہ ایسا کبھی نہیں چاہتا تھا، اپنے بچے کو دیکھ کر میرا دل کٹتا ہے، بیوی کے گناہوں کی سزا وہ کاٹ رہا ہے۔" ساجدہ بیگم نے ان کے آگے ہاتھ جوڑے تو وہ تڑپ اٹھیں۔

"میں جانتی ہوں آپ سب لوگ بے قصور ہیں، وقار کے دکھ پر میرا دل بھی کڑھتا ہے، میرا بھائی میرے صدمے اور حمایت میں چارپائی پر گر گیا، میں کچھ نہیں کہتی اسے، بس جس نے مجھے یہ دن دکھائے ہیں، اس بڑھاپے میں رولا ہے، کچہریوں کے چکر لگوائے، اللہ ہی انصاف کرے گا۔"

"دکھ تو اس بات کا ہے کہ گھر میں مسئلے کو حل کرنے کی بجائے عدالت میں گھسیٹا، نادان مجھے گھر میں ذلیل کر لیتی میری گردن دبوچ کر کاغذات پر دستخط کروا لیتی مگر یوں نامحرموں کے سامنے عدالتوں میں تو نہ رسوا کرتی، یہ تو سوچتی کہ میں نے یہ گھر کس کو دینے کا فیصلہ کیا ہے، اس رب کے گھر کے لئے جس کو سب نے منہ دکھانا ہے، مجھ جنم جلی، نامراد پر رحم کھا لیتی کہ بے اولاد ہے بے وارث ہے اس مکان میں اللہ کا ذکر ہوتا تو مجھ بدنصیب کا بھی شاید کچھ بخشش کا ذریعہ ہو جاتا۔" وہ برستی آنکھوں سے بول رہی تھیں اور ساجدہ اور صمد شرمساری سے سر جھکائے بیٹھے تھے۔

"آئندہ آپ اکیلی نہیں جائیں گی، میں آپ کو لے کر جاؤں گا۔" غفار ان کے پاؤں دابنے لگا۔

"نہیں تم لوگوں کو تردد کرنے کی ضرورت نہیں ہے، اپنا مقدمہ میں آپ لڑوں گی، جب تک جسم میں سکت ہے، ہار میں بھی نہیں مانوں گی، اپنے حق کے لئے آخری سانس تک لڑوں گی، اپنی چیز ایسے تو ہضم نہیں کرنے دوں گی اسے، میرا رب انصاف کرے گا۔" پھولتے سانس اور نم آنکھوں سے انہوں نے غفار کے اپنے پاؤں پر سے ہاتھ ہٹائے، وہ سب دلگرفتہ سے ان کے پاس سے لوٹے تھے۔

☆☆☆

گھر آ کر ساجدہ بیگم خوب رو دیں۔

"تمہارے ابا زندہ ہوتے تو نازوں لاڈوں سے پلی بھتیجی کے ساتھ یہ سلوک کرنے دیتے؟ دل خون کے آنسو رو رہا، سگوں نے کیسا سلوک کیا ان کے ساتھ، لوگ کیا کہتے ہونگے کہ خون سفید ہو گیا۔"

"آپ بالکل ٹھیک کہہ رہی ہیں اماں، ابا جی آپا پر جان چھڑکتے تھے کتنی عزت دیتے تھے ان کی روح کتنا تڑپ رہی ہو گی؟ تڑپ تو ہم بھی رہے ہیں مگر افسوس کچھ کر نہیں سکتے، بھابھی نے

ہمیشہ اپنی من مانی کی، وقار بھائی اگر اب اس موقع پر کوئی اسٹیپ اٹھانے بھی لگے تھے تو قدرت نے انہیں لاچار کر دیا۔'' صمد کف افسوس مل رہا تھا۔

''میں جب گھر سے نکلتا ہوں تو شرمندگی گھیر لیتی ہے، کتنے ہی محلے والوں نے غیرت دلائی کہ ''یہ تم اس نیک اور حقدار عورت کے ساتھ ایسا سلوک کیوں کر رہے ہو، عدالتوں میں گھسیٹتے شرم نہیں آتی؟'' میں تو شرم سے زمین میں گڑ گیا، کیا کہتا کہ ہمارے گھر کی عورتیں اتنی زور آور ہو گئی ہیں کہ اپنے ہی گھر کی بدنامی اور آزار کا باعث بن رہی ہیں۔'' غفار کا چہرہ غصے سے سرخ ہو چکا تھا۔

☆☆☆

عزت بنانے میں برسوں بیت جاتے ہیں مگر جانے میں لمحے نہیں لگتے، اچھائی بتا کر دوسروں سے داد سمیٹی جاتی ہے اور برائی سرسراتی ہوا کی طرح پھیل کر ذلت کے گہرے گڑھے میں اوندھے منہ مارتی ہے۔

بد کرداری کی بات سن کر لوگ بغیر تصدیق کے فوراً تائید میں سر ہلائیں گے، ایک دوسرے کو سنائیں گے بات لمحوں میں پھیلے گی، سابقہ کردار مٹی میں دفن ہو جائے گا اور بدی کا الزام خاک کی طرح اڑ اڑ کر اس کے چہرے پر غبار بن جائے گا، یہی حال اس وقت زینت کا تھا۔

با کردار ماضی کو سب بھول چکے تھے، پورا محلہ جو اس گھر کی بیٹی کی پارسائی کی گواہی دیتا تھا آج انگلیاں اٹھائے باتیں کرتے پائے جاتے۔

طلاق کا غم تو کسی صورت ہضم ہو ہی جاتا مگر کردار کی بدنامی نے ہلا کر رکھ دیا تھا۔

دن گزرتے رہے زخم ادھڑتے رہے، لوگوں کی باتوں کے چرکوں نے کبھی زخموں کو مندمل ہونے ہی نہیں دیا، کھرنڈ آنے لگتا تو ایک نیا طنز اور طعنہ اسے پھر سے ہرا کر دیتا، وہ اپنے پیاروں سمیت بلبلا اٹھتی۔

سر نیہوڑائے بیٹھی رہتی، کبھی ماں کے قدموں کو چھوتی تو کبھی باپ کی پگڑی کو آنسوؤں سے بھگونے لگتی، اس عمر میں یہ غم انہیں دے کر اس نے کچھ اچھا نہیں کیا تھا۔

''ابا جی مجھے معاف کر دیں، میں نے آپ کا شملہ نیچا کر دیا، کاش، دور جاہلیت کی طرح آپ بھی مجھے بچپن میں ہی دفن کر دیتے تو آج یہ ذلت نہ اٹھانی پڑتی۔''

کریم بخش نے تڑپ کر اس کو اپنے سینے سے بھینچا تھا، کتنی ہی دیر گرم پانی ان کی داڑھی کو بھگوتا رہا۔

''ایسی بات نہیں کرتے بیٹی، تو کل بھی میرے لئے خوشی کا سودا تھی اور آج بھی تجھے دیکھ کر جی اٹھتا ہوں، تیری پاکدامنی گھر کا ہر فرد جانتا ہے، وہ لوگ بھی دل میں اعتراف ضرور کرتے ہونگے جو اپنے نفس کے ہاتھوں مجبور ہو کر اپنے دامن میں تیری بات کر کے گناہ سمیٹتے ہیں۔'' سینے سے لگائے لگائے وہ ہچکیوں کے درمیان بولے تھے۔

زینت کی ماں منہ پر ہاتھ رکھ کر سسکیاں روک رہی تھی، باپ چند دنوں میں ہی بیٹی کے غم میں گھل کر رہ گیا تھا، چہرے پر جھریاں تیزی سے نمودار ہو رہی تھیں کندھے جھکتے جا رہے تھے، وہ لوگ جو کل تک انہیں سلام کرنا، ہاتھ ملانا خوش بختی خیال کرتے تھے آج تحقیر بھری نظر ان پر ڈال کر آگے بڑھ جاتے، گھر سے نکلنا انہوں نے بے حد کم کر دیا تھا، چپ کی چادر اوڑھے پانچ وقت مسجد میں فرض کی ادائیگی کر کے گھر میں سمٹ کر رہ گئے تھے، ثریا (زینت کی ماں) کی حالت

پر کٹ جاتی۔

''اماں مجھے معاف کر دیں، میں نے اس عمر میں تمہارے سروں میں خاک ڈال دی۔'' وہ ماں کے قدموں سے لپٹ کے ایسی روئی کہ سنبھالنا مشکل ہو گیا۔

''جھلی نہ بن، یہ تو میرے رب سوہنے کی آزمائش ہے، کڑا وقت آیا ہے گزر ہی جائے گا، حقیقت ایک دن ضرور آشکار ہو کر رہے گی، صبر سے کام لے، تو ہمارے لئے شفاف موتی کی طرح ہے، بس اب آنسو بہانا چھوڑ دے، بہت دکھ سہہ لئے، زندگی کو جینا سیکھ، اپنے ابا جی سے اسی طرح لاڈ کیا کر جیسے پہلے کیا کرتی تھی۔''

ماں نے اسے قدموں سے اٹھا کر اپنے سامنے کیا، آنسوؤں سے تر چہرے پر سے چپکے بال ہٹائے، چادر سمیٹی اور بانہوں میں بھر لیا، سفیان بھی یہ منظر دیکھ کر نم دیدہ سا اس کی طرف بڑھا تھا اور سر پر ہاتھ رکھ کر اسے تسلی دی تھی۔

☆☆☆

کچھ غم وقت کی دھول میں اٹ ضرور جاتے ہیں مگر کبھی مندمل نہیں ہوتے، ہولے ہولے زینت زندگی کی طرف لوٹ رہی تھی، اپنے لئے نہ سہی اپنے پیاروں کے لئے اس نے اپنے آپ کو یکجا کیا تھا، اس نے ہی کیا سب نے ہی ایک دوسرے کے لئے اپنے وجود کی کرچیاں سمیٹ کر اکٹھا کیا تھا۔

''ابا مسجد سے آج جلدی آ جائیے گا، آپ کے لئے قلفہ کا ساگ بنایا ہے، آپ کے آنے پر ساگ کو تڑکا لگاؤں گی، گرم گرم مکئی کی روٹی کے ساتھ مکھن میں تر بتر ساگ کھانے کا آپ کو مزا آ جائے گا۔'' کریم بخش کو وضو کرتے دیکھ کر زینت نے کہا تو وہ مسکرا دیئے، آستینیں نیچی کیں سر پر ٹوپی جمائی اور اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر خوشی کا اظہار کرتے ڈیوڑھی پار کر گئے۔

''اماں سفیان بھائی سے کہو اپنے کبوتروں کی جان چھوڑے اور نیچے اتر آئے، سب مل کر کھانا کھائیں گے۔'' برآمدے میں تخت پر بیٹھی ماں سے وہ اونچی آواز میں کہتی اپنے چولہے ہانڈی کی طرف متوجہ ہو گئی۔

ماں نے اس کی طرف دیکھ کر شکر کا کلمہ پڑھا تھا کہ بہت دنوں کے بعد اس کے چہرے پر سکون کے آثار نظر آئے تھے۔

تسبیح کے دانے مکمل کر کے ثریا نے سیڑھیوں کی طرف رخ کر کے سفیان کو ہانک لگائی تھی مگر سفیان اوپر تھا ہی کب، وہ تو اپنی کبوتری کے پاس کنویں کی منڈیر پر بیٹھا تھا۔

سفیان کنویں کی منڈیر پر دونوں پاؤں نیچے لٹکائے سامنے دیکھ رہا تھا، ہر طرف اندھیرا پھیلا ہوا تھا، دور کسی کسی گھر سے مدھم پیلی روشنی نظر آ رہی تھی، وہ اضطرابی کیفیت میں شمع کا انتظار کر رہا تھا، جیسے آج یہاں پہنچنے میں کافی دیر ہو گئی تھی، وہ کوفت زدہ ہو کر کنویں کی منڈیر سے کودا، اسی دم اسے کسی کے قدموں کی ہلکی سی چاپ سنائی دی وہ ٹھٹک گیا۔

سادہ کالے کپڑوں میں ملبوس چہرے کو نقاب سے چھپائے نازک قدم اٹھاتی وہ اس کے قریب پہنچی تھی اور دھم سے نیچے بیٹھ کر کنویں کی دیوار سے ٹیک لگا کر اپنے سانس بحال کرنے کی کوشش کرنے لگی۔

کالے کپڑے میں اس کا روپ دمک رہا تھا، اجلی شفاف جلد دل موہ لیتی تھی۔

سفیان کو وہ آج خوفزدہ محسوس ہوئی اس نے شمع کا نازک برفیلا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں تھام لیا۔

''کیا ہوا؟ تم اتنی خوفزدہ کیوں ہو؟''

سفیان نے اس کی غلافی آنکھوں میں جھانکا جہاں پر ہلکی سی نمی پھیلی تھی۔

شمع نے اپنی ہتھیلی کی نازک پشت سے اپنی غلافی آنکھوں میں آئی نمی کو رگڑا۔

‘‘میں اب مزید اس طرح رات کے اندھیرے میں تم سے چھپ چھپ کر نہیں مل سکتی سفیان، اماں کی دھمکیاں، بھائیوں کا خوف میری جان لے لے گا، تمہیں خدا کا واسطہ ہے جو کرنا ہے جلد کرو۔’’ کانپتی آواز اس کے تراشیدہ لبوں سے نکلی تھی، سفیان الجھ سا گیا۔

‘‘کیا کروں میں؟ اپنے گھر رشتے کے لئے تم آنے نہیں دیتیں، کیا بھگا کر لے جاؤں تمہیں؟’’

‘‘میں نے یہ کب کہا؟’’

‘‘تو پھر بتاؤ کیا کروں۔’’ وہ لاچار سا بولا۔

‘‘سب کچھ کتنا پر سکون تھا، میرے گھر والے بخوشی تم سے رشتہ کرتے مگر تمہاری آپا کی وجہ سے سب کچھ درہم برہم ہو گیا، آپا نے بہت برا کیا۔’’

‘‘فضول بات مت کرو شمع، میری آپا بے قصور ہیں۔’’

‘‘یہ تو تم کہہ رہے ہو ناں، لوگوں سے پوچھو کیسی کیسی باتیں بن رہی ہیں، آخر کچھ تو غلط تھا جو یہ سب کچھ ہوا۔’’ شمع کی بات پر سفیان کا چہرہ تپ گیا۔

‘‘ہاں کچھ تو غلط تھا جو یہ سب کچھ ہوا، میری بہن کو مجرم بنایا گیا ہے، میری پاکیزہ و معصوم بہن پر کیچڑ اچھالی گئی، خدا ان لوگوں کو کبھی معاف نہیں کرے گا اور تم...... تم بھی میری بہن کو ہی قصور وار سمجھتی ہو، مجھے تم سے یہ امید ہر گز نہیں تھی۔’’ اس کی آنکھوں میں دکھ ہلکورے لے رہا تھا شمع شرمندہ سی ہو گئی۔

‘‘ایسی بات نہیں ہے سفیان لیکن لوگوں کی باتوں کو نظر انداز تو نہیں کیا جا سکتا ناں، اب تم ہی بتاؤ میرے والدین کیسے اس گھر میں رشتہ دیں گے جس گھر میں بیٹی طلاق اور بدنامی کا داغ لئے بیٹھی ہو، آخر کو ہماری پورے محلے میں عزت ہے، لوگ کتنی باتیں بنائیں گے۔’’ آہستگی سے کہتی وہ اپنے ہاتھوں کی انگلیاں مروڑنے لگی۔

‘‘یعنی تم یہ کہنا چاہ رہی ہو ہم بے عزت لوگ ہیں۔’’ وہ تیزی سے بولا تھا اس کی آنکھوں سے شرارے لپک رہے تھے شمع سہم گئی۔

‘‘لوگوں کی باتوں کی مجھے کوئی پرواہ نہیں تھی مگر تمہاری باتوں نے میرے دل کو بہت ٹھیس پہنچائی ہے۔’’ اس نے جھٹکے سے شمع کا ہاتھ چھوڑ دیا تھا۔

‘‘معاشرہ بڑا بے رحم ہے سفیان، عزت دار زندگی کو لمحوں میں بھول جاتے ہیں، اس عزت کی اگر دھول اڑ جائے تو سالوں بیت جائیں منظر کبھی شفاف نہیں ہوتا، ناکردہ گناہوں کی سزا نسل در نسل چلتی ہے۔’’ شمع کی بات پر سفیان نے چونک کر اس کی طرف دیکھا تھا۔

‘‘تم کہنا کیا چاہتی ہو؟’’

‘‘وہی جو تم سمجھنا نہیں چاہ رہے۔’’

‘‘یعنی...... یعنی......’’ صدمے حیرت سے اس کی آواز گلے میں ہی گھٹ گئی۔

‘‘ہاں سفیان مجھ میں حوصلہ نہیں ہے، میں آپا جیسی ہر گز حوصلہ مند نہیں ہو سکتی، میں نہیں چاہتی کہ کل کو ہمارے بچوں کا تعارف آپا کے کردار کے حوالے سے ہو، میں اپنی محبت کا گلا گھونٹ دوں گی، ساری زندگی تمہاری محبت کے نام پر باپ کی دہلیز پر گزار دوں گی مگر بدنام گھر میں آنے کی نہ مجھ میں ہمت ہے اور نہ ہی میرے ماں باپ یہ حوصلہ کریں گے، بہتر ہے مجھے بھول

جاؤ تم۔'' وہ گھٹنوں میں چہرہ چھپا کر سسک پڑی تھی اس کا وجود لرز رہا تھا، لرز تو سفیان بھی گیا تھا اس کی باتیں سن کر، اس کے خیالات جان کر اس کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔

''میری بہن کو قصور وار سمجھنے والی تم خود کیا ہو؟ تم کیا اپنے آپ کو پوتر (پاک) سمجھ رہی ہو؟ جو رات کے اندھیرے میں ماں باپ بھائیوں کی آنکھوں میں دھول جھونک کر اپنے عاشق سے ملنے چلی آئی۔'' ایک ایک لفظ اس نے چبا کر کہا تھا، وہ بھول گیا تھا کہ وہ اس کی سانسوں سے بڑھ کر قیمتی ہے، جسے وہ زندگی سمجھتا تھا، کلیوں کی طرح پاکیزہ و دن کے اجالے کی طرح شفاف سمجھتا تھا۔

شمع کے بہتے آنسو اس کی بات سن کر یکدم رکے تھے، وہ سناٹے میں آ گئی تھی، پتھر کی سیل کی طرح جامد ہو گئی تھی۔

''تم......تم مجھے بد کردار کہہ رہے ہو؟'' یکدم وہ چیخ اٹھی تھی۔

''مجھے یقین نہیں آ رہا سفیان کہ تم نے میرے لئے یہ الفاظ کہے ہیں، اپنی محبت میں گرفتار کرنے والے مجھے یہاں آنے پر مجبور کر دینے ولا آج مجھے مورد الزام ٹھہرا رہا ہے۔'' وہ تڑپ رہی تھی۔

''مجھے بھی تم سے ایسی باتوں کی توقع نہیں تھی، آج مجھے افسوس ہو رہا ہے کہ میں نے اپنی محبت ایک ایسی لڑکی پر نچھاور کی جسے میری محبت کی چاہ ہی نہیں تھی، عورت تو محبت میں ہر بدنامی ہر داغ سہہ جاتی ہے اور تم میری شفاف کردار کی بہن پر لگے محض الزام کی خاطر میری محبت سے ہی دستبردار ہو گئیں، مجھے نفرت محسوس ہو رہی ہے تم سے شمع، چلی جاؤں یہاں سے، آج کے بعد میں تمہاری شکل دیکھنا بھی پسند نہیں کروں گا۔'' وہ حلق کے بل چیخا تھا۔

''آج کے بعد کوئی تمہاری بھی شکل نہیں دیکھ سکے گا۔'' کوئی اس کے پیچھے سے بولا تھا، شمع اور سفیان نے یکدم مڑ کر دیکھا تھا، خوف سے شمع کی آنکھیں ابل پڑی تھیں، اس کے بھائی آنکھوں میں چنگاریاں اور ہاتھ میں کلہاڑی لئے کھڑے تھے، سفیان اپنی جگہ ساکت تھا، شمع نے بھائی کے بڑھتے قدم دیکھے تو چلا اٹھی۔

''بھائی نہیں خدا کے لئے ہمیں معاف کر دو، آج کے بعد یہ غلطی کبھی نہیں ہو گی۔'' وہ پیروں میں پڑ گئی۔

''تم سے تو گھر جا کر نمٹیں گے فی الحال اس سے نمٹنے دو، بہن رات کو یار کے ساتھ نکل رہی تھی اور یہ دوسروں کی عزت کو گھر سے نکال کر تاریکی میں لئے بیٹھا ہے، اس گند کو اب صاف ہو جانا چاہیے محلے سے۔'' شمع کے بھائی راشد نے شمع کا ہاتھ پکڑ کر اپنی طرف گھسیٹا تھا جبکہ دوسرے بھائی اختر نے سفیان کو گریبان سے پکڑ لیا تھا۔

''نہیں......نہیں......ایسا کچھ نہیں کرو گے بھائی تم، خدا کے لئے ہمیں معاف کر دو۔'' وہ گڑ بڑا رہی تھی۔

راشد نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ کر اس کی آواز گھونٹ دی تھی اس کے منہ سے اب گھٹی گھٹی چیخیں نکل رہی تھیں۔

ادھر جونہی اختر نے سفیان کے گریبان پر ہاتھ ڈالا، سفیان نے جھٹکے سے اس کا ہاتھ پیچھے کیا تھا، وہ چوڑا کڑیل جوان تھا ماں باپ کا اکلوتا خوب گھی مکھن کھا کر پروان چڑھا تھا پھر نڈر تھا، راشد اس کے جاندار جھٹکے کی تاب نہ لا سکا اور لڑکھڑا کر نیچے گرا، کلہاڑی اس کے ہاتھ سے چھوٹ گئی جسے سفیان نے جھک کر اپنے ہاتھ میں

اٹھالی تھی، نیچے گرے ہوئے اختر کے دونوں پاؤں پر اس نے اپنی بھاری ٹانگ رکھی تھی اور کلہاڑی گردن پر۔

''اگر چاہوں تو ایک ہی وار میں تیری گردن کا سارا غرور اور اکڑ اس کلہاڑی سے کاٹ کر رکھ دوں، مگر جا معاف کیا، اپنی بہان کو سنبھال جو تم لوگوں کی آنکھوں میں دھول جھونک کر مجھ سے ملنے آتی ہے، بڑا آیا دوسروں کی بہنوں کی باتیں کرنے والا۔'' سفیان نے اس کے منہ کے قریب حقارت سے تھوکا تھا۔

راشد کا یہ سب دیکھ کر خون کھول اٹھا تھا، اس نے شمع کو دھکے سے دور پھینکا اور سفیان کو پیچھے سے گردن سے دبوچ لیا، اختر بھی تیزی سے اٹھا تھا اور سفیان کو سنبھلنے کا موقع دیئے بغیر اس کے ہاتھ سے کلہاڑی چھین کر اس کی ٹانگوں پر وار کیا تھا۔

ایک دلدوز چیخ فضا میں ابھری تھی، شمع چیختی ہوئی اس کی طرف بڑھی تھی۔

''یہ...... یہ ظلم نہ کرو، مارنا ہے تو مجھے مارو، میرے ٹکڑے ٹکڑے کر دو، مجھے سزا دو، میرے قدموں کو چیر دو جن سے چل کر میں یہاں آئی، اسے چھوڑ دو، خدا کے لئے اسے چھوڑ دو۔'' وہ دونوں بھائیوں کے پیروں میں پڑ گئی۔

''تم چلی جاؤ یہاں سے شمع اگر ان کے غصے کی آگ میرے خون سے بجھتی ہے تو بجھا لینے دو۔'' سفیان اپنی تکلیف کی شدت کو چھپا کر بولا تھا۔

''صحیح کہا تو نے ہمارے اندر جو غصے کی آگ بھڑک رہی ہے تیرا خون بہا کر ہی سرد پڑے گی۔'' اختر نے اسے نیچے گرایا تھا اور راشد نے فوراً ہی کلہارڑی اس کے سر پر دے ماری تھی۔

سفیان کی گردن سے خون کا فوارہ نکل کر زمین پر پھیلتا چلا گیا، اس کی گردن ڈھلک گئی تھی۔

شمع اس کی پھٹی آنکھوں پر جھکی اپنا سینہ پیٹ رہی تھی۔

''مجھے معاف کر دو سفیان، مجھے معاف کر دو، اگر تم میری خاطر جان دے سکتے ہو تو تمہارے بغیر میری زندگی بھی میرے لئے حرام ہے۔'' آناً فاناً وہ کنویں کی طرف لپکی تھی، دونوں بھائی تیزی سے اس کی طرف دوڑے تھے مگر شمع کنویں کی منڈیر پر چڑھ چکی تھی، راشد لپک کر اسے پکڑ لینا چاہتا تھا مگر دیر ہو چکی تھی، کنویں میں زوردار چھپاکا ہوا تھا، دونوں بھائیوں نے کرب سے آنکھیں میچ لی تھیں۔

☆☆☆

ساجدہ نے بہت ہمت کر کے صمد اور غفار کے ساتھ وقار کے گھر میں داخل ہوئی تھیں، وہ ارادہ باندھ کے نکلی تھیں، کہ بلقیس کو آج کیس واپس لینے پر راضی کر کے ہی لوٹیں گی۔

بلقیس ان تینوں کو اکٹھے گھر میں داخل ہوتے دیکھ کر ٹھٹک گئی تھیں، ماتھے کی تیوری چڑھ گئی، ان کے آنے پر وہ اسی طرح ناگواری ک اظہار کیا کرتی تھیں، جب تک شوہر چلتا پھرتا تھ کماتا تھا مارے باندھے ساس کی عزت کرتی تھیں، اب تو وہ آزاد تھیں بلکہ ان پر احسان جتاتی تھیں کہ وہ ان کے معذور و لاچار بیٹے کو سنبھال رہی ہیں۔

ساجدہ بیگم نے وقار کو اپنے ہاتھ سے کھا کھلا کر ان کا منہ صاف کیا تھا، وقار ماں او بھائیوں کو دیکھ کر بے حد خوش ہو گئے تھے، صمد نے گاؤ تکیے کے سہارے ان کو اونچا کر کے بٹھایا تھ غفار آہستہ آہستہ ان کے پیروں پر مساج کر۔

لگا، بھائی کی خدمت وہ کرنا چاہتے تھے مگر بھابھی کا رویہ دیکھ کر وہ ڈرتے ڈرتے کم ہی آیا کرتے تھے، جب بھی وہ یہاں آتے وقار کھل سے جاتے۔

ذرا دیر بعد ہی صمد نے کھنکھار کر ماں کو بات کرنے کا اشارہ دیا تو انہوں نے بھی ہمت باندھی۔

”بلقیس بیٹا! میری بات بہت تحمل اور خاموشی سے سننا۔“ انہوں نے بلقیس کو بہت نرمی سے مخاطب کیا تھا۔

بلقیس کا ماتھا ٹھنک گیا تھا وہ جانچ گئی تھیں کہ یقیناً بات وہی گھر کی ہوگی اس کے علاوہ ان لوگوں کے پاس کوئی اور موضوع بھی تو نہیں تھا۔

”بات تحمل سے سننے والی ہوئی تو ضرور سنوں گی۔“ وہ قدرے منہ بگاڑ کر بولیں، تو وہ ضبط کر گئیں۔

”دیکھو بیٹا زندگی چار دن کی ہے نجانے کب اس کا بلاوا آجائے یہ تو حقیقت ہے کہ جلد یا بدیر جانا تو ایک دن سب کو ہے، تو کیا یہ اچھا نہیں ہے کہ جب ہم اس رب سوہنے کے پاس جائیں تو شرمساری اور گناہگاری کی پوٹلی کم سے کم ہمارے پاس ہو، یوں تو ہم سب ہی گناہگار ہیں کوئی پتا نہیں کس کا عمل بخشش کا سبب بن جائے مگر......“ وہ تمہید باندھ رہی تھیں۔

”آپ کو جو کہنا ہے کھلے اور صاف لفظوں میں کہہ دیں، یہ لیکچر سننے کا میرے پاس وقت نہیں ہے میں اکیلی جان سینکڑوں کام پڑے ہیں۔“ بلقیس نے ساس کو درمیان میں ہی ٹوک دیا۔

”بھابھی وہ مکان جس پر آپ نے کیس کیا ہے وہ آپا کا ہے، اس پر ہمارا کیا حق ہے، جس کی چیز ہے اس سے چھیننا کوئی اچھی بات تو نہیں۔“ صمد نے ان کی طرف دیکھ کر کہا تو بلقیس کے ماتھے کے بلوں میں اضافہ ہو گیا۔

”میرے بھائی تم لوگوں کو یہ بات سمجھ کیوں نہیں آتی کہ آپا لاوارث ہیں، ماں باپ مر گئے بھائی بھی دنیا سے چلا گیا نہ ان کی کوئی اولاد اور اب ان کا بھی چل چلاؤ ہے، تو پھر تم ہی بتاؤ اس مکان کا حقدار کون ہوا۔“ انہوں نے صمد سے ہی سوال داغ دیا۔

”آپ کی بات بے شک بجا ہے کہ بے اولاد ہونے کی صورت میں ان کے مکان کے حقدار چچا تایا کی اولاد ہی ہوتی ہے مگر ہم نے اپنا حصہ بخوشی چھوڑ دیا ہے، وہ اپنا مکان کا مدرسہ بنانا چاہتی ہیں تو پھر ہم کیوں ان کو پریشان کریں۔“ غفار نے بھی رسان سے ان کو سمجھانا چاہا۔

”بھئی تم لوگوں کا تو اچھا کاروبار ہے، سب ضرورتیں با آسانی پوری ہو رہی ہیں میرا کون سا سہارا ہے، بیٹے بے روزگار تو میاں بستر پر لاچار، تو پھر ایسے میں اپنا حق کیونہ وصول کروں، تم لوگ تو اپنے حصے سے دستبردار ہو گئے، آپا کا جو بھی اس مکان میں حصہ بنتا ہے وہ ان کو دے دیتے ہیں، وہ اپنی رقم مسجد کو دے دیں، جو ہمارا جائز اور شرعی حق ہے اس کو لینے میں کیا شرم۔“ بلقیس بہت ڈھٹائی سے بولی تھیں۔

صمد اور غفار پہلو بدل کر رہ گئے ساجدہ بیگم بھی تاؤ کھا گئیں، وقار کی آنکھوں کے کنارے بھی ان کی باتیں سن کر گیلے ہوئے تھے۔

”اور ہاں تم لوگ اپنا حصہ نہیں لینا چاہتے تو ٹھیک ہے، تم لوگ اپنی مرضی سے دستبردار ہوئے ہو، آپا کو ان کا حصہ دے کر باقی کی رقم ہماری ہو گی، اچھا ہے تمہارے بھائی کا بھی کچھ اچھا علاج معالجہ ہو جائے گا، کچھ رقم دکان میں لگ جائے گی ان کے علاج پر ساری دکان خالی ہو گئی۔“ وہ وقار کی طرف دیکھ کر بیزاری سے بولی تھیں۔

وقار کا دل کٹ گیا، یہی بیوی تھی جس کی ہر خواہش اور ہر فرمائش انہوں نے پوری کی تھی، آج ان سے کیسی بیزار ہوئی تھیں۔

‘‘اب تم لوگ بلاوجہ پریشان ہونا چھوڑ دو اور اماں اپنا حق وصول کرنا قطعاً گناہگاری کے زمرے میں نہیں آتا، اس لئے آپ ناحق میری عاقبت کے لئے فکر مند ہو رہیں، وہ سب دیکھ رہا ہے اسے سب خبر ہے، جائز کھانا کوئی بری بات نہیں، بہتر یہ ہے کہ جا کر آپا کو سمجھاؤ کہ خواہ مخواہ کی ضد چھوڑ دیں، ہمارا حصہ ہمیں دیں اور اپنا لے کر فارغ ہوں، اگر وہ مان جاتی ہیں تو میں کل ہی کیس واپس لے لیتی ہوں، مجھے بھی وکیل کی فیسیں بھرنے کا کوئی شوق نہیں، پتا نہیں کن کن سے ادھار لے کر اپنے حق کے لئے لڑ رہی۔’’ وہ کہتی ہوئیں ان کے پاس سے اٹھ کھڑی ہوئیں، ساجدہ نے تاسف سے ان کی طرف دیکھا تھا۔

‘‘اپنے مطلب کے لئے ساری شریعتیں اور حق یاد آ جاتے ہیں۔’’ وہ تلخی سے بولیں۔

‘‘میں بحث کے موڈ میں نہیں ہوں، بہتر ہے کہ مجھے آئندہ اس طرح گھیر کر نہ بیٹھا جائے۔’’ وہ کہہ کر سائیڈ ٹیبل پر سے وقار کے کھانے کے برتن اٹھانے لگیں۔

‘‘خدا کی لاٹھی بے آواز ہے اس بوڑھی بیمار عورت کو عدالت کا منہ دکھایا، غیر مردوں میں کھڑا کیا، کہیں ایسا نہ ہو یہ پیسہ تمہارے لئے امتحان بن جائے۔’’ انہوں نے پھر سے ڈرانا چاہا۔

‘‘دے لیں بد دعائیں، پیسہ ہاتھ میں آیا نہیں ان کی فکریں پہلے شروع ہو گئیں، وہ پیسہ میں اپنی ذات پر خرچ نہیں کروں گی، آپ کے بیٹے اور پوتوں پر ہی خرچ ہوگا۔’’

‘‘وہ پیسہ تم اپنے بیٹوں پر ہی خرچ کرنا، اللہ میرے بیٹے کو ایسی رقم کے علاج معالجے سے بچائے جو کسی کا دل دکھا کر حاصل کی گئی ہو، چلو صمد، غفار بھائی کو اپنے گھر لے کر چلو، اللہ کا شکر ہے ابھی اس قابل ہیں کہ اپنی حق حلال کی کمائی سے یہ دونوں اپنے بھائی کا اچھا علاج معالجہ کروا سکیں۔’’ ساجدہ سخت غصے میں آ گئی تھیں۔

‘‘لے جائیں میں نے کب روکا ہے، مجھ اکیلی کی ذمہ داری تو نہیں، بھائیوں کا بھی حق ہوتا ہے، چار دن یہ بھی خدمت کر لیں گے تو کوئی احسان نہیں ہوگا مجھ پر۔’’ وہ تنفر سے کہتیں کمرے سے نکل گئیں۔

وقار کو جھٹکے لگنے لگے تھے، ماں اور بھائی فوراً ان کی طرف متوجہ ہوئے تھے۔

☆☆☆

ساری رات وہ تینوں سفیان کی طرف سے پریشان رہے تھے۔

‘‘پتا نہیں کہاں چلا گیا؟’’ ثریا بہت فکر مند تھیں۔

‘‘ساتھ والے گاؤں میں میلہ لگا ہے شاید دوستوں کے ساتھ وہاں نہ نکل گیا ہو۔’’ سراج الحق نے اپنے دل کو تسلی دی تھی جو کہ انجانے خدشے سے کانپ رہا تھا، پتا نہیں کیوں آج دل کی دھڑکنیں انہیں بے ترتیب لگ رہی تھیں۔

یہ وہ دور تھا جب پی ٹی سی ایل بھی محلے میں کسی ایک فرد کے گھر ہوتا تھا، زینت بھی کافی پریشان تھی، رات کا کھانا یونہی رکھا ہوا کسی نے ایک نوالہ بھی حلق سے نہیں اتارا، سراج اس کے کئی دوستوں کے گھر گئے مگر ہر طرف سے انکار کی صورت جواب ملا۔

آدھی رات اسے تلاش کرتے گزری تو آدھی رات وسوسوں و اندیشوں کی نذر ہو گئی۔

صبح کسی نے ان کا دروازہ زور سے دھڑ دھڑایا تھا، تینوں کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا،

دروازے کی دھڑ دھڑاہٹ میں ایسا خوف پنہاں تھا کہ ان کا اس تک پہنچنا مشکل ہو گیا، قدم من من بھر کے ہو رہے تھے، جبکہ دوسری طرف دروازے کی کنڈی مسلسل بجائی جا رہی تھی۔

جونہی انہوں نے دروازہ کھولا اپنے چھوٹے بھائی معراج الحق بھتیجوں اور کچھ پڑوسیوں کو پریشان حالت میں کھڑے پایا، معراج انہیں گھر کے اندر لے آئے اور دروازے کے ساتھ بنی بیٹھک میں لے کر داخل ہو گئے۔

''او کیا ہوا ہے خیر تو ہے؟ میرا سفیان کدھر ہے؟ تم بول کیوں نہیں رہے۔'' سراج الحق کی بات سن کر معراج بڑے بھائی کو یکدم سینے سے لگا کر رو پڑے تھے، سراج الحق کا دل کسی نے مٹھی میں جکڑ کر مسل دیا تھا۔

بیٹھک کے دروازے کے باہر زینت اور ثریا سے اپنے پیروں پر کھڑا ہونا محال ہو گیا، سانسیں اکھڑنے لگیں۔

ذرا ہی دیر بعد گھر میں لوگ سفیان کو چارپائی پر ڈال کر گھر میں لے آئے تھے۔

سفید کرتا شلوار خون میں لتھڑا تھا، چہرہ بھی خون سے گلنار ہوا تھا، گھر میں کہرام مچ گیا، جوان اکلوتے بیٹے اور بھائی کی لاش اس حالت میں دیکھ کر ماں بیٹی غش کھا کر گر پڑی تھیں جوان خون ہوا تھا، پورا محلہ اداس و غمزدہ تھا۔

شمع کے ایک بھائی نے تھانے جا کر گرفتاری دے دی تھی کہ انہوں نے سفیان کو قتل کیا ہے، ان کی غیرت کا معاملہ تھا، وہ ان کی بہن کو گھر سے نکال کر لے گیا تھا، مارتے نہ تو کیا کرتے، سفیان کی طرح بے غیرت نہیں تھے جو سسرال سے بھاگتی بہن کو اپنے گھر میں بٹھا کر لوگوں کی باتیں سن رہا تھا۔

اس نے بڑے دھڑلے سے اعتراف کیا تھا کہ اس نے اپنی بہن کو بھی کنویں میں دھکا دے دیا تھا، کنویں سے لاش نکال لی گئی۔

محلے میں دو محبت کرنے والے دلوں کے جنازے تیار تھے، ہر آنکھ اشکبار تھی، لوگوں کو ایک طرف سفیان کی جوان موت کا دکھ تھا تو ساتھ ہی نفرت کا احساس بھی ان کے دلوں میں تھا۔

کہ کسی کی بہن بیٹی کی عزت کے ساتھ کھیلنے والے کا انجام یہی ہونا چاہیے تھا تا کہ لوگ عبرت پکڑیں، شمع کے لئے لوگوں کے دلوں میں ہمدردی کے جذبات تھے کہ بیچاری ناحق ماری گئی اور شمع کے بھائی کی غیرت مندانہ جذبے کو سراہا جا رہا تھا کہ اس نے اپنے خاندانی و غیرت مند ہونے کا ثبوت دے دیا تھا۔

ہو شخص اپنی بہن بیٹی کی پہلے سے زیادہ حفاظت کرنے لگا محلے میں جو رہی سہی عزت تھی وہ بھی خاک میں مل گئی، ماں باپ غم سے بستر پر جا لگے اور زینت وہ تو نہ مردوں میں تھی نہ زندوں میں شمار ہوتی تھی، وہ سوچتی کاش اسے ناکردہ جرم میں اسی وقت سنگسار کر دیا جاتا تو آج جوان بھائی کا غم تو نہ دیکھنا پڑتا، ماں باپ کو یہ ذلت و خواری تو نہ اٹھانا پڑتی، لوگوں کو تذلیل بھری نگاہیں تو نہ برداشت کرنا پڑتیں، لوگ چرکے لگاتے رہے اس کی ذات کی دھجیاں بکھیرتے رہے اور وہ گھائل ہوتی رہی ماں باپ اکلوتے جوان بیٹے کا صدمہ کہاں تک برداشت کرتے، پہلے باپ نے اس نفرت انگیز دنیا سے منہ موڑا تو پھر ماں بھی اسے دنیا والوں کا تنہا سامنا کرنے کے لئے چھوڑ گئی۔

تڑپنا اور سسکنا اس کا مقدر بن گیا تھا، وہ عزت بھری زندگی کو ایسے ہی ترسنے لگی جیسے تاریکی روشنی کو۔

اپنے آپ کو وہ کتنے ہی لوگوں کا مجرم

گردانتی تھی، اگر مذہب میں خودکشی حرام نہ ہوتی تو وہ اسی رات موت کو گلے لگا لیتی۔

صدمے اور دکھ سے اس کی ذہنی کیفیت بہت ابتر ہو چکی تھی، ایسے میں اس کے چچا معراج الحق اور چچی ساجدہ نے اس کا بہت ساتھ دیا تھا، اس کے چچا زاد بھائی اس کی دلجوئی میں لگے رہتے۔

انہیں اپنے خون کے پاکیزہ ہونے پر مکمل اعتماد تھا، معراج چچا اسے تسلی اور حوصلہ دیتے ہوئے خود بھی رو پڑتے تو وہ زمین میں گڑ جاتی۔

''دنیا کے حوادث و مصائب انسان کی آزمائش کے موقع ہی عقلمند وہ ہے جو ایسے وقت میں دل کو جگہ سے ہلنے نہ دے، عقل ایسے ہی آزمائشی دلوں کے واسطے ہے، اللہ تو اپنے بندے کو عزت دے کر بھی آزماتا ہے اور لے کر بھی، اب یہ اس بندے کا ظرف اور صبر ہے کہ وہ ان لمحوں کو کیسے گزارتا ہے۔''

اور زینت نے صبر اور حوصلہ کر ہی لیا تھا، اپنے رب سے لو لگا لی تھی، اپنا مقدمہ اس کے سپرد کر دیا تھا کہ وہ بہترین منصف ہے، ایک دن حقیقت آشکار ہو کر رہے گی، اس کے ہاں دیر ہے اندھیر نہیں۔

اس نے سوچ لیا تھا کہ اللہ اپنے بندے پر برداشت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتا، یقیناً ابھی اس کی برداشت باقی تھی جو یہ غم اسے تواتر سے مل رہے تھے۔

اپنا مقدمہ اپنے رب کے حضور پیش کر کے اس کا دل جیسے مطمئن ہو گیا تھا، اس نے اپنے اشک پی لئے تھے، لوگوں سے گلہ شکوہ چھوڑ دیا تھا، ان کی باتوں پر توجہ و دھیان دینا وہ ختم کر چکی تھی اور پھر اس کے صبر کے دن گن لئے گئے، اللہ نے اس کے صبر کا صلہ اس کی بے گناہی ثابت کر کے دیا، جب ایک دن امام مسجد کی بیگم آپا حمیدہ کے ساتھ محلے کی کئی معتبر خواتین سر جھکائے اس کے گھر میں داخل ہوئیں تھیں، وہ انہیں دیکھ کر حیران ہونے کے ساتھ گھبرا گئی تھی۔

عرصہ ہوا تھا محلے کے کسی گھر سے کوئی خاتون اس کے نہ آتی، سب اس گناہگار و بدکار سے دور ہی رہتے، اپنی بیٹیوں کو سختی سے اس سے نہ ملنے کی تاکید کر رکھی تھی۔

آج بھی اس طرح اس معزز خواتین کو اپنے گھر میں داخل ہوتے دیکھا تو وہ جی جان سے کانپ گئی کہ پتا نہیں اب اس گناہگار پر مزید کیا ستم ڈھایا جائے گا کون سے امتحان میں ڈالا جائے گا۔

وہ سر جھکائے بیٹھی رہی، امام مسجد کی بیگم نے اٹھ کر اسے سینے سے لگایا تھا اس کا ماتھا چوما تھا، اس کا چہرہ اپنے ہاتھوں میں لیا تھا۔

زینت نے بے یقینی سے آنکھیں پھاڑ کر ان کی طرف دیکھا تھا۔

''اللہ اپنے صابر بندوں کو کبھی ذلیل و رسوا کر کے اس دنیا سے نہیں، بس آزماتا ہے اور تیری آزمائش اسے بے حد پسند آئی ہے، آج تیری بے گناہی ثابت ہو گئی، فکر تو یہ ہے کہ ہم گناہگاروں کی بخشش پتا نہیں کس طرح ہو گی، جنہوں نے تیرے پاکیزہ کردار پر کیچڑ اچھالی، تجھے مجرم گردانا، اپنی زبانیں گناہوں سے لتھڑیں۔'' وہ کہتے ہوئے رو پڑیں۔

محلے کی خواتین اس کے قدموں میں بیٹھ گئی تھیں، اس سے معافی کی طلبگار تھیں، زینت نے اپنے پاؤں تیزی سے پیچھے کیے تھے۔

''مجھ گناہگار کو مزید گناہگار نہ کریں، آپ کیسے کہہ سکتی ہیں کہ میں بے گناہ ہوں، میں تو بہت سیاہ کار ہوں، ماں باپ کی دل دکھایا، انہیں

زمانے میں رسوا کیا، بھائی کا کلیجہ لوگوں کی باتوں سے چھلنی کیا اور پھر میری وجہ سے اس کھبرو بدن کے ٹکڑے ہوئے، ماں باپ اسی صدمے میں چل بسے، میں کیسے بے گناہ ہوں آپا...... میں تو بہت گناہگار ہوں، دیکھیں...... دیکھیں میرے ہاتھوں پر میرے بھائی کے خون کے دھبے ہیں، میری آنکھوں میں جھانکیں میرے ماں باپ کی شکوہ کرتی اداس نگاہیں نظر آئیں گی، میرے چہرے کو غور سے دیکھیں، غلاظت میں لتھڑا ہوا چہرہ آپ کو ملے گا۔‘‘

’’میں تو بہت خطا کار ہوں بہت خطا کار ہوں۔‘‘ وہ تڑپ کر رو دی تھی۔

جب ہی اس کی چچی ساجدہ بیگم ایک نقاب کیے عورت کو لے کر آگے بڑھی تھیں، ساتھ اس کے ایک جوان لڑکی تھی، زینت نے ناسمجھی میں ان کی طرف دیکھا، عورت نے جونہی نقاب اٹھایا وہ اندر تک لرز گئی وہ عورت بے اختیار اس کے قدموں مین گری تھی، اس سے معافی کی خواستگار تھی، رو رو کر اس نے اپنا سینہ پیٹ ڈالا تھا، ساتھ بیٹھی آنسو بہاتی لڑکی نے اس کے دونوں ہاتھ تھام لئے تھے۔

وہ ساجدہ تھی اور قدموں میں گری عورت اس کی ساس تھی۔

’’تو کیا اس کے رب نے لوگوں کے سامنے اس کی بے گناہی ثابت کر دی تھی، کیا وہ سرخرو ہوگئی تھی، کیا اس کی آزمائش کے دن ختم ہو گئے تھے، کیا اللہ کو اس کا صبر پسند آگیا تھا، جو آج وہ دنیا کے سامنے بے گناہی کا وجود لئے بیٹھی تھی۔‘‘

’’مجھے معاف کر دے زینت بیٹی، جو دل چاہے مجھے سزا دے ہم تیرے مجرم ہیں۔‘‘

’’کاش...... کاش اس رات میں ذرا ہوش سے کام لیتی تو ہم میں سے کسی کو بھی یہ دن نہ دیکھنا پڑتا، تجھ بے گناہ کی آہ لگ گئی ہمارے گھر کو، تجھے رسوا کیا تھا ہم نے، تیرے دامن میں انگارے بھرے تھے، خود بھسم ہو گئے پورے محلے برادری میں بدنام ہو گئے، نازیہ چند مہینوں بعد ہی گھر سے سب کچھ لے کر نکل گئی تھی، اپنی اولاد پر اندھے اعتماد نے یہ دن دکھایا میں اس کی ماں ہو کر لچھن نہ سمجھ سکی، محلے میں عزت خاک میں مل گئی۔‘‘

دلیر لوگوں کی تذلیل بھری نگاہوں سے بچنے اور خود کو تیرا مجرم سمجھتے ہوئے گلے میں پھندا لگا کر جھول گیا، کچھ باقی نہ بچا، راشدہ باجی نے ساجدہ کا رشتہ بھی توڑ دیا، پورا خاندان برادری ہر جگہ بدنامی کے چرچے ہو گئے، میں معافی کے قابل تو نہیں ہوں مگر تیرے آگے ہاتھ جوڑتی ہوں کہ مجھے معاف کر دے، دن رات ضمیر کی عدالت میں ہم ماں بیٹی کھڑی رہتی ہیں، ضمیر کچوکے لگاتا ہے، من سلگتا ہے دل تیری بے گناہی پر روتا ہے، خدا کے لئے ہمیں معاف کر دیے۔‘‘ وہ کڑکڑا رہی تھیں۔

’’کاش اس رات آپ میری بات پر توجہ دیتیں تو نہ دل اجڑتے نہ گھر، نہ رسوائی کسی کے حصے میں آتی نہ اتنی قیمتی جانیں جاتیں، آپ نے میرے ہاتھ میں پکڑا بیگ اور اس میں رکھی میری قمیصیں تو دیکھ لی تھیں مگر ذرا غور نہ کیا، اس رات کھٹکے سے میری آنکھ کھلی تو میں نے باہر جھانکا نازیہ کے ہاتھ میں بیگ تھا اور وہ باہر کودنے کو تیار تھی، باہر دیوار کے ساتھ اس کا چاہنے والا کھڑا تھا، جس کے ساتھ جانے کو وہ تیار تھی، میں نے اسے کھینچ کر اندر لے جانا چاہا مگر وہ میری ایک نہ مان رہی تھی، میں نے زبردستی اس کے ہاتھ سے بیگ چھینا تھا اور جب دلیر اور آپ صحن میں باہر

آئے تھے تو بیگ میرے ہی ہاتھ میں تھا، نازیہ کے شاطر دماغ نے پہلے ہی منصوبہ بندی کر رکھی تھی، اس نے میری شرٹ چند دن پہلے ہی ٹھیک کرنے کے لئے لی تھیں اور مجھے تاکید کی تھی کہ آپ کو نہ بتاؤں، میں کوتاہ عقل اس کی چال کو سمجھ ہی نہ سکی اور آپ کو نہ بتایا اور پھر وہ سب کچھ ہوا جس کا میں نے کبھی تصور بھی نہ کیا تھا۔" زینت سپاٹ چہرہ لئے بولے چلی جا رہی تھی اور سب خواتین دم بخود اس کو سنے جا رہی تھیں، سب کے چہرے اشکوں میں ڈوبے ہوئے تھے، اس نے ایک ایک چہرے کی طرف نظر ڈالی تھی سب کے چہروں پر آج اس کے لئے محبت عزت اور ہمدردی کے جذبات رقم تھے، اس نے ہاتھ آسمان کی طرف اٹھا کر اس رب کا شکر ادا کیا تھا، کہ جس نے اسے گناہگار کی حیثیت سے مرنے سے بچالیا تھا۔

لوگوں کے سامنے بہت جلد اس کی بے گناہی ثابت ہوگئی تھی، جن لوگوں نے اس کے ساتھ برا کیا تھا ان کو اپنے کیے کی سزا اپنے کے ہاتھوں ہی مل گئی تھی، برسوں قبل جو اس کی ذات کی دھجیاں بکھری تھیں اور جنہوں نے بکھیری تھیں، آج وہی ان کو جوڑنے چلے آئے تھے۔

اس نے ساجدہ اور اپنی سابقہ ساس کو گلے لگالیا تھا اور پھر پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھی، ولید کی خودکشی کا دکھ اس کے دل کو چیر گیا تھا، رشتہ ختم ہو گیا تھا مگر اس کی چاہت دل میں اسی طرح پنجے گاڑ کر بیٹھی تھی۔

☆☆☆

جس طرح تاریکی کے بعد اجالا ضرور ہوتا ہے، سحر شام کو پسپا کر کے اپنا تسلط قائم کر لیتی ہے، اسی طرح نیک نامی وعزت اپنا آپ منوا کر رہتی ہے، لاکھ دنیا کیچڑ اچھالے، زمانہ بدنام کرے، بظاہر کوئی راستہ دکھائی نہ دے مگر اچھائی اپنی راہ خود بناتی وہاں پہنچ جاتی ہے وہ جو عزت اور محبت کو ایسے ترستی تھی جیسے ویرانہ بہار کو ترسے، آج سرخرو ہو چکی تھی۔

ہاں اس عرصہ میں اس کا نقصان بہت ہوا تھا، جان سے پیارے رشتوں کو ہاتھ سے کھو بیٹھی۔

ماں باپ بھائی کی جانوں کا نقصان ایسا تھا کہ آنسوؤں کے بحر بھی بہا دیئے جاتے تو پورا ہونے والا نہیں تھا۔

گھر کی خاموش دیواروں نے اس کی کربناک چیخیں سنی تھیں، اس گھر کی زمین نے اس کے آنسوؤں کی جگالی کرنے سے صرف روح ہی چھلنی ہوتی ہے ہاتھ کچھ نہیں آتا، اس گھر کو رب نے ایک بار پھر عزت بخش دی تھی۔

بیٹیوں کے لئے یہ گھر ایک سائبان اور اچھائی کا مرقع بن گیا تھا، زینت نے بچیوں کو قرآن کی تعلیم دینی شروع کر دی، اس کے ہاتھوں میں جو ہنر تھا وہ سب بچیوں میں منتقل کرتی چلی گئی، گھر میں رونق سی بکھر گئی تھی، کل تک وہ تنہا اور گناہگار تھی، آج لوگ اس کے پاس بیٹھنا اپنی توقیر سمجھتے تھے، وہ رب کے حضور جھک جھک جاتی تھی۔

☆☆☆

جوانی سے بڑھاپے کا سفر شروع ہو چکا تھا، زینت آپ کا سارا دن لڑکیوں کو پڑھانے میں، ہنر سکھانے میں صرف ہو جاتا تھا، اب تو کئی لڑکیاں پڑھانے لگی تھیں، وہ تو بس انہیں اچھائی کی راہ دکھاتی رہتی تھیں، سفر انہوں نے شروع کروادیا تھا اور وہ سب اس پر گامزن تھیں۔

زینت کا ارادہ یہی تھا کہ اس مکان کو مدرسہ بنالیا جائے تاکہ ان کے مرنے کے بعد

یہ صدقہ جاریہ بن جائے، مگر انسان سوچتا کچھ ہے، ہوتا کچھ ہے، بعض اوقات ہماری تدبیر ہمیں آڑے ہاتھوں لیتی ہے۔

ان کے چچا زاد وقار بھائی کی بیوی نے انہیں نئے دکھ سے آشنا کر دیا تھا، اپنا ہی گھر ان کے لئے پرایا ہو گیا وہ جانتی تھیں کہ ان کے مرنے کے بعد اس گھر پر ان کے چچا زاد بھائیوں کا ہی حق ہے، انہوں نے جب اپنی چچی ساجدہ بیگم سے اس مکان کو مدرسہ بنانے کی خواہش کا اظہار کیا تو سب نے بخوشی اپنا حصہ چھوڑ دیا۔

کہ ہمیں اس مکان سے کوئی سروکار نہیں، یہ کل بھی آپ کا تھا آج بھی آپ کا ہے اور ہمیشہ آپ کا ہی رہے گا، مگر بلقیس نے انہیں آڑے ہاتھوں لیا وہ کسی طور اپنا حصہ چھوڑنے کو تیار نہ تھیں۔

پہلے پہل وہ آپا کو نرمی سے اس مکان کو بیچنے پر راضی کرتی رہیں مگر جب دیکھا کہ آپا کسی طور اس مکان کو بیچنے پر آمادہ نہیں تو انہوں نے اس مکان پر کیس کر دیا۔

زینت آپا سکتے میں آ گئیں وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھیں کہ بلقیس لالچ میں ایسی اندھی ہو جائے گی کہ ان کو عدالتوں کے چکر لگوائے گی اس دکھ نے انہیں اندر سے ہلا کر رکھ دیا تھا، آزمائش کے د پھر سے چلے آئے تھے۔

☆☆☆

پہلی کے بعد دوسری اور دوسری کے بعد تیسری پیشی کا سلسلہ جلتا رہا، جوڑوں کے درد کی جہ سے ان سے چلنا محال ہوتا، رکشوں میں یٹھنا، اترنا ان کے لئے کسی امتحان سے کم نہ تھا، رات کو تکلیف سے کراہ اٹھتیں۔

صمد اور غفار نے کتنی ہی بار ان کو اپنے ساتھ دالت لے جانے پر اصرار کیا مگر ان کو ایک ہی رٹ۔

”تم لوگ مجھے خود اس معاملے کو حل کرنے دو، اپنا مقدمہ میں آپ لڑوں گی۔“ وہ خاموش ہو جاتے۔

پیشیاں تھیں کہ بڑھتی ہی جا رہی تھیں گویا آپا کو قوی امید تھی کہ فیصلہ ان کے حق میں ہی ہو گا ان کی چیز ہے وہی حقدار ہیں، جبکہ بلقیس نے وکیل کو خوب تگڑی رقم دی تھی جو ہر ممکن طریقے سے آپا کا گھر وقار کے نام کروانے کے چکر میں تھا۔

باقی دونوں بھائی اشٹام پیپر پر دستخط کر کے اس حق سے دستبردار ہو گئے تھے۔

آپا پیشی پر گھر سے ہمت کر کے نکلتیں مگر جب وہاں پہنچتیں تو اگلی تاریخ دے دی جاتی، وہ ٹوٹے دل اور شکستہ قدموں سے ہر بار گھر کا رخ کرتیں تھیں، آنکھوں کی نمی دل تک پھیل جاتی، دل دکھتا تو زبان پر بددعا آ کر ٹھہر جاتی۔

وقار کا چہرہ آنکھوں کے سامنے آ جاتا کہ اس نے تو کبھی ان کا برا نہیں چاہا تھا تو پھر وہ کیسے اس سے جڑے رشتوں ے ئے منہ سے بدکلمات نکالیتیں۔

اس دن بھی وہ بھری دوپہر میں جب عدالت کے گیٹ تک پہنچی تو منشی نے ان کو دیکھتے ہی ایک پرچی ان کے ہاتھ میں تھما دی تھی کہ فلاں تاریخ کو آنا ہے اماں جی۔

ان کا دل کٹ گیا تھا، پسینے میں شرابور وہ غش کھا گئی تھیں۔

لڑکھڑا کر گرنے کو تھیں کہ منشی نے جلدی سے پاس پڑے کولر سے پانی کا گلاس ان کے ہاتھ میں تھمایا، وہ تیزی سے گھونٹ بھرنے لگیں، دل تھا کہ قابو میں ہی نہیں آ رہا تھا، پیاس بڑھتی ہی جا رہی تھی، ماتھے پر سے پسینہ خشک کرتیں تو بار

بار چمک جاتا، ہمت مجتمع کر کے انہوں نے قدم بڑھا دیئے۔

آنکھوں سے گرم سیال مسلسل بہہ رہا تھا، کئی دنوں سے ان کی طبیعت ناساز تھی، آج بہت ہمت کر کے وہ وہاں تک پہنچی تھیں وہ سسک پڑیں۔

کیسا رولا تھا بلقیس نے ان کو، پتا نہیں انہوں نے اس کا کیا بگاڑا تھا کہ جو اس نے ان کو اس آزمائش سے دوچار کیا تھا۔

لالچ اور مفاد پرستی انسان کو رشتوں کی قدر کھو دیتی ہے پیسہ میں اتنی طاقت ہوتی ہے کہ وہ کسی کو دکھ دینے سے بھی باز نہیں آتا۔

پتا نہیں انسان مظلوم کی آہ سے کیوں نہیں ڈرتا، اگر وہ اپنی آہ سے اللہ کو پکارے تو ظالم کا کچھ باقی نہ رہے، وہ اپنی سوچوں میں گھری چلی جا رہی تھیں کہ کسی پتھر سے ٹکرا کر نیچے گریں، نوکیلا پتھر ان کے سر میں کھب گیا تھا، خون تیزی سے سر سے بہنے لگا، لوگ اکٹھے ہوئے کسی محلے والے نے پہچان کر صمد اور غفار کو اطلاع دی، وہ فوراً آ پہنچے تھے، ہسپتال میں زینت آپا زندگی و موت کی کشمکش میں تھیں، ساجدہ بیگم زینت کی یہ حالت دیکھ کر تڑپ رہی تھیں۔

”خدانخواستہ اگر اس کو اس حالت میں کچھ ہو گیا تو ساری عمر بلقیس تجھے معاف نہیں کروں گی اور نہ ہی میرا رب تجھے بخشے گا۔“ بلقیس کو اپنے سامنے دیکھ کر وہ نفرت سے بولی تھیں۔

”یہاں پر کر کیا کر رہی ہے تو، جا گھر جا کر مصلہ (جائے نماز) لے کر بیٹھ جا، گڑگڑا کر دعائیں مانگ تیری مراد بر آئے، آدھی کی بجائے پوری کی مالک بن جائے۔“ ساجدہ کے جو منہ میں آیا کہتی چلی گئی، خلاف معمول بلقیس خامشی سے سنتی رہیں۔

وقت نے خود ہی ان کے آگے ہتھیار ڈال دیئے تھے، پھل خود ہی جھولی میں آن گرنے ک بے تاب تھا، وہ اس وقت ذہن میں بہت منصوبے ترتیب دے چکی تھیں۔

☆☆☆

موسم میں حبس اور گھٹن بڑھتی جا رہی تھی زینت آپا کی حالت پہلے سے بھی زیادہ بگڑ چکی تھی، حالت قابو سے باہر ہوئی جا رہی تھی، ان کی حالت پر زار و زار روتیں، ان کے ہاتھ چومتیں، ماتھے کو بوسہ دیتیں کہ ان کو اپنوں بہت غم دیئے تھے، ساری عمر تکلیفوں و دکھوں چوٹ کھاتی رہیں، سکھ کی گھڑیاں کتنی کم لکھوا لائی تھیں وہ، دکھوں کی گٹھڑیاں اٹھا اٹھا کر زندگی سفر طے کرتی رہیں، صمد اور غفار ان کے پیروا میں پڑے رہتے، وقار گھر پر انسو بہاتے رہتے پتا نہیں آنے والا وقت ان کے ساتھ کیا سلوک کرے یہ سوچ کر ہی وہ کانپ اٹھتے۔

اور پھر ایک صبح اچانک آپا خامشی سے ا لالچی و نفرت انگیز دنیا سے منہ موڑ گئیں۔

ایک حرماں نصیب عورت کی زندگی کا با ختم ہو گیا، مدرسہ بنانے کی خواہش دل میں وہ دنیا سے رخصت ہو گئیں۔

اپنے مکان کا مقدمہ جیتنا ان کے نصی میں لکھا ہی نہیں تھا، سو چپ چاپ آنکھ موند لیں۔

پورا محلّہ ان کی وفات پر یوں غمزدہ تھا جیسے کوئی اپنا بہت پیارا بچھڑ گیا ہو، بہت دلوں میں وہ محبت اور ایمان کی روشنی جلا رخصت ہو رہی تھیں۔

☆☆☆

بعض اوقات انسان اپنے لئے خسارے کا سودا کرتا ہے، بظاہر نظر آتا فائدہ

کے لئے عذاب کی صورت میں نمودار ہوتا ہے مگر انسان کم فہم ہے، پیسے کی ہوس اس کو ایسے جکڑتی ہے کہ حلال حرام کی تمیز ہی کھو دیتا ہے۔

صمد اور غفار کے مکان سے دستبردار ہونے کی صورت میں پورا مکان وقار کے نام ہو گیا تھا، بلقیس نے زبردستی ان سے انگوٹھا لگوایا تھا، سارے بیٹے عدالت میں حاضر ہوئے تھے اور بخوشی مکان کے حقدار بن گئے تھے، بلقیس کی تو باچھیں کھلی جا رہی تھیں۔

سب کچھ بہت با آسانی اور حسب منشاء ہوا تھا، نبیل کا کام جھٹ پٹ ہوا تھا، ماں کے ہاتھوں میں بہت سی خوش آئندہ ڈوریاں تھما کر اپنے خوابوں کی تعبیر پانے نکل کھڑا ہوا۔

حماد اور فہد نے باپ کی دکان سنبھال لی تھی، آپا کا مکان بیچ کر بلقیس نے بیٹوں کے کاروبار میں پیسہ لگا کر خوب وسعت بخش دی تھی، گھر میں روپے پیسے کی ریل پیل ہونے لگی۔

ہاتھ میں پیسہ کھلونے کی طرح رہنے لگا، گھر کی خوب آرائش کروائی گئیں، آج کل تو وہ فہد کے لئے لڑکیاں دیکھنے کی مہم میں مصروف تھیں، وقار کو ایک دو بار بیٹوں کے ساتھ لانے کے لئے وہ ساس کی طرف گئی تھیں مگر انہوں نے ان کے ساتھ جانے سے صاف انکار کر دیا تھا، وہ بھی سر سے بلا ٹلنے کے خیال سے نخوت سے سر جھٹکتی وہاں سے لوٹی تھیں۔

صبح و شام ان کے بڑی عیش میں بسر ہو رہے تھے، دو دو ملازمائیں رکھ لی تھیں، جن پر وہ بڑے کروفر سے حکم چلاتی تھیں۔

محلے میں لوگ کیا باتیں کر رہے ہیں ان کو کس نظر سے دیکھتے ہیں، اس بات سے ان کو کوئی غرض نہیں تھی، انہوں نے جو چاہا تھا حاصل کر لیا تھا۔

اپنے بیٹوں کو وہ ایک خوش آئندہ مستقل دینا چاہتی تھیں اور وہ انہوں نے دے دیا تھا۔

آپا کے مکان نے ان کے سارے مسائل حل کر دیئے تھے۔

انسان بڑا ناسمجھ ہے، وہ سمجھتا ہے وقت کی نبضیں میرے قابو میں ہیں، اچھے برے وقت کا تعین وہ خود کر سکتا ہے مگر یہ اس کی خام خیالی ہی تو ہوتی ہے جو اسے لے ڈوبتی ہے، اللہ ظالم کی رسی دراز ضرور کرتا ہے مگر کھینچتا بھی ضرور ہے اور بلقیس کی عیاشی کے دن بہت کم تھے۔

اس دن وہ صبح ناشتے سے فارغ ہو کر ملازمہ کی صفائی کو تنقیدی نظروں سے دیکھتی اور ہدایتیں دیتی اپنے لئے کسی اچھے سے سوٹ کا انتخاب کرنے لگیں، پیسہ ہاتھ میں ہو تو پہننے اوڑھنے کا سلیقہ بھی آ جاتا ہے، برانڈڈ سوٹ کے علاوہ تو اب وہ کوئی سوٹ خریدتی ہی نہ تھیں۔

آج ان کی طرف فہد کو دیکھنے کے لئے لڑکی والوں نے آنا تھا، بہت مالدار گھرانہ تھا، لڑکی انتہائی خوبصورت اور پڑھی لکھی تھی، وہ تو لڑکی کو دیکھتے ہی اس پر فریفتہ ہو گئی تھیں۔

''اپنی پڑھی لکھی بھتیجیوں پر اتراتے تھے کہ میرے بیٹے ان کے قابل نہیں، انہی بیٹوں کے لئے دیکھنا کیسے کیسے مالدار گھرانوں سے پڑھی لکھی بہوئیں لاؤں گی، بس میرا فہد پسند آ جائے آج ان کو، جھٹ منگنی اور بیاہ کروں گی، خاندان والوں کے سینوں پر سانپ لوٹ جائیں گے۔''

وہ خوش گمانیوں میں گھری شام کی دعوت کا مینیو بھی ترتیب دے رہی تھیں کہ دفعتاً پاس پڑے موبائل کی رنگ ٹون نے ان کی توجہ کھینچ لی۔

کال انجان نمبر سے تھی، انہوں نے ناگواری کے ساتھ فون اٹینڈ کیا دوسری جانب وہ جو کوئی بھی تھا اس نے ان کے سر پر جیسے بم دے

مارا تھا، ان کے پورے وجود کے پرخچے اڑ کر ہوا میں تحلیل ہونے لگے تھے، وہ کھڑے قد سے نیچے گری تھیں، دونوں ملازمائیں بھاگتی ہوئی ان کی طرف دوڑی تھیں۔

☆☆☆

انسان شر کو ایسے مانگتا ہے جیسے خیر کو، کسی کو رلا کر دکھ دے کر ہم کیسے سکون سے رہ سکتے ہیں، کسی مجبور و لاچار کے آنسو رائیگاں ہونے کے لئے تھوڑی بہتے ہیں، یہ آنسو تو رلانے والے سے ایک ایک قطرے کا ایسا حساب لیتے ہیں کہ اس دکھوں کے تلاطم میں بہا کر ہی چین لیتے ہیں۔

بلقیس نے بھی آپا زینب کو ایسے ہی آنسو بہانے پر مجبور کیا تھا، بے بسی کے لاچاری کے، مجبوری کے اور آج خود پہروں بیٹھی روتی تھیں، نبیل کو یاد کر کے آنکھوں سے سیال مادہ گرتا ہی رہتا، نبیل ایکسیڈنٹ میں داغ مفارقت دے کر جا چکا تھا، کتنا شوق تھا اسے دور دیس جانے کا، اتاؤلا ہو گیا تھا اور انہوں نے بھی اس کے جانے کے لئے کن کن طریقوں سے پیسوں کا انتظام کیا تھا، انہیں کیا پتا تھا، انہیں کیا پتا تھا کہ وہ اتنی دور چلا جائے گا کہ ان کی آنکھیں واپسی کی راہ تکتے پتھرا جائیں گی مگر وہ کبھی اپنی شکل دکھا کر ان کے دل کو چین نہیں بخشے گا۔

وقار جوان بیٹے کا غم سہہ نہ سکے تھے اور انہوں نے بھی ایک دن چپکے سے آنکھیں موند لیں، بلقیس اندر سے جیسے ختم ہو گئی تھیں۔

گھر کی تنہائی و وحشت دور کرنے کے لئے انہوں نے فہد کی شادی طے کر دی تھی تاکہ گھر میں سوگواری کی فضا کم ہو۔

دسمبر کی تاریک سرد رات میں برفیلی ہوائیں اپنے جوبن پر تھیں سائیں سائیں کی ہولناک آوازیں بلقیس کو خوفزدہ کر رہی تھیں، تنہا کمرے میں پڑی وہ سوچوں میں گم تھیں، بیٹے کی یاد ان کا دل چیر رہی تھی کسی چیز کا انہیں ہوش نہ تھا۔

آنسو ان کے گالوں کو خوب بھگو رہے تھے کہ دفعتاً گھر میں کچھ دھینگا مشتی اور جھگڑے کی آوازیں ان کی سماعتوں سے ٹکرائیں تو ان کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا، آوازیں حماد اور فہد کی تھیں۔

''اتنی رات گئے یہ دونوں بھائی کیوں تکرار کر رہے ہیں، ہزار بار سمجھایا ہے کہ اب تم دو ہی رہ گئے ہو، آپس میں تم تو اتفاق سے رہ لو مگر میری سنتا ہی کون ہے۔''

دونوں میں سے ہر ایک کی یہ کوشش تھی کہ میں اکیلا کاروبار سنبھالوں، تم اپنا حصہ لے کر فارغ ہو، چلتا کاروبار تھا، آمدنی خوب تھی، دونوں میں سے کوئی بھی دکان چھوڑنے کو تیار نہ تھا، بلقیس کتنی ہی بار ان کو روکر، محبت سے، نرمی سے بات سمجھا چکی تھیں، مگر دونوں ہی اپنی ضد پر اڑے ہوئے تھے، وہ دلگرفتہ سی کمرے سے باہر نکلنے کو تھیں کہ جا کر ان کو سمجھاتی ہوں مگر ان کے کمرے سے قدم باہر رکھنے سے پہلے ہی وہ دونوں کمرے میں چلے آئے۔

دو نقاب پوش ان کے ہمراہ تھے جنہوں نے حماد اور فہد کو گھیرے میں لے رکھا تھا، دونوں کے ہاتھوں میں گن تھیں۔

''کک...... کو...... کون ہو تم لوگ؟ اور یہ میرے بچوں کو کیوں تم نے اس طرح پکڑا ہوا ہے۔'' کپکپاتے لہجے میں بولتی وہ اپنے بچوں کی طرف بڑھی تھیں۔

''آرام سے...... آرام سے بڑھیا، ایسی جلدی بھی کیا ہے؟ ابھی بتا دیتے ہیں، ذرا سانس تو لینے دے ہمیں۔'' ان میں سے ایک آگے بڑھ

کران کا راستہ روکتا ہوا بولا۔

“چل یہاں بیٹھ جا۔” دھکا دے کر انہوں نے بلقیس کو بیڈ پر بٹھایا تھا۔

“اوئے کمینے میری ماں کے ساتھ بدتمیزی کرتا ہے۔” فہد بپھرا تھا۔

“ہاں کر رہا ہوں بدتمیزی، کیا کرے گا؟ مارے گا ہمیں، لے مار۔” ایک نقاب پوش آنکھیں نکالتا ہوا حماد کے سامنے سینہ تان کر کھڑا ہو گیا، اس نے ایک ہاتھ سے فہد کا بازو مروڑا اور دوسرا ہاتھ بلقیس کے کندھے پر رکھا، بلقیس خوف سے کانپ گئیں۔

فہد کی آنکھوں میں خون اتر آیا، اس نے کھینچ کر ٹانگ نقاب پوش کے پیٹ میں ماری تھی۔

“بے غیرت میری ماں کو ہاتھ نہ لگا، تجھے جو کرنا ہے ہمارے ساتھ کر۔”

“بڑا غصہ آ رہا ہے ماں کو ہاتھ لگانے پر اور تم جو دوسروں کی بیٹیوں کی عزتوں پر ہاتھ ڈالتے ہو، اس وقت تکلیف نہیں ہوتی، بے غیرت ہماری بہن کو ورغلا کے، جھوٹی محبت کا جھانسہ دے کر اسے موت کے منہ میں دھکیلنے والے ماں کو ہاتھ لگانے پر بڑی غیرت آ رہی ہے۔” ان دونوں نقاب پوش کی آنکھیں خون رنگ ہوئی تھیں۔

دونوں نے حماد، فہد کو بلقیس کے اطراف میں بٹھا دیا تھا اور خود ساتھ کھڑے ہو گئے تھے۔

“کیا مطلب؟” بلقیس فقط اتنا ہی بول پائیں۔

“تیرا یہ بیٹا جسے تو بڑا معصوم سمجھتی ہے ہماری بہن کو محبت کے جال میں پھنسایا اور پھر اسے یہ کہہ کر دھتکار دیا کہ تم جیسی لڑکیاں گھروں میں بسانے کے لئے نہیں ہوتیں، اس کمینے کی وجہ سے میری بہن نے موت کو گلے لگایا، ہمارا باپ دل کا مریض بیٹی کا صدمہ برداشت نہ کر سکا اور وہ بھی ہم سے جدا ہو گیا، صرف اس کی وجہ سے ہمارا گھر برباد ہوا، گھر میں صف ماتم بچھی، ہماری ماں بستر مرگ پر پڑی ہے اس کی وجہ سے۔”

“تو کیا سمجھ رہا تھا کہ تو ہمارے ہاتھوں بچ جائے گا، اپنی بہن کا غم ہم آسانی سے بھول جائیں گے۔” وہ لمبا تڑنگا نقاب پوش دہاڑا تھا۔

حماد، فہد اور بلقیس کا خون خشک ہو چکا تھا، بلقیس کو اپنے بیٹوں سے یہ توقع ہرگز نہیں تھی، وہ تو انہیں بڑا معصوم سمجھتی تھیں لیکن یہ کیا ہو گیا تھا انہیں بیٹے کی وجہ سے یہ کیسی رات دیکھنی نصیب ہوئی تھی، وہ لرز گئی تھیں۔

“واہ بڑھاپے میں بھی بڑھیا کا حسن دیکھنے کے لائق ہے۔” ایک نے بلقیس کے گال پر انگلی پھیری تھی، وہ بیٹوں کے سامنے شرم سے کٹ گئیں۔

“اوئے تمہیں میری ماں کو ہاتھ لگانے کا کوئی حق نہیں پہنچتا۔” حماد کی آنکھیں بھی سرخ ہو گئی تھیں، اس نے جلدی سے ماں کے سر سے سرکتا آنچل ڈھکا۔

قدرے فربہ نقاب پوش نے حماد کی ٹھوڑی کے نیچے گن رکھ کر اس کا منہ اونچا کیا۔

“تو اب تک ہمارا ساتھ دیتا آیا ہے، اب بھی چپ کر کے بیٹھ جا۔” نقاب پوش کی بات سن کر بلقیس اور فہد نے آنکھوں میں تحیر لئے اس کی طرف دیکھا تھا۔

“ہاں جی، آپ لوگوں کو یہ جان کر بڑی خوشی ہوگی کہ آپ کے اس بیٹے نے یہ کہہ کر ہمارا دل خوش کر دیا کہ جو چاہے اس کے ساتھ کرو، میرا اس سے کوئی سروکار نہیں۔”

“واہ...... سمجھدار بھائی ہو تو ایسا جو صرف اپنا سوچے۔” نقاب پوش نے داد دینے کے لئے مسکرا

کر ہولے سے تالی بجائی تھی۔

”تیرے اس بیٹے نے اپنے بھائی کی جان ختم کرنے کے لئے ہمیں آج کھلا گیٹ فراہم کیا ہے مگر بھول جا کہ ہم اسے چھوڑ دیں گے۔“ بلقیس کا دل کٹ گیا فہد نے نفرت سے حماد کی طرف دیکھا تھا، حماد نے نظریں چرا لی تھیں۔

”جس طرح ہمارے باپ نے ہماری بہن کے ناحق مرنے پر آنسو بہائے آج تمہاری ماں تمہاری لاش پر بین کرے گی، جیسے ہماری آنکھوں کی نیندیں باپ کے دنیا سے رخصت ہونے پر رخصت ہوئیں، ایسی ہی نیندیں تمہاری ماں کی رخصت ہونگی۔“ نقاب پوش نے غصے سے دہاڑتے ہوئے فہد کے پیروں میں گولی چلائی تھی، اس کی دو انگلیاں کٹ کر دور جا گری تھیں، بلقیس تڑپ گئی تھی۔

”خدا کے لئے...... خدا کے لئے میرے بچے پر رحم کرو، میں معافی مانگتی ہوں اپنے بچے کی طرف سے، اس سے واقعی بہت ظلم ہوا، اللہ کے واسطے اس ماں کے ہاتھوں کی طرف دیکھو، مجھے یہ غم نہ دو، ایک جوان بیٹے کے غم نے مجھے پہلے ہی درگور کر دیا ہے، میں مر جاؤں گی اب اور غم سہنے کی تاب نہیں ہے مجھ میں۔“ بلقیس گڑگڑاتے ہوئے ان کے پیروں میں پڑ گئیں مگر ان دونوں پر خون سوار تھا۔

”معاف کرنے نہیں آئے ہم بڑھیا، بدلہ لینے آئے ہیں، آج رات تو بین کرے گی اور ہم سکون سے سوئیں گے، بتا پہلے کس کو رخصت کریں؟“ لمبے والا نقاب پوش خباثت سے مسکرایا، حماد نے چونک کر اس کی طرف دیکھا تھا۔

”تجھے بھی تیرے بھائی کے ساتھ ہی رخصت کریں گے، سارے ثبوت مٹا کے ہم اس ملک سے ہی کل چلے جائیں گے، بس یہاں تمہاری ماں تمہاری قبروں پر رونے کے لئے چھوڑ کر جائیں گے تو دل کو سکون ملتا رہے گا۔“

”تم ایسا نہیں کر سکتے؟“ حماد اپنی جگہ سے اٹھا تھا۔

”ہم ایسا ہی کرنے لگے ہیں۔“ اس نے دھکا دے کر اسے پھر سے اسی جگہ بٹھا دیا تھا۔

”خدا کے لئے رحم کرو، تمہیں اللہ کا واسطہ مجھے مار دو میری جان لے لو، میرے بچوں کو چھوڑ دو۔“ بلقیس کی التجائیں منہ میں ہی رہ گئی تھیں کیونکہ گن کا ٹریگر دب چکا تھا، فہد کے پیٹ میں انہوں نے اتنی گولیاں ماری تھیں کہ وہ خون میں لت پت ان کے اوپر آ کے گرا تھا، وہ سکتے میں آ گئی تھیں اور پھر حماد کی خوف سے ابلتی آنکھوں کو انہوں نے نشانہ بنایا تھا، دماغ کو پھاڑتی گولیاں اسے بھی ٹھنڈا کر گئی تھیں، بلقیس پھٹی آنکھوں سے اپنے دونوں بیٹوں کی خون میں لت پت لاشوں کو دیکھ رہی تھیں، پل میں موت انہیں اچک کر لے گئی تھی، کیسا سفاک کھیل تقدیر نے ان کے ساتھ کھیلا تھا، چند لمحوں بعد وہ بھی اپنے اطراف سے بے خبر تھیں۔

☆☆☆

خواہشات کی اپنی ایک دنیا ہوتی ہے جہاں نفی کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

بلقیس نے بھی اپنی خواہشات کی نگری بسائی تھی، اپنے بیٹوں کو اچھا مستقبل دینے کے لئے اسے دولت چاہیے تھی، اسے خود کو عیش و آرام چاہیے تھا، دولت کی چاہت اس کے رگ و پے میں سرائیت کر چکی تھی، اسی دولت کے حصول کے لئے انہوں نے یہ نہ سوچا کہ اس پر میرا حق ہے بھی کہ نہیں۔

اس کو حاصل کرنے کے لئے میں کسی جائز

حقدار کو آنسو بہانے اور کرلانے پر مجبور کر رہی ہوں۔ کبھی یہ نہ سوچا کہ اگر کسی بے گناہ کی آہ لگ گئی تو میرا کیا بنے گا، اس خیال کو تو انہوں نے کبھی اپنے قریب پھٹکنے ہی نہیں دیا تھا، بس اپنے لئے اچھے اچھے خواب ہی بنے تھے۔

تصور میں بیٹوں کو عیاشی کرتے خوش باش دیکھا تھا، مگر قدرت نے ان سے کیسا انتقام لیا تھا کہ جن بیٹوں کے لئے انہوں نے جائز و ناجائز رقم حاصل کرنے کے لئے تگ ودو کی تھی وہی بیٹے ان کے لئے امتحان بن گئے تھے، اسی دولت نے ان سے انتقام لیا تھا۔

کیا پیسہ انسان کو ایسے ہی اندھا کر دیتا ہے؟ پہلے وہ اندھی ہوئی تھیں پھر ان کے بیٹے۔

حماد نے اپنے فائدے کے لئے اپنے بھائی کو مروانے کا سوچ لیا تھا۔

''آہ۔'' یہ کیسی تلخ اور اذیت ناک حقیقت تھی جو ان کا دل چیرے دے رہی تھی۔

وقار نے کتنا صحیح کہا تھا کہ حرام کا مال کھا کر اولاد ایسی ہی ہو گی، مطلب و مفاد پرست، گناہ و برائی کا تصور مٹ جائے گا ان کے لئے، اپنوں کی محبت و چاہت ختم ہو جائے گی دل سے اور یہی سب کچھ تو ہوا تھا ان کے ساتھ۔

دونوں بیٹوں کے لاشوں پر وہ بین کر کے روئی تھیں، کچھ باقی نہ بچا تھا، دولت، روپیہ، پیسہ بھرا پڑا تھا، عالیشان گھر تعمیر ہو چکا تھا مگر اس میں رہنے والے چلے گئے تھے، پیسے کو استعمال کرنے والے لمحوں میں رخصت ہو گئے تھے۔

بلقیس کو اپنا کچھ ہوش نہ تھا، ملگجے کپڑوں میں متورم چہرہ لئے پڑی رہتیں، کبھی چیخ چیخ کر رونے لگتیں، کبھی بیٹوں کو یاد کر کے اپنا سینہ پیٹتیں، بال نوچتیں، رو رو کر پورا گھر سر پر اٹھا لیتیں، سنبھالنا مشکل ہو جاتا ساجدہ ان کی حالت دیکھ کر کٹ کر رہ جاتیں۔

''کیوں کیا تو نے ایسا ظلم اپنے ساتھ بلقیس؟ کتنا سمجھایا تھا کہ خدا کی لاٹھی بے آواز ہوتی ہے، ایکدم پڑتی ہے بندہ کسی جوگا (قابل) نہیں رہتا، کیوں بھول گئی تھی تو اس ذات کو؟ یہ دنیا مکافات عمل ہے، خار اگائیں تو خار ہی ملیں گے کیوں تو نے سزا و جزا کو نظر انداز کر دیا تھا؟ سب کچھ جانتے بوجھتے انسان اپنے لئے کتنے خسارے کا سودا کرتا ہے، جان بوجھ کر دلدل میں جا گرتا ہے، اب کیوں روتی ہے؟ چپ کر جا، میرے بیٹے کا گھر اجاڑ دیا، نسل ختم کر دی، کوئی نام لینے والا نہ رہا، اگر تجھے یہ کام کرنا تھا تو پہلے اپنے ضمیر کو سلاتی، اس کا گلا گھونٹتی، تاکہ پچھتاوے تجھے پریشان نہ کرتے۔'' ساجدہ بلقیس کو ساتھ لگا کر خود بھی زار و زار رو دی تھیں، ہر آنکھ اس دکھ پر اشکبار تھی اور بلقیس کو ترحم بھری نگاہوں سے دیکھتی تھی۔

وہ غصے کو پی کر ان کے دکھ میں ان کے ساتھ آنسو بہاتیں جوان پوتوں کے بے دردی سے مارے جانے کا غم، انہیں زندہ درگور کر گیا تھا، بڑھاپے میں یہ دکھ دیکھنا بھی ان کی قسمت میں لکھا تھا۔

قدرت نے بلقیس کو دنیا میں سزا دے کر شاید اس کی آخرت سنوارنے کا ارادہ کر لیا تھا۔

یہ اس کی حکمتیں ہیں وہی جانتا ہے، دکھ دے کر آزماتا بھی ہے اور دکھ دے کر گناہوں سے پاک بھی کرتا ہے، اس کا دیا ہر دکھ اور سکھ اپنے بندے سے محبت کا اظہار ہے بس انسان ہی کم فہم ہے۔

☆☆☆

دسمبر کی ٹھٹھرا دینے والی سردی پڑ رہی تھی،

سب لوگ گرم بستروں میں میٹھی نیند لے رہے تھے مگر نیند کی تلاش میں بلقیس کی آنکھیں پتھرا گئی تھیں۔

بے چینی، دکھ، غم اور پچھتاؤں نے ان کے جسم میں ڈیرے ڈال رکھے تھے، ضمیر کچوکے لگاتا تھا، آپا زینت کا چہرہ آنکھوں کے سامنے آتا تو وہ وحشت زدہ ہو کر آنکھوں پر ہاتھ رکھ لیتی تھیں۔

”نہیں آپا،...... نہیں آپا، مجھے ایسے مت گھورو...... دیکھو مجھے آپ کا صبر لے ڈوبا، آپ کے دکھی دل کی آہ نے عرش والے کو جگا کر میرا سب کچھ تباہ و برباد ہو گیا، آپ تو بے اولاد تھیں مگر آپ کو یاد کرنے والے، آپ کو پڑھ کر بخشنے والے سینکڑوں لوگ موجود ہیں۔“

آپا کے مکان کو جس شخص نے خریدا تھا، وہ آپا کی شاگرد کا شوہر تھا اور ان کی خواہش جانتا تھا، اس نے مکان کو نئے سرے سے تعمیر کروا کے بچیوں کا مدرسہ بنا دیا تھا۔

دن رات قرآن پڑھے جاتے آپا کو بخشے جاتے، وہ مکان ان کے لئے صدقہ جاریہ بن چکا تھا۔

بے شک رب دلوں کے بھید خوب جانتا ہے، صابر بندوں کی خواہشوں کی تکمیل ایسے ہی ہوتی ہے۔

اور ان کو لالچ میں کیا ملا؟ دکھ، ذلت، رسوائی، بیٹوں کی جانوں کی جان لیوا اذیت۔

اس ماں کی کیا زندگی ہو گی جس کے بیٹوں کو اس کی آنکھوں کے سامنے ذبح کر دیا گیا ہو، ان کے مرنے پر تو ان کو کوئی رونے والا بھی نہ رہا تھا۔

وہ کھڑکی کھول کر باہر رات کی تاریکی کو کھوج رہی تھیں۔

سرما کی ہوائیں ان کے ہڈیاں چٹخانے لگیں، سرد ہوا کے تھپیڑے ان کے چہرے پر پڑتے تو لگتا گناہوں سے لتھڑے چہرے سے سرد ہوا بھی انگارہ بن جاتی ہو۔

دکھ اور گھٹن کے کرب نے ان کا سانس تک لینا دشوار کر دیا، یہ خوبصورت گھر انہیں بھوت بنگلہ لگ رہا تھا۔

”آہ...... میں ایسا کیا کروں کہ مجھے چین مل جائے، میرے دل کی اذیت اور ضمیر کے کوڑوں سے مجھے کسی پل تو قرار ملے۔“ وہ کھڑکی کے پٹ سے سر مار کر آنسو بہانے لگیں۔

ساجدہ کی ان کے رونے سے آنکھ کھل گئی تھی، وہ جانتی تھیں پچھتاؤں اور غموں کے ناگ ان کے جسم کو ہر لحظہ ڈس رہے ہیں، سکون کے لمحوں کو وہ ترس گئی ہیں، وہ بستر سے اٹھ کر بلقیس کے پاس چلی آئیں۔

”بلقیس پتر، جب بھی اپنے گناہوں کا احساس ہو جائے تو وضو کر کے نماز توبہ پڑھ لو، خوب رو کر ندامت کے آنسو بہا کر اپنے رب سے اپنے گناہوں معافی مانگ لو، میرا رب بڑا کریم ہے، وہ اپنے بندے کی توبہ کا منتظر رہتا ہے، بخشنے میں دیر نہیں لگائے گا۔“

انہوں نے ان کا چہرہ ہاتھوں میں لے کر منہ پر سے چپکے بال ہٹائے، کھڑکی کے پٹ پر سے ان کا ہاتھ ہٹایا اور انہیں بستر پر لئے چلی آئیں۔

”کیسے...... کیسے وضو کروں اماں، کیسے اس کے سامنے جھکوں، کس منہ سے معافی مانگوں، گناہوں میں لتھڑی ہوں، میرا پورا وجود بدبودار ہو چکا ہے، گناہوں کا تعفن پورے جسم میں پھیل گیا ہے، کیسے اس کے روبرو ہوں۔“ وہ گھٹنوں میں سر دے کر رونے لگیں، ان کی سسکیاں ہچکیوں میں بدل گئیں، اماں نے ان کی ہمت بندھائی تھی۔

☆☆☆

''مدرستہ اللبنات''

(ترجمہ) ''بے شک دلوں کا سکون اللہ ہی کے ذکر میں ہے۔''

اور بلقیس نے اپنا سکون تلاش کر لیا تھا، اپنے عالیشان مکان کو انہوں نے لڑکیوں کا مدرسہ بنا دیا تھا۔

دن رات قرآن کی تلاوت ہوتی، ذکر الٰہی ہوتا تو ان کے دل کو تقویت پہنچتی۔

آپا زینت کی روح کو تسکین اور اپنے گناہوں کا کفارہ ادا کرنے کا انہیں یہی ایک حل نظر آیا تھا۔

وہ اکثر سوچتیں کہ آپا زینت کتنی خوش نصیب ہیں، ایک مدرسہ بنانے کی خواہش لئے دنیا سے رخصت ہوئیں تو دو دو مدرسے بن کر ان کی روح کی تسکین کا سامان بن گئے اور خود انہوں نے دو دو مکان کا لالچ کر کے اپنے ہر رشتے کو کھو دیا تھا۔

آپا زینت بے اولاد اس دنیا سے رخصت ہوئی تھیں اور وہ تین تین بیٹوں کی ماں بن کر بھی بے اولاد ہی دنیا سے چلی جائیں گی، کوئی رونے والا نہ ہوگا، کوئی آنسو بہانے والا نہ ہوگا مگر رب ایسی ہی آزمائشوں اور دکھوں میں مبتلا کر کے اپنے بندے کو اپنے قریب لے آتا ہے، وہ بھی اپنے رب کے قریب آ گئی تھیں۔

اس سے دن رات ہمکلام ہونے لگی تھیں، وہ ان کی سننے لگا تھا، دل کو سکون انہیں عطا کر دیا تھا اور جب دل کا سکون مل جائے تو پھر زندگی بہت آسان لگنے لگتی ہے، انہیں اپنی زندگی کے یہ پل قیمتی متاع لگ رہے تھے کہ رب نے ان کی ندامتوں کا عرق دنیا میں ہی بہانے کا موقع دے دیا تھا، اپنی پیشانی اس کی بارگاہ میں ٹیکنے سے انہیں جو قرب کی دولت نصیب ہوئی تھی، اس کے سامنے ساری دنیا کی دولتیں ہیچ تھیں۔

بلقیس آنسو بہاتی جاتی تھیں اور اس سچی کتاب پر انگلی پھیرتی جاتی تھیں۔

☆☆☆

اچھی کتابیں
پڑھنے کی عادت ڈالیں

ابن انشاء

اوردو کی آخری کتاب .... ✵
خمار گندم .... ✵
دنیا گول ہے .... ✵
آوارہ گرد کی ڈائری .... ✵
ابن بطوطہ کے تعاقب میں .... ✵
چلتے ہو تو چین کو چلیئے .... ✵
نگری نگری پھرا مسافر .... ✵
خط انشاء جی کے .... ✵
اس بستی کے اک کوچے میں .... ✵
چاند نگر .... ✵
دل وحشی .... ✵
آپ سے کیا پردا .... ✵

ڈاکٹر مولوی عبد الحق

قواعد اردو .... ✵
انتخاب کلام میر .... ✵

ڈاکٹر سید عبداللہ

طیف نثر .... ✵
طیف غزل .... ✵
طیف اقبال .... ✵

لاہور اکیڈمی
چوک اوردو بازار لاہور
فون: 042-37321690, 3710797

عشق اسیر

سدرۃ المنتہیٰ

تیرھویں قسط کا خلاصہ

شفیعت کو شک ہے کہ چیزل حبیب کا بیٹا ہے، پربھات اور شفیعت کے سوالات حبیب کو بوکھلا دیتے ہیں، پربھات رباعی کی شادی کے لئے نکلی ہے، باپ کا رویہ پہلی بار بیٹوں کے ساتھ عجیب سا ہو رہا ہے۔

حبیب چیزل کی ماں سے ملنے گیا ہے، ماضی کا اک راز جاننے کے لئے، شفیعت نے پرانی فائلوں میں سے یونیورسٹی کے دور کی تصویریں نکالی ہیں، تمام یادیں تازہ ہو گئی ہیں۔

نعمان نے اکیلے میں سارنگ سے بات کی ہے۔

پربھات کو سبیل کی پسندیدگی کا پتا چلا ہے، سارنگ کے لئے وہ وعدہ کرتی ہے کہ سارنگ سے بات کرے گی۔

رباعی کی شادی ہوئی ہے فیروز کے ساتھ فیروز نے پربھات کو دیکھتے ہی تماشہ کھڑا کر دیا تھا۔

اب آپ آگے پڑھیئے

چودھویں قسط

''اس نے مجھے برباد کر دیا، اس نے مجھے برباد کر دیا، وہ بھی آباد نہیں ہیں، بہت بے چین ہیں۔'' اب کی بار وہ کہہ نہ سکی کہ معاف کر دیں۔

''میں نے معاف نہیں کیا، میں نے معاف نہیں کیا'' وہ نیند میں ڈوب گئیں تھیں۔

''تو مت آنا، میں نے اسے معاف نہیں کیا، میں نے نہیں کیا۔'' وہ نیند میں ڈوب گئیں تھیں۔

رباعی آ گئی تھی، میک اپ زبردستی اتارا گیا تھا لیکن آثار باقی تھے، وہ زیور وغیرہ اتار آئی تھی، ہلکا کاٹن کا سوٹ تھا، بال سمیٹتی ہوئی آئی تھی۔

☆☆☆

''یہ ٹھیک ہیں؟''

''ہاں بہتر ہیں، میں نے انہیں نیند کی گولی دی ہے، یہ تھوڑا سو کر اٹھیں گی تو بہتر محسوس کریں گی، ان کا خیال رکھنا، میں جا رہی ہوں، اب شاید کبھی نہ آؤں، مجھے نہیں پتہ تھا کہ اس بار میرا آنا یہ رنگ لائے گا، بہر حال تمہارے لئے یہاں زندگی مشکل ہے لیکن ہمت رکھنا، پلیز بات کرتی رہنا، اور مجھے ان کی دوائیوں کے سیمپل بھیجنا، میں شہر میں کسی سے بات کر کے کسی ڈاکٹر سے دوا بھیجوں گی یا نام سینڈ کر دوں گی تمہیں، مجھے اندازہ ہے انہوں نے ڈاکٹر کو بھی دکھایا نہیں ہوگا اور سنو، وہ برا ہے، لیکن آج اسے روتے ہوئے دیکھ کر اندازہ ہوا ہے کہ صرف وہ برا نہیں اسی کا ماحول برا ہے، اس کی زندگی بری گزری ہے، اسے آہستہ آہستہ ٹھیک کرنے کی کوشش کرنا، کوشش ضرور کرنا برا تو ہے لیکن تمہارا شوہر ہے، محبت کرو گی تو خوش رہو گی۔''

رباعی اس کی نصیحتوں پر ہنس پڑی تھی کھوکھلی ہنسی سے، وہ اس سے مل کر نکل آئی تھی، ذہن میں صرف یہ دو جملے بازگشت کر رہے تھے۔

''تو یہاں مت آنا''

''میں نے اسے معاف نہیں کیا۔''

''زندگی پیچیدگیوں سے کھیلنے کا نام ہے، مجھے پتہ ہے رباعی تم بڑے مشکل ماحول میں پھنسی ہوئی ہو۔''

''میں فیروز کے سارے رنگ دیکھنے کے بعد تمہیں یہ بھی نہیں کہہ سکتی کہ تم اس سے محبت کرنے کی کوشش کرو، یا پھر یہ کہ دوستی کرنے کی کوشش کرو، تو کہہ سکتی ہوں کہ انسیت فطری ہے، نا چاہتے ہوئے بھی تم اس کی طرف کھینچو گی اور وہ نا چاہتے ہوئے بھی تمہاری طرف دیکھے گا، بس کچھ اچھی چیزوں کو تلاشنے کی کوشش کرنا اور حالات کو قبول کر لو گی تو آسانی زیادہ رہے گی۔'' اس نے لمبا چوڑا میسج کر کے سر ٹکا دیا کرسی سے۔

''عجیب لوگ ہیں، ایک تو تم گالیاں کھا کر بھی وہاں چلی جاتی ہو، اب تو تازہ ہو گئی ہو ناں، اب میرے خیال سے سال بھر کے لئے تو سبق سیکھ گئی ہو گی یا نہیں؟''

''مجھے نہیں پتا، لیکن یہ ہے کہ کوئی مسئلہ حل ہونے میں نہیں آ رہا روبی کچھ سمجھ نہیں آتا ہے۔''

''اس لئے پربھات کہ تم نے خود کو دوسروں کے لئے وقف کر دیا ہے۔''

''تم پاگلوں کی طرح پھر رہی ہو، ادھر سے ادھر، اس ایک عرصے میں تم نے جاب کے لئے

نہیں سوچا کچھ بھی، تم صرف ان صلح ناموں میں پھر رہی ہو، چھوڑ دو ان لوگوں کو ان کے حال پر، اپنی کرو، رباعی جیسی بھی ہے اس ماحول کا حصہ ہے خود ہی نبٹ لے گی، تم یہاں نہیں رہتیں، تم شہر میں رہتی ہو، تم اپنی الگ زندگی گزار رہی ہو، تمہیں خود کے لئے جینا ہے، الگ سے جینا ہے، اپنے بارے میں سوچو، یا شادی کرو، یا کام ڈھونڈو۔‘‘ وہ روبی کو قدرے حیرت سے دیکھے گئی۔

’’کیا...... ایسے کیا دیکھ رہی ہو، غلط کہہ رہی ہوں۔‘‘

’’نہیں بلکہ یہ سوچ رہی ہوں کہ زندگی میں پہلی مرتبہ کوئی ڈھنگ کی بات کی ہے تم نے۔‘‘

’’پہلے ساری ڈھنگ کی باتیں تم لے جاتی تھیں۔‘‘

’’اس لئے ابھی جب تمہاری عقل پر پتھر پڑے ہوئے ہیں تو مجھے ہی کچھ کرنا پڑے گا ناں۔‘‘

’’ٹھیک کہتی ہو، لیکن کیا کروں، روبی ماضی کا جو باب کھلا ہے، اسے بند ہوتے ہوتے بڑا وقت لگ جائے گا، بلکہ بند کہاں، بس یہ شفاف ہو جائے۔‘‘

’’تم ابا جی سے کھل کر بات کیوں نہیں کرتی۔‘‘

’’رہنے دو روبی کشیدگی بڑھ جاتی ہے، اب تو میں نے سوچا ہے کہ کوئی بات ہی نہیں کروں گی۔‘‘

’’پلیز کام میں مصروف کرو خود کو میں تو کہتی ہوں کر لو شادی چڑیل سے اچھا تو ہے۔‘‘

’’کتنا بے وقت اور اچانک بولتی ہو، بغیر سوچے سمجھے۔‘‘ وہ سٹپٹا گئی۔

’’کیا بغیر سوچے سمجھے، سچ ہی تو ہے، جو بھی ہے۔‘‘

’’دیکھو روبی اب یہ بات میرے گھر کے کسی فیملی ممبر سے مت کرنا۔‘‘

’’کیوں، میں تو کروں گی ابا جی سے، خبردار روبی پلیز۔‘‘ اس کا لہجہ تیز ہو کر پھر دھیما ہو گیا۔

’’وہ پہلے ہی بہت پریشان ہیں، زیادہ ڈسٹرب ہو جائیں گے۔‘‘

’’نہیں پر بھات بلکہ ان کے سر سے بوجھ اترے گا، وہ ریلیکس ہو جائیں گے۔‘‘

’’ہر چیز کا اپنا ایک وقت ہوتا ہے روبی، پلیز فی الحال میری فکروں میں اضافہ مت کرنا۔‘‘ وہ چڑچڑی ہو رہی تھی۔

’’حد ہو گئی پتا نہیں کب سدھرو گی، بہر حال میں کوئی کام وام دیکھتی ہوں، کسی ڈیپارٹمنٹ میں پھر سے سی وی بھجوا دو۔‘‘

’’ایک تو فیلڈ بھی تم نے ایسی پاگلانہ لی ہے، اچھی بھلی ذہین لڑکی ہو، ڈاکٹر انجینئر تو آرام سے لگ سکتی تھیں۔‘‘

’’ایک تو ہمیں میڈیسن اور انجینئرنگ کے علاوہ کوئی فیلڈ نہیں سوجھتی۔‘‘ وہ سر جھٹک کر اسکرین سے باہر دیکھنے لگی تھی۔

اس نے سوچا اترتے ہی پہلے وہ روبی کو گھر چھوڑے گی اس کے بعد گھر جائے گی اور کیا بھی یہی تھا۔

گھر پہنچی تو وہ سامنے نہیں ملے، شفیعت بھی نکل چکی تھی، رشید موجود تھا، اس نے اسے چائے کا کہا اور اپنے کمرے میں جانے ہی لگی تھی کہ شفیعت کے کمرے میں اسے کسی کی موجودگی کا

احساس ہوا، وہ دروازہ دھکیل کر جھانکنے لگی تو نعمان کی پشت تھی۔

’’ہیلو ہیرو۔‘‘ اس نے فوراً پلٹ کر دیکھا تو اس کی آنکھیں سوجی ہوئی لگیں۔

’’تمہاری ہیروئن کیسی ہے؟‘‘ وہ اندر آ گئی، تا کہ مزید تسلی ہو، نعمان چپ تھا اس کے ہاتھ میں کچھ کاغذ تھے۔

وہ آگے بڑھی تو تصاویر پر نظر پڑی، یہ شفیعت کی یونیورسٹی کے دنوں کی گروپ فوٹو تھی، اس میں سارنگ بھی تھا۔

’’یہ البم، یہ تو پرانا ہے۔‘‘ اسے فوری طور پر کچھ نہیں سوجھا تھا کہ کہے۔

’’مجھ سے جھوٹ مت بولنا، شفیعت اسے پسند کرتی ہے ناں؟‘‘ وہ جیسے دھک سے رہ گئی اس سوال پر۔

’’کرتی تھی شاید لیکن میرے پاس اس کا بھی پروف نہیں ہے، اس سے زیادہ اور کیا پروف ہو گا۔‘‘ اس کی آواز بھی بھاری تھی جیسے تمام خدشات کا پکے یقین کا جواب مل گیا ہو۔

’’مجھے بتاؤ پربھات یہی ہے ناں، بلکہ تم مت بتاؤ، میں تمہیں بتاتا ہوں، میں مشکل حل کر دیتا ہوں تمہاری اور وہ یہی کہ یہی ہے وہ...... پربھات...... میں سارنگ سے بات کر چکا ہوں۔‘‘ وہ صدماتی کیفیت میں بیڈ پر بیٹھ گئی، اس کے سامنے۔

’’تم مت پوچھو، میں خود ہی بتاتا ہوں کہ میں نے سارنگ سے کیا بات کی ہے، پربھات میں نے سارن کو کہا کہ اگر میں چھوڑ دوں اسے۔‘‘ یہ کہتے اس کی آنکھوں سے آنسو نکل پڑے۔

’’اگر وہ مجھے چھوڑ دے۔‘‘ اس نے جملے کا جوڑ بدلا تھا۔

’’نہیں، وہ مجھے چاہتے ہوئے بھی نہیں چھوڑے گی، مجھے نا چاہتے ہوئے بھی شاید ایسا کرنا پڑ جائے، اب کوئی فائدہ نہیں ہے نعمان بھائی، وہ سب ماضی تھا۔‘‘ اس کا لہجہ خالی ہو گیا تھا۔

’’پربھات ایک دن بھی وہ ذہنی طور پر میری نہیں بنی۔‘‘

’’اس کا کوئی قصور نہیں ہے، اس نے کہا تھا شادی سے پہلے کہ تم تھک نہ جاؤ اور یہ کہ مجھے اپنا رہے ہو تو شکایت مت کرنا، میں سمجھ گیا تھا کہ وہ دل کھو چکی ہے، لیکن میری خوش فہمی کہ میں اسے محبت سے قید کر لوں گا، میں غلط تھا پربھات، وہ ٹھیک تھی۔‘‘

’’تو آپ واقعی تھک گئے ہیں ان سے؟‘‘

’’نہیں مایوس ہو گیا ہوں اپنے آپ سے، خود سے تھک گیا ہوں، اسے نہیں خوشی دے سکا اور جب اسے خوشی نہیں دے سکا پربھات تو اسے باندھ کر کیا کروں، ابھی تو اس کے پاؤں میں قدرت نے کوئی ایسی بیڑی بھی نہیں ڈالی ہے، وہ آزاد ہے، شاید یہی اس کے لئے بہتر تھا، رہی بات میری تو میرا کیا ہے کم از کم تسلی تو ہو گی ناں، کہ میں نے عمر بھر اس کی زندگی سزا کے لئے نہیں وقف کی، اسے آزادی ملے تو یہ زیادہ اچھا ہے ناں، دیکھو کس مروت کے ساتھ وہ مجھ سے جڑی ہوئی ہے۔‘‘ اس نے آنکھیں صاف کیں، ایک مرد اس کے سامنے یوں بیٹھا رو رہا تھا، وہ سوچنے لگی کہ شفیعت ہوتی تو کیا کرتی، کیا کہتی کیا سوچتی۔

’’کتنی مروت سے بندھی ہے وہ میرے ساتھ، چاہتے ہوئے بھی چھوڑنے کا نہیں کہتی۔‘‘

''اسے کہہ سکیں گے یہ سب؟''

''بہت مشکل سے، بڑی مشکل ہو گی۔''

''کٹھن ہے بہت، لیکن کرنا پڑے گا۔''

''اس کی خاطر کوئی بھی فیصلہ اکیلے مت کریئے گا، میں نہیں سمجھتی کہ سارنگ اب ایسا چاہتا ہو گا۔'' وہ تو رو پڑا۔

''میں نے پوچھا محبت کرتے ہو؟''

''کہنے لگا محبت کے نام پر جھوٹ کیسے بولوں، کرتا تھا، کرتا ہوں اور کرتا رہوں گا۔''

''اب اور کیا پوچھنا پربھات۔''

''محبت الگ ہے، ساتھ الگ۔''

''تبھی تو مسئلہ ہوتا ہے کہ محبت اور ساتھ کو ہم الگ الگ کر دیتے ہیں۔''

''یہی تو غلطی ہے پربھات۔'' وہ اب کاغذ سمیٹ رہا تھا، سمیٹ کر فائل میں رکھ دیئے اسی جگہ جہاں سے اٹھائے تھے۔

''اسے آج کچھ مت کہنا پربھات، تھکی ہوئی آئے گی ڈیوٹی سے تھک کر آئے گی، اسے آرام کرنے دینا، کل پرسوں کوئی موقع دیکھ کر بات کریں گے۔''

''آپ حد کرتے ہیں نعمان بھائی، اتنی جلدی نہیں۔''

''تم فکر مت کرو پرہ پوری کوشش کروں گا کہ اسے کم از کم تکلیف ہو۔''

''نعمان بھائی یہ سودہ اتنا بھی سستا نہیں ہے۔''

''یہ سودہ بہت مہنگا ہے پربھات جانتا ہوں بہت مہنگا۔'' وہ اٹھا تھا۔

''آپ جا رہے ہیں؟''

''ہاں اسے آرام کی ضرورت ہے، وہ یہاں آئے گی میں چاہتا ہوں وہ سکون سے نیند پوری کرے، جب گھر آئے تب دیکھوں گا، سارنگ بھی کچھ بہتر ہو بلکہ مجھے لگتا ہے کہ وہ بہتر ہو جائے گا، یہ سنتے ہی۔''

''نومی بھائی، آپ؟ رہ لیں گے اس کے بغیر؟''

''یہ سوال مشکل ہے، لیکن دیکھو کوئی مرتا ہے تب بھی تو انسان رہ لیتا ہے ناں۔''

''مرنا اور بات ہے، مار دینا اور بات ہے۔''

''آپ اسے اور خود کو مار لیں گے اور پھر خود کو کس منہ سے تسلی دیں گے۔''

''تسلی نہیں دوں گا، صبر کروں گا، حوصلہ کروں گا۔''

''جذباتی مت ہوں، ان سے بات کر لیں کہ وہ کیا چاہتی ہیں، ان سے پوچھ لیں، غلط فہمی کا شکار مت ہوں، ماضی کو یاد کرنا گناہ نہیں ہے، وہ ان کا ماضی تھا اور آپ ان کا حال ہیں۔''

''لیکن پربھات اس نے مجھے دل سے قبول تو نہیں کیا ناں۔''

''بھائی وہ پھر کیسے قبول کرے، اس نے محبت کا جواب محبت سے نہ ہی رفاقت سے، ساتھ سے، انسیت سے تو دیا ہے ناں، میں اب اسے اس کشمکش سے نکالنا چاہتا ہوں پرہ۔''

''آپ کی مرضی ہے لیکن پلیز ایک کام کریں کہ پہلے تو اس سے بات کر لیں، پھر یہ ہے میں تو خود سارنگ سے سنبل کے لئے بات کرنے والی تھی، وہ رشتہ دار ہے اس کی، پسند کرتی دونوں کی شادی ہوگی تو خوش رہیں گے۔''

''سارنگ اس سے نہیں کرے گا، اسے کرنی ہوتی شادی تو کر چکا ہوتا، میں ان دونوں کو ای موقع دینا چاہتا ہوں کہ وہ سوچیں اپنی زندگی کے بارے میں۔''

''مرضی ہے آپ کی، لیکن یہ نیا ولولہ آپ کی اور اس کی زندگی کو مزید ڈسٹرب کر سکتا ہے۔''

''پہلے کیا کم ڈسٹرب ہے وہ، تمہیں کیا بتاؤں پربھات، کہ اسے میں نے کیسے کیسے خوش ر کی کوشش کی ہے، لیکن وہ نہیں ہوئی، ایک دن بھی میں نے اس کے چہرے پر سچی خوشی اور زند نہیں دیکھی، کتنا مسلط رہوں اس پر میں، اس کے چہرے، چال لہجے پر اک شد سے تھکن ٹپک ر تھی۔'' وہ کہہ کر سست چال سے باہر چلا گیا تھا۔

اس نے وہیں فائل چھوڑی اور بال سمیٹتے ہوئے باہر آئی تو وہ کھڑے تھے۔

''آ گئیں؟'' وہ بھی شاید کچھ دیر قبل ہی آئے تھے، اس نے سوچا۔

''جی...... آپ بھی آ گئے۔''

''ہاں...... آ گیا۔'' وہ کرسی پر بیٹھ گئے۔

''کیسی رہی شادی تمہاری دوست کی؟''

''جیسی اس ناانصاف معاشرے میں ہوتی ہے۔''

''وہ خوش نہیں تھی۔''

''بڑی عام سی بات ہے، کئی لوگ نہیں ہوتے۔''

''لیکن کر لیتے ہیں سمجھوتے کی شادی۔''

''بغاوت کیوں نہیں کی اس نے؟''

''اسے شاید پتا تھا کہ بغاوت کا انجام برا ہوتا ہے، رشید چائے لاؤ اگر بن گئی ہے تو۔'' ا نے آواز دی۔

''جی بی بی لاتا ہوں۔''

''کھانا کھایا ہے تم نے؟''

''آپ نے؟''

''پہلے میں نے پوچھا ہے۔'' وہ تھکے ہوئے لیکن قدرے آسودہ لگ رہے تھے، کچھ دکھی بھی

''کھایا تھا صبح، لیکن فی الحال چائے کی طلب ہے۔''

''روبی بھی ساتھ تھی؟''

''ہاں، اسے گھر چھوڑا ہے۔''

''آپ کہاں گئے تھے؟''

''تم نے شاید کال سنی تھی۔''

''نہیں کٹ گئی تھی میں نے صرف شاید نام سنا تھا۔''

''امبر کے پاس گیا تھا ملنے کے لئے۔''

''ٹھیک ہے...... پھر''

''شاید وہ میرا بیٹا ہو۔'' اس نے ڈی این اے کا کہا۔

''شرم آنی چاہیے۔'' وہ اتنا کہہ کر رک گئی، کہہ نہ سکی کہ اسے یا آپ کو۔

''پلیز ...... اس کی ضرورت نہیں ہے۔''

''میں ویسے بھی کسی بزدل مرد سے شادی نہیں کر پاتی۔''

''اور پلیز یہ بند کردیں چیزل نامہ، تھک گئی ہوں میں۔''

''تم اسے پسند کرتی تھیں؟''

''ہرگز نہیں، وہ صرف دوست تھا بس۔''

''اپنے دوست سے جھوٹ بول رہی ہو؟''

''شاید...... لیکن پلیز...... بند کردیں، بہت تکلیف ہوتی ہے مجھے۔''

''وہ تمہیں پسند کرتا ہے پرہ۔'' آج انہوں نے کھل کر بات کرنے کا سوچ لیا تھا۔

''خدا کے لئے، فرض کریں اگر رشتے مین وہ میرا بھائی ہے تو یہ سب کہنا کتنا نامناسب ہے، بلکہ سوچنا بھی۔''

''اگر نہیں ہوا؟''

''پلیز زندگی تماشا نہیں ہے، اسے تماشا مت بنائیں۔''

''پہلے ہی کیا کم تماشے ہیں زندگی میں، حد ہوگئی۔''

چائے آئی تھی، وہ اٹھ کر بنانے لگی، پہلے ان کے سامنے رکھا پھر اپنے لئے لیا۔

''اپنی زندگی کے بارے میں سوچو بچے۔''

''فی الحال جاب ڈھونڈنی ہے۔''

''ضائع مت کرو بچے وقت کو۔''

''ابا جی پلیز، مجھ پر فی الحال رحم کیا جائے۔'' وہ چپ ہو گئے تھے کچھ لمحوں کے لئے۔

''وہاں...... سب کیسا تھا؟''

''کیا پوچھنا چاہتے ہیں۔'' اس کا لہجہ اچانک کھردرا ہو گیا تھا۔

''میں نے ڈائری رکھی ہے تمہارے کمرے میں، پڑھ لینا۔''

''مٹی منگوائی ہے، آج مجسمہ بناؤں گا۔''

''بنائیے گا، لیکن پھر توڑ مت دیجئے گا۔''

''لیکن کیوں؟''

''بنا کر توڑنے کی طاقت صرف اللہ کو ہے۔'' وہ حیران ہو کر اس کی طرف دیکھنے لگے۔

''تمہیں بھی اللہ سے شکایتیں ہیں؟''

''ہر کسی کو ہوتی ہیں۔'' وہ چائے گھونٹ گھونٹ لینے لگی۔

''ہر کسی کو نہیں ہوتیں۔'' اسے کبھی نہ ہوئی؟

''کیسے؟'' پربھات نے جھٹ سے پوچھا۔

''تم بتاؤ؟''

''مجھے کیا پتا، آپ کی زندگی میں تو بہت ساری عورتیں آئی ہیں۔'' اس نے بے ساختہ کہا تھا، ان کے چہرے پر افسوس کی لہر آ گئی۔

''ٹھیک کہتی ہو، کردار کا بھید کھلے تو سگی اولاد بھی عزت نہیں کرتی۔''

''ایسا نہیں کرتی۔''

''ایسا نہیں ہے۔''

''ایسا ہی ہے، خیر، عزت یا ذلت انسان کی خود کی اگائی ہوئی ہے، اسے کام آتی ہے۔''

''پھل دے ڈالتی ہے کبھی نہ کبھی۔''

''پھل دے نہ دے، انڈے ضرور دیتی ہے۔''

''محبت خود سب سے بڑی عزت ہے؟''

''اگر ہو تو۔'' وہ خالی دل سے مسکرائے۔

''نہیں ہے؟''

''تم بتاؤ؟''

''اولاد کی محبت پر شک کر رہے ہیں؟''

''اولاد کی نہیں، پربھات کی، تمہاری، اپنی ساتھی کی، اپنی دوست کی، جو مجھے بے پناہ چاہتی تھی۔''

''اب نہیں چاہتی؟ وہ مسکرا نہ سکی تھی۔۔''

''اب خائف رہتی ہے بہت۔''

''خائف رہنا اور محبت نہ کرنا دو الگ چیزیں ہیں۔''

''ہم یہ بھی ہے۔''

''آپ خوش ہیں امبر سے مل کر۔''

''کسی حد تک، گناہ کو جب تسلیم کر لیا جائے تو بندہ ہلکا ہو جاتا ہے۔''

''گناہ کو بندوں کے سامنے تسلیم کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔''

''خدا کے سامنے کر لیں، وہ معاف کر دیتا ہے۔''

''پتا ہے، جب بندے کر دیں تو وہ جلدی کر دیتا ہے۔''

''وہ بھی شاید بندوں کا انتظار کرتا ہوگا۔''

''اللہ سے دوستی ہے تو اپنے لئے دعا کیوں نہیں کرتے؟''

''کس منہ سے کروں بہت سارے لوگوں کا گناہ گار ہوں، جب تک خلاصی نہ ہو، اطمینان کہاں ملے گا۔''

''ملے گا، فکر نہ کریں، ہمت رکھیں اطمینان ملے گا۔''

''تم ڈائری پڑھ لینا، میں ذرا آرام کروں گا۔''

‘‘ٹھیک ہے پڑھ لوں گی۔’’ وہ بھی چائے ختم کر کے اٹھی تھی۔

‘‘کوشش کی ہے کہ تمہارے سوالوں کا جواب دے سکوں۔’’

‘‘پریشان نہ ہوں، بہت سارے مل گئے ہیں۔’’

‘‘جو نہیں ملے ان میں بھی شاید عافیت ہی ہو۔’’

‘‘اپنی دوست سے بات کرو تو میری طرف سے دعائیں دینا۔’’

‘‘ضرور دوں گی۔’’ ان کے جاتے ہی وہ بھی اپنے کمرے کی طرف چلی گئی تھی، جہاں بیڈ کے سرہانے ڈائری دھری تھی، اس نے مین لائٹ بند کی، بیڈ پر لیٹی، فون رکھا لیمپ آن کیا اور ڈائری کا صفحہ کھولا جہاں پہلے صفحے پر لکھا تھا۔

اور سزا طویل اور کڑی تھی۔

بیڑیاں قسمت میں ڈلنی تھیں، وہ رات میرے شمع بی بی کے نصیب کی کالی رات تھی، جس رات وہ دلہن بنی تھی، جس رات میں دولہا بنا تھا، اس رات ہمارا نکاح ہوا، یہ شادی خانہ بربادی تھی۔

بظاہر پھولوں کی سیج کانٹوں کا ہار تھی، اس نے قدرے اشتیاق سے دوسرا صفحہ کھولا تھا۔

‘‘وہ دراصل میری نہیں، اس کی شکست کی رات تھی، جس رات ہمارا نکاح ہوا تھا، وہی تو ہوا تھا پربھات زبردستی کا سودہ، جیجی نے یہ نہیں کہا کہ میں تجھے بیڑیاں ڈالتی ہوں، کہنے لگیں۔’’

‘‘حبیب شاہ کاش میں تجھے بیڑیاں ڈال سکتی، اس وقت جیجی کے چہرے پر وہ بے بسی تھی کہ جسے سنبھالنا دشوار تھا، مجھے پتا تھا پربھات کہ وہ گھر ٹوٹنے سے بے بس ہیں پتا تھا عنایت شاہ گھر بدر کرے گا مجھے اور میں تو ہو بھی جاتا لیکن پھر پیچھے ماں جی اور جیجی کا جینا دشوار ہونا تھا۔’’

‘‘شمع سے نکاح کر کے میں وقتی طور پر ایک راہ نکال رہا تھا۔’’

‘‘تمہیں کیا بتاؤں میں کتنا بجھ گیا تھا پروہ، زندگی سے کتنا مایوس ہو گیا تھا، بہت ہی بہت زیادہ اس نے اپنا بس چلایا کہ نکاح کروالیا۔’’

‘‘اور میں نے اپنا بس چلایا کہ میں اس رات تو گیا ہی نہیں، اس کے پاس، صبح کمرے میں گیا تو کمرے کی ہر اک چیز الٹ پلٹ تھی، اس نے میرا گریبان پکڑ کر کہا کہ کیوں آئے ہو؟ میں حیران تھا کہ کہاں یہ عورت مجھ پر مرتی ہے اور کہاں اس کا یہ رویہ، میں نے اسے کہا کہ آنا نہیں چاہتا تھا، آنا پڑا۔’’

‘‘کہنے لگی مت آنا، بھول کر بھی مت آنا، کبھی مت آنا مجھے مار کر اس نے کمرے سے نکال دیا تھا اور مجھے جیسے آزادی مل گئی تھی، میں خوشی خوشی اپنے کمرے میں آ گیا تھا، لیکن مجھے اس کا ری ایکشن بہت حیران کن لگا تھا، سچ پوچھو تو کہیں اندر سے میں اس کا فین ہو گیا تھا اس کی دیدہ دلیری کا، وہ عام عورتوں سے ہٹ کر تھی، پہلے میں اسے متکبر سمجھتا تھا، جب وہ جیجی کے کہنے پر بھی مریدوں سے ملنے کے لئے خود نہیں آئی تھی۔’’

‘‘جب وہ گھر کے کام میں دلچسپی نہیں لیتی تو بد دماغ سمجھتا تھا، جب وہ کسی کو گھاس نہیں ڈالتی تھی تو اسے مغرور سمجھتا تھا، جب مغروری کر لیتی تو ناسمجھ سمجھتا تھا لیکن سچ تو یہ تھا کہ اس نے چوری

چوری چاہے مجھے ہزار بار دیکھا ہو لیکن کبھی مجھے پھانسنے کی، یا میرے سامنے آ کر اچھا بننے کی کوشش نہیں کی، مجھے لبھانے کے لئے اس نے حربے استعمال نہیں کیے، وہ میرے خاندان کی عورت تھی مجھے پر فخر تھا وہ میرے سامنے جھکی تھیں، میری منتیں نہیں کیں، مجھ سے بھیک نہیں مانگی محبت کی، ہو سکتا ہے میرا انتظار کرتی ہو، لیکن مجھے پیغام تک نہیں بھجوایا۔‘‘

’’ایک رات میں نے اس کی آواز سنی کہ وہ جیجی کو کہہ رہی تھی کہ تیرے اللہ نے صرف وہ دیا پر اس کا دل نہیں دیا، بتا بغیر دل کے کیا کروں اس کا، مجھے تو دل چاہیے تھا تیرے حبیب کا، محبت تو دل سے ہوتی ہے، اب بھی اس کی آنکھوں میں اس مٹی سکھاں کا عکس ہے، اب بھی وہ مرتا اس پر ہے، جان اس پر چھڑکتا ہے، چاہتا اسے ہے۔‘‘

’’میرے نام کاغذوں کی رجسٹری کروا کر تو نے کیا کیا، میں بڑا حیرت زدہ ہوا کہ مطلب ایسا نہیں کہ وہ بالکل ہی احساس سے عاری ہو گئی، بلکہ وہ میرے سامنے جھکنا نہیں چاہتی، اس رات میں اس کے کمرے میں گیا، کہنے لگی سکھاں اتارو گے اپنی آنکھوں سے؟ میں نے کہا نہیں اتار سکوں گا۔‘‘

’’کہنے لگی اگر آنکھوں سے نہیں اتار سکتے تو دل سے کیسے اتارو گے، کہنے لگی خود آئے ہو، دل لائے ہو تو بیٹھو ورنہ دروازہ کھلا ہے۔‘‘

’’میں ششدر رہ گیا تھا، یہ کیسی عورت تھی کہ میرے حصول کا موقع گنوا رہی تھی، کہنے لگی دل لائے ہو، میرے سینے پر ہاتھ رکھ کر پوچھنے لگی۔‘‘

’’میں نے کہا نہیں، دل کھو چکا ہوں، سکھاں کے راستے میں پڑا تھا، اسی کی بیل گاڑی اوپر سے گزر گئی دل شدید نہیں رہا، مر گیا اور سکھاں آگے بہت آگے نکل گئی۔‘‘ کہنے لگی۔

’’پھر جا...... لیکن ایک بات سن۔‘‘

’’بیوی کے کمرے میں مرد بن کر آنے سے پہلے دل کا احتساب کر لے اور مجھ پر جیسے طمانچہ پڑ گیا تھا، حالانکہ وہ حد درجہ حسین تھی، لیکن اتنی ہی مغرور، کاش تب میں اس کی منتیں کرتا یا اسے بغور دیکھ کر ٹھہر جاتا، اسے دل سے قبول کر لیتا، اب دیکھو اس نے مجھے چیلنج کیا کہ میں بغیر دل کے اس کے ساتھ تعلق نہیں رکھ سکتا۔‘‘

’’اور میں بھی اسی پر قائم رہا کہ بغیر دل کے اگر اسے منظور نہیں تو کیوں، میں کیوں اس کا استعمال کروں، جب کہ میں اسے دل نہیں دے سکتا۔‘‘

’’اس رات اس نے کہا تھا کہ یا تو حبیب بن، یا پھر صرف مرد بن، مجھے جیسے غیرت کا تازیانہ لگا تھا، جب تعلق ہی بے معیار ہے تو رکھتا کیوں، وہ کہہ رہی تھی بڑے بزدل ہو حبیب شاہ، میں بھی یہ جان گیا تھا کہ بڑا بزدل ہوں، بس پھر میں نے اسے چھوڑ دیا، میں اسی رات گھر میں اس کے کمرے میں طلاق نامہ رکھ آیا تھا، میں کیا تھا، میں نے کتنا برا کیا، یہ مجھے کوئی نہ بتا سکا سوائے وقت کے۔‘‘

’’میں شہر چلا آیا پر بھات اور پھر پیچھے کتنے طوفان آئے ان کو انہیں لوگوں نے نبٹا ہوگا، جو پیچھے چھوڑ آیا، میں نے ایک عورت کو صرف نکاح میں لیا اور اسے نباہ نہ سکا، اسے چھوڑ دیا اور وہ مجھے

پائے بنا کھوگئی اور اس نے کس دل سے یہ زخم سہا ہوگا۔“

”زندگی اسی کا ہی نام تو نہیں ہے، زندگی کا مطلب ہے پورا ایثار، میں نے ہر کام زندگی میں آدھا کیا، اگر سکھاں سے محبت کی تو شمع سے نکاح نہ کرتا، کر بھی دیا تو نباہنے کی کوشش کرتا، ایک بار اس سے جھوٹ ہی بول دیتا، لیکن کیسے، مشکل تھا وہ دن اور یہ دن، میں نے جیجی کا مرا ہوا منہ دیکھا، نہ میں نے اپنی ماں شاہ بانو کو دیکھ سکا، سب چلے گئے پیر عنایت سمیت سب چلے گئے، ایک شمع بچ گئی، جس سے تعلق کھوکھلا تھا، اس نے جیجی کو کہا تھا اس کے سامنے تھوک لوں گی لیکن محبت کی بھیک اس سے نہیں مانگوں گی، میں آج بھی اس عورت کی دلیری کو مانتا ہوں جو موم نہ ہوئی لیکن پربھات تمہیں ایک بات بتاؤں، کہ موم ہو جانا چاہیے یار۔“

”اگر کبھی ہم موم ہوتے ہیں تو ہم پگھل کر کسی کو اپنا ضرور بنا لیتے ہیں، نہ شمع بی بی کو یہ گز آیا اور نہ ہی میں جھک سکا، بھٹکتا ہی رہا، نہ مجھے سکھاں ملی، نہ میں شمع کو ملا، نہ میں امیر کا ہوسکا۔“

”آسیہ بی بی سے شادی کر لی، جس سے دل کبھی نہیں ملا، بس وہ سادہ سی تھی، میں بھی سادہ بن گیا، گھر بن گیا، بچے ہو گئے، ماشاءاللہ سب جوان ہیں، میں خوش ہوں اللہ نہ مجھے بہت دیا ہے پرہ، لیکن مجھے محبت نہ مل سکی اس بات کا غم ضرور ہے اور نہ ہی میں محبت کو مل سکا۔“

☆☆☆

سارنگ کے باپ کا انتقال ہوگیا تھا۔

وہ روبی کے ساتھ فوراً پہنچی تھی، احرار اپنی ماں کو لے آیا تھا، چیزل بھی تھا اور جنازے میں شریک ہونے کے لئے حبیب شاہ بھی آیا تھا۔

جنازے کے بعد مردوں کی بیٹھک میں مکمل خاموشی تھی سارنگ کو نینداور درد کا انجکشن دیا گیا تھا کہ وہ آرام کر لے اس کے جیسے سارے درد ہوا ہو گئے تھے۔

میراب خاتون دکھی تھی، سندس حد درجہ اداس تھی اس کی آنکھیں خاموش آنسوؤں سے بھری ہوئی تھیں، پربھات کو ایک بڑی اچھی ہیپسٹ لگی کہ اس گھر کے مکینوں میں صبر تھا، واویلا نہ تھا، موت پر شکوہ کرنے کی حماقت نہ تھی۔

وہ بھی تین دن رہی تھی وہاں پر، اسے فکر تھی کہ پیچھے شفیعت اور نعمان کے حالات مزید نہ بگڑے ہوں۔

اس نے نکلتے ہوئے سارنگ سے بات کی تھی، باقی سب لوگ تو چلے گئے تھے، پہلے دن شام ڈھلے لیکن باہر چیزل رکا تھا سارنگ کے ساتھ اور اندر ک وہ رکی تھی روبی کو بھی روک لیا تھا۔

سکھاں جیسے غائب الحواسی کی نظر ہو گئی تھی، وہ نکلنے سے پہلے ان کے ساتھ بیٹھی تھی۔

”آپ کی بہت ضرورت ہے یہاں، سارنگ کو سندس کو، ان کی ماں کو، آپ کو چاہیے کہ آپ حاضر رہیں، آپ ظاہر میں رہیں، دکھ کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہوتا کہ آپ کنارہ کرلیں، دکھ تو بوجھ ہے جو اٹھانا پڑتا ہے، دکھ تو مصیبت ہے جس میں صبر کرنا ہوتا ہے، دکھ تو تھکاتا ہے اس میں خود کو سمیٹنا پڑتا ہے، غائب الحواسی اس دنیا میں کوئی اتنی بھی اچھی نہیں کہ یہ فرار کی ہی ایک شکل ہے۔“

”آپ فدار نہیں لے سکتے، جب آپ پر ذمہ داری ہو تو۔“

''تم مجھے جگانے کیوں آئی ہو؟ مجھے ڈوبنے دو پرہ رانی میں تھک چکی ہوں، بڑا سفر طے کیا ہے، تھکن ہے ہر جگہ، مجھے ڈوبنے دو۔''

''آپ ان گھر والوں کو تنہا کر رہی ہیں، مشکل میں چھوڑ رہی ہیں، آپ غلط ہیں۔''

''تم عنایت شاہ کی طرح جرح کیوں کرتی ہو؟'' وہ پھٹ پڑی۔

''تم لوگ لوگوں کو اپنے نظریات کی بھینٹ چڑھاتے ہو، جینے دو ہر کسی کو اس کی زندگی چاہے وہ ظاہر میں ہو یا باطن میں، تم سفاک لوگ ہو، تم میں بس ایک وہ تھی، وہ جیجی، نگاہ شناس، رحم دل، حوصلہ مند، بندے کو اپنے جگہ پر رکھنے والی۔''

''تم پیر لوگ، یا تو ہر جگہ خود رہنا چاہتے ہو، یا پھر سب کو ہٹا کر جگہ خالی کر دیتے ہو، مسلط کرتے ہو، تم لوگ......خود کو......ہم پر......ہم جیسوں پر......تم سفاک، بے وفا لوگ۔''

وہ آج جیسے خود میں نہ رہیں یا پھر خود سے نکل پڑی تھیں۔

''آپ ٹھیک کہتی ہیں، لیکن عادتاً فطرتاً اور خصلتاً آپ کہیں سے بھی ان سے الگ نہیں لگتیں ویسا سوچتی ہیں، ویسا کرتی ہیں، بس ایک فرق ہے، وہاں سے ظلم ڈھایا گیا اور یہاں پر لیا گیا، لیکن اس سب میں آپ اکیلی نہ تھیں، میرا باپ برابر کا شریک تھا۔'' سکھاں نے پہلے تو اس کی طرف ذر دیر دیکھ کر یقین کر لیا کہ وہ مکمل حالات سے آشنا ہے۔

''حالات اور حقیقت میں بہت فرق ہوتا ہے۔'' تبھی انہوں نے کہا۔

''محبت میں تو فرق نہیں ہوتا ناں۔''

''محبت کا تو گھڑا ہی کچا تھا، خالی سکہ پھینک کر گر گیا۔''

''گرا نہیں تھا سکھاں جی، گرا نہیں تھا۔''

''سکے نے تو جیبیں بھر لی، سکے نے تو دھاگ بٹھا دی، سکے کی ہر دور میں حکومت ہے، محبت پر بھی سکہ چلتا ہے، چاہے وہ روپے کے حساب کا نہ ہو، لیکن محبت کا سکہ بھی مانگتا ہے، دیتا ہے، ادلا بدلی کا چکر کھیلتا ہے، ان کے تو وہم وگمان سے لے کر ہر جگہ آپ تھیں، ہر جگہ آپ رہیں، نکل آئیر اس گھمسان سے کہ نہیں رہیں، نہ رہتے ہوئے بھی آپ رہیں، وہ تو اپنے خاندان کی عورتوں کی وذ میں مارا گیا، ایک کی خاطر نکاح کیا، مان رکھنے کے لئے ماں کا، دوسری نکاح میں آئی تھی جو، اس نے لگے ہاتھوں پہلے ہی سفر میں دل مانگ لیا، کاش میں ان سے یہ شکوہ کر پاتی کہ دل مانگتے نہیر ہیں، دل تو حاصل کیے جاتے ہیں، جیتے جاتے ہیں اور سے پہلے خود کو ہارنا پڑتا ہے۔''

نہ وہ ہارنے کے لئے راضی ہوئیں اور نہ ہی دل جیت سکیں، سب کچھ خالی گیا، اور تعلق سولی پر چڑھ گئے، وہ طلاق دے آیا، حسرتیں ناکام گئیں۔

کچھ نہیں ہوا، شاید اس کے بعد ہی جیجی نے یا شاہ بانو نے شمع بی بی کو خاندان میں بیاہا تھا۔

''آپ آج بھی دیکھیں، اس عورت کے چہرے پر راکھ اڑتی ہے، کچھ نہیں پایا اس نے، ایک بیٹا وہ بھی نالائق، خدا کرے کہ بد بخت نہ ہو بس، دکھ سب پر آئے ہیں، آپ پر بھی، لیکن صرف آپ پر نہیں، بہت سوں پر آئے ہیں، سب نے اپنے اپنے حصے کا ان کھنائیوں میں سفر کیا ہے سب نے ہی سفر کیا ہے، اس عورت نے زیادہ کیا جس نے بظاہر تو اسے تحویل میں لیا تھا۔''

''لیکن نہ اس کی ہو سکی اور نہ ہی اسے اپنا بنا سکی، کتنی بڑی کٹھن بات ہے، کتنی تکلیف دہ بات ہے، اسے کچھ نہ ملا، اس کشمکش میں کسی کو کچھ نہ ملا۔''

''مانتی ہوں کہ میرے باپ نے شادی کی، بچے ہوئے بچوں کی محبت ملی، لیکن دل تو اس آدمی کا بھی خالی ہی رہا، بالکل خالی رہا، کچھ نہ پا سکا وہ، اب بھی خالی ہے، بہت ساری رنجشوں کا بوجھ لے کر خالی ہے اب بھی خود کو مجرم محسوس کرتا ہے۔''

''اب بھی زندگی موت کی کشمکش اور کھٹائی سے گزر رہا ہے، اب بھی شرمندہ حال ہے، کسی سے نظر نہیں ملا پاتا، کسی سے کوئی بات نہیں کر پاتا، سب کی نظر میں مجرم ہے، سب کو جوابات دے دے کر تھک گیا ہے، ہر کوئی سوال کرتا ہے، محبت سوال کرتی ہے، عشق سوال کرتا ہے۔''

''معافی کیوں نہیں ملتی آخر، درگزر کیوں نہیں ہوتا، نہ رشتے کرتے ہیں اور نہ ہی عشق کرتا ہے، کوئی نہیں کرتا رحم، نہ درگزر، بندے کھپ جاتے ہیں، عمریں گزر جاتی ہیں، وقت نکل جاتا ہے، کچھ نہیں رہ پاتا، جن جگہوں پر لوگ ہوتے ہیں وہ خالی رہ جاتی ہیں، حویلیاں چیختی ہیں اور قبرستان بھر جاتے ہیں، تب جا کر پتا چلتا ہے کہ کیا کچھ کھویا، معافی کا ایک لمحہ بھی، کھو دیا، نہ کر سکے نہ لے سکے، سب رائیگاں گیا، انا کا بت تو ٹوٹنا ہوتا ہے ایک روز جسے اونچا کرنے کے لئے بندہ بندے کو توڑتا ہے۔'' وہ اٹھی تھی۔

اور پیچھے سکھاں کی آنکھوں سے نمکین پانی بہہ رہا تھا، اس کے کانوں نے اس کے ہونٹوں کا کہا ہوا، سنا خود پربھات کے کانوں نے بھی سنا، دہلیز پر کھڑے منتظر چیزل نے بھی سنا، سکھاں نے کہا۔

''حبیب شاہ مجھے معاف کر دو، میں نے تمہیں معاف کیا۔'' اور میلوں دور مراقبے میں غرق حبیب شاہ کو ایک جھٹکا سا لگا تھا۔

☆☆☆

آدھے راستے چیزل خاموش تھا۔

''آپ کو بھوک لگی ہو تو کہیں روکوں؟''

''نہیں۔'' وہ اس کی طرف دیکھ نہیں رہی تھی۔

''آپ مجھ سے خفا ہیں۔''

''نہیں۔''

''ہونا چاہیے۔'' وہ بات کرنے کی جیسے بمشکل ہمت پیدا کر رہا تھا، وہ جواب میں چپ رہی اس بار۔

''ہم اچھے دوست تھے۔''

''شاید۔'' وہ مسلسل باہر دیکھ رہی تھی۔

''اب نہیں ہیں کیا۔'' اس نے اپنی بات سے خود ہی سوال نکالا۔

''سب کچھ تم نے خود طے کیا اور خود ہی چھوڑ دیا۔''

''آپ نے میرا ساتھ نہیں دینا چاہا۔''

''کس چیز میں ساتھ دیتی تمہارا۔'' اتنی دیر میں پہلی بار اس کی طرف دیکھا تھا۔

''آپ کو معلوم ہے میں نے شادی کیوں کینسل کی۔''

''نہیں۔''

''میں آپ کے لئے سنجیدہ ہوں۔'' عجیب انداز تھا، اظہار کا۔

''ہر وقت آپ یاد رہتی ہیں مجھے، بہت کوشش کی ہے کنارہ کرنے کی، آپ کے گھر آنا چھوڑا، آپ سے ملنا چھوڑا، بات چیت چھوڑی، لیکن کیا کرتا، دل تو بس میں نہیں ہے ناں۔''

''محبت کرتا ہے شاید آپ سے۔'' پہلی بار وہ کہہ پایا تھا۔

''اپنے دل کو لگام ڈالو، جو رشتے نا قابل معیار ہوں جن کا اصل تعلق ہی سوالیہ ہو، ان رشتوں کی بنیاد پر نئے جذبے نہیں پروان چڑھائے جاتے۔''

''کیا مطلب نا قابل معیار؟''

''اپنی ماں سے پوچھنا کہ حبیب شاہ سے ان کا کیا تعلق تھا، کہ ڈی این اے شیٹ پر بات آ گئی ہے۔'' اس کے سر پر جیسے بلاسٹ ہوا تھا، اسٹرنگ بمشکل سنبھالے اس نے گاڑی کو بریک کیا، سڑک سنسان تھی۔

''کیا کہہ رہی ہیں آپ ہوش میں تو ہیں؟''

''بالکل ہوں، اپنی ماں سے اپنے سگے باپ کا پوچھنا، اس سے ہو سکتا ہے کہ چار مسائل حل ہو جائیں۔''

''ایسے کیسے ہو سکتا ہے۔'' وہ جیسے پہاڑ سے ٹوٹا تھا گر کر۔

''سب ہو سکتا ہے، اس دنیا میں بہت کچھ ہو سکتا ہے۔''

''ٹرانس سے نکلو تو گاڑی کو آگے کرو، گھر پہنچنا ہے۔''

''آج شام انٹرویو ہے میرا جاب کے لئے، دیر ہو جائے گی۔'' وہ کئی لمحوں تک حواس باختہ رہا۔

''کیا سوچا تھا کہ آج اسے کہہ دے گا سب کچھ، آج اپنے لئے راستہ ہموار کرے گا، معلوم ہی نہ تھا کہ راستہ اس حد تک پر پیچ ہے، دشوار ہے۔''

کچھ دیر بعد اس نے گاڑی دوبارہ اسٹارٹ کرنا چاہی تو اس نے ہاتھ کے اشارے سے روکا۔

''اسے کہا کہ سیٹ چینج کرو۔''

وہ اترا، یہ آگے آ بیٹھی اور یہ فرنٹ پر آ بیٹھا، گاڑی وہ خود چلانے لگی۔

چیزل کی آنکھیں گیلی تھیں اور وہ اس کی طرف دیکھنے سے کترا رہا تھا، بال بکھرے تھے کندھوں تک، جو اس نے بڑھا لئے تھے، گھنیں پلکوں تلے کشادہ آنکھیں چھپ گئیں، بھنویں، مونچھیں، تنی ہوئیں، اس کے چہرے پر پہلے پریشانی پھر دکھ اور پھر شکست کا گھیراؤ تھا۔

وہ بغیر اس کی طرف دیکھے بھی اس کے چہرے کے تاثرات جانچ سکتی تھی، سمجھ سکتی تھی۔

ہر کسی کو اپنے حصے کا دکھ، بوجھ، جھٹکا، اٹھانا پڑتا ہے، ہر کسی کے ذمے کوئی گرہ کھولنے کی ذمہ داری ہوتی ہے، ہر کسی کو اپنا راستہ خود دیکھنا پڑتا ہے۔

''ہمت کر دو گے تو زندگی کچھ آسانیاں پیدا کر لے گی، ہار دو گے تو چار دن دوست کندھے سے

لگائے گا پانچویں دن کیے گا اٹھ ورنہ پڑا رہ۔“

”اپنے اندر اٹھنے کی سکت پیدا کرو، دکھ آیا اور گزر گیا، اب طاری کر کے تم اپنی زندگی کو مزید متحاج کرو گے، انسان کا کام ہوتا ہے دکھ سے گزر جانا، پھلانگ لینا، جیسے زندگی سے گزر جاتا ہے، جو رک گیا، وہ نہ ادھر کا نہ ادھر کا، بہادر بنو چیزل کوئی بھی اچھی لڑکی کسی ایسے لڑکے کے رو پر انحصار نہیں کرتی جو صرف اظہار کرنے میں سالہا سال لگا دے۔“

”آئندہ جلدی کرنا، عمریں گنوانے سے کچھ نہیں ہوتا، عمر نکل جاتی ہے، ہر کسی شہ کو موت کھا جاتی ہے اور محبت کو بھی۔“

”پربھات!“ وہ بہت کچھ کہنا چاہتا تھا، لیکن اسے لگا کچھ نہیں کہہ پائے گا۔

”میں اماں سے یہ سوال نہیں کر سکتا، وہ شرمندہ ہو جائیں گی۔“

”بس میں آپ کو بتا رہا ہوں، آپ کی زندگی میں اب چیزل نہیں آئے گا۔“ وہ رو پڑا تھا۔

پربھات کی آنکھیں بھر آئیں تو اس نے آنکھ کے گوشے سے نمی کو صاف کیا، اسکرین دھندلی نظر آنے لگی تھی۔

”میں آپ کی زندگی میں کبھی لوٹ کر نہیں آؤں گا، میں یہاں سے بہت دور چلا جاؤں گا، بہت ہی دور۔“

”تمہیں دور جانے کی ضرورت نہیں ہے اپنی ماں کے پاس رہو، فیس کرنا سیکھو، بلکہ شادی کر لو تو اچھا ہے، سب کچھ خود بخود نارمل ہو جائے گا، زندگی نارمل ہو جائے گی۔“

”یہ وعدہ نہیں کر سکتا، یہ وعدہ مشکل ہے بڑا، بہت مشکل ہے، جان لے لے گا۔“ وہ اب بھی رو رہا تھا معصوموں کی طرح شکستہ۔

☆☆☆

وہ گھر لوٹی تو شفیعت پہلے سے اس کے انتظار میں بیٹھی تھیں۔

”چیزل چھوڑ گیا تھا تمہیں؟“

”ہاں۔“

”بات ہوئی تمہاری اس سے؟“

”جی لیکن بات واضح ہو گئی، میں نے اسے بتا دیا ہے۔“

”لیکن کیوں؟“

”کیوں؟ کیا نہیں بتانا چاہیے تھا، اتنی سفاک حقیقت کیسے چھپائی جا سکتی ہے۔“

”کیا کرو گی پھر خود کو؟“

”انٹرویو ہے تھوڑی دیر بعد فی الحال تو اس کے لئے نکلنا ہے، بہت ہو گیا فراغت کا چیپٹر۔“

”وہ ٹھیک ہے، کبھی بات کرنی ہے تم سے۔“

”کمرے میں آ جائیں، میرے ساتھ کاغذات بھی ڈھونڈ لوں ساتھ میں۔“ وہ اس کے کہنے پر اس کے ساتھ کمرے میں آئیں۔

”وہ کیسا ہے؟“

''سارنگ؟''

''ہاں۔'' اسے یکدم احساس ہوا کہ پوچھ لیا۔

''وہ کیسا ہو سکتا ہے، تھکا ہوا تھا اور اس صورتحال میں بھلا کوئی کیسا ہو سکتا ہے۔''

''ہم ٹھیک کہتی ہو۔''

''آپ کا ارادہ تھا آنے کا۔''

''نہیں، میں جا کر کیا کرتی۔''

''ہاں یہ بھی ہے، نعمان بھائی کیسے ہیں؟''

''تمہاری اس سے بات ہوئی ہوگی؟''

''کچھ خاص نہیں۔''

''وہ فائل تم نے دیکھی ہے یا نعمان نے۔''

''کون سی فائل۔'' وہ کاغذات کھنگالتے ہوئے انجان پن سے بولی۔

''جھوٹ مت بولو، سارے کاغذات آگے پیچھے تھے۔''

''میں تھی۔''

''مجھے لگا نعمان تھا، اس کا رویہ عجیب سا ہے۔''

''کیسا؟'' وہ سی وی اور بقیہ کاغذ اکٹھے کرتے پن اپ کرنے لگی تھی۔

''عجیب، وہ بات نہیں کرنا چاہ رہا مجھ سے۔''

''تو آپ کر لیں۔''

''وہ کرے گا تو میں کروں گی ناں؟''

''ہو سکتا ہے خفا ہوں، آپ توجہ بھی تو نہیں دیتیں انہیں۔''

''نہیں ایسا نہیں ہے، وہ اس روز آیا تھا تو اس نے مجھے سارنگ سے بات کرتے ہوئے دیکھا تھا، مجھے لگا کسی غلط فہمی کا شکار نہ ہو گیا ہو۔''

''آپ سارنگ کو نکال کیوں نہیں دیتیں، اپنے ذہن سے، اپنی زندگی سے۔''

''میں نے اسے کب رکھا ہے؟''

''آپ غلطی کر رہی ہیں آپا۔''

''پلیز ہوش کریں، کیوں زندگی خراب کر رہی ہیں اپنی۔''

''ماضی میں جانے سے اور ماضی کو کھنگالنے سے کچھ نہیں ہوتا۔''

''سارنگ اور آپ کا ملنا تب آسان تھا آپ نے نہیں کیا۔''

''اب مشکل ہے۔''

''تو میں نے کب کہا کہ میں ایسا چاہ رہی ہوں۔''

''آپ توجہ تو دے رہی ہیں ناں اسے۔''

''توجہ تو تم بھی دیتی ہو پرہ۔''

''میری بات اور ہے آپا، آپ حد کرتی ہیں، میں اس کی دوست ہوں۔''

''تو میں کیا ہوں؟''

''پلیز آپا، تھوڑی عقل کریں۔''

''تو میں نے آخر کیا کیا ہے، وہ مریض تھا میں نے طبیعت پوچھ لی۔''

''بات یہ نہیں ہے، بات صرف اتنی ہے کہ آپ نعمان بھائی کو سنجیدہ نہیں لے رہیں۔''

''کیسے توجہ دوں اسے، بچہ ہے کیا وہ؟''

''آپا پلیز، بچہ نہیں ہے، تبھی تو بہلا نہیں۔''

''آپ نے ایک بار بھی اسے دل سے اپنانے کی کوشش کی۔'' وہ کپڑے نکال چکی تھی وارڈ روب سے۔

''اسے سنجیدہ لیں شوہر ہے وہ آپ کا، جائیں ان کے پاس، وقت دیں، بات کریں، اپنائیت دیں، مت بھاگیں سراب کے پیچھے، زندگی میں وفادار لوگ بار بار نہیں ملتے۔''

''اسے تنہا مت کریں۔''

''اس کی غلط فہمیاں بڑھ گئی ہیں پرہ۔''

''نوٹس میں نہ لائیں، جائیں اسے احساس نہ دلائیں کہ کیا تھا، کیا ہوا ہے، یہ احساس دلائیں کہ کچھ نہیں ہوگا، قدر کریں اس بندے کی، ایسا انسان پھر نہیں ملے گا۔''

''کترانے سے، اگر رہنے سے، نظر انداز کرنے سے، کچھ نہیں ہوتا، سمجھنے کی کوشش کریں، میں ذرا ابا کو دیکھ لوں، پھر انٹرویو کے لئے نکلنا ہے۔''

''پلیز...... دیوار مت لائیے گا، دیوار ہٹانے کی کوشش کیجئے گا۔'' اس نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر تسلی دیتے ہوئے کہا تھا۔

''اپنا گھر بچالیں، گھر روز روز نہیں بنتے۔'' وہ کہہ کر کمرے سے نکل گئی تھی۔

شفیعت نے اپنے خالی ہاتھوں کو دیکھا اور خالی الذہنی سے سر تھام کر بیٹھ گئی، کچھ دیر میں اس نے گھر کے لئے نکلنے کی سوچا، جہاں پہلے سے ہی نعمان بات کرنے کے لئے اس کا انتظار کر رہا تھا۔

☆☆☆

وہ گھر آیا تھا لیکن کمرے میں نہیں گیا تھا، برآمدے کے جھولے میں لیٹا گا رہا تھا۔

روندے عمر نبھائی
یار دی خبر نہ کائی

''گاتا ایسے ہے جیسے جی کو روگ لگا بیٹھا ہو کم بخت۔''

وہ باورچی خانے میں آئی تھی، رباعی کو دیکھنے جو کھانے کے لئے سالن پکا رہی تھی۔

''تو نئی نویلی دلہن کھانا پکا رہی ہے۔''

''میں واندی (ویلی) نہیں بیٹھ سکتی، یا کھانا پکاتی ہوں، یا لکھتی ہوں۔''

''کیا لکھتی ہے؟''

''کہانیاں۔''

’’شش...... آہستہ فیروز سن لے گا۔‘‘

’’تو کیا ہوا؟ بگڑے گا تجھ پر۔‘‘

’’بگڑنے دیں، میں اثر نہیں لوں گی۔‘‘

’’تو ایسی نہ بن رباعی۔‘‘

’’کیسی نہ بنوں؟‘‘

’’بس تو ایسی نہ بن، جیسی ہمارے خاندان کی عورتیں ہوتی ہیں، تو ایسی نہ بن، تو عورت بن صرف عورت بن، بیوی بن، وڈیرنی نہ بن، تجھے پتا ہے، وڈیرنیوں کے گھر نہیں بنتے، عورتوں کے گھر بنتے ہیں، عورتیں گھر بناتی ہیں، وڈیرنیاں حکومتوں کے چکر میں، مرد پر رعب جمانے کے چکر میں مر جاتی ہیں، تجھے پتا ہے رباعی جو عورت کہتی ہے کہ مرد ہوں، میں طاقت ور ہوں، مرد فریب میں ہے ناں، اس کا فریب ٹوٹتا ہے، وہ سمجھتا ہے عورت اس پر سبقت لینا چاہتی ہے، سمجھتا تو کچھ نہیں کم بخت بس خود کو ہی بہت جانتا ہے، تو اسے جیت لے رباعی، وہ نرم پڑ جائے گا۔‘‘

’’کیا کروں اس کے لئے؟‘‘

’’سب کر لے، دنیا چھوڑ دے، سب چھوڑ دے، سب چھوڑ دوں؟‘‘

’’ہاں سب چھوڑ دے، اسے چھوڑنے سے بہتر ہے کہ تو سب چھوڑ دے، اسے منا لے رباعی، انسان کو منا لے، وہ روٹھا ہے ناں، تو بات کر لے۔‘‘

’’وہ تمیز سے بات نہیں کرے گا۔‘‘

’’آخر تو کرے گا، ایک دن تو کرے گا ناں۔‘‘

’’لیکن تب تک؟‘‘

’’تب تک تیرا مشکل وقت ہے اور جب تو اسے جیت جائے گی، پھر تیرا اچھا وقت ہوگا اور اس کا وقت تیرے سامنے نہیں ٹکے گا، وہ تیرے سامنے ٹکا ہوگا۔‘‘

’’مجھے اس سے ڈر لگتا ہے، وہ نشہ کرتا ہے۔‘‘

’’چری...... ڈرتی ہے شوہر سے، میرا شوہر بھی نشہ کرتا تھا، فیروز جیسا ہی تھا، لیکن میں نے جھیلا، آپ نے میرا ساتھ ایسا کیوں کیا؟ تو خوش نہیں ہے؟‘‘

’’بڑی جلدی خیال آ گیا آپ کو، میری خوشی کا۔‘‘

’’تو واقعی خوش نہیں تھی، ان کا چہرہ دیکھا آپ کو کیا لگتا ہے کہ آپ کے بیٹے سے شادی کرنے والی خوش ہوگی؟‘‘ اس نے جیسے طمانچہ سا مارا تھا۔

’’تو پھر کیوں کی تم نے شادی؟‘‘

’’شادیاں کہاں ہم سے پوچھ گچھ کر کے طے کی جاتی ہیں۔‘‘

’’شادیاں تو ہو جاتی ہیں بس ہم جیسوں کی۔‘‘

’’ٹھیک کہتی ہے تو۔‘‘

’’لیکن اب کی ہے تو عورت بن نباہ۔‘‘

’’آپ نے بندوق میرے کندھے پر رکھ دی ہے۔‘‘

''اور کہتی ہیں چلانی بھی مجھے خود پڑے گی، تیری بندوق تجھے ہی چلانی ہوگی، ایک بار چلا کہ تو دیکھ۔'' رباعی نے مایوسی سے ہنڈیا کی طرف توجہ کی کھانے کا پوچھ لینا اس سے۔

''آپ دوائی لے لیجئے گا۔''

''میری دوائی کی بڑی فکر ہے تجھے، پربھات نے کہا تھا کہ آپ کی دوا کا لازمی خیال رکھوں ضروری ہے۔''

''پربھات کا کیا رشتہ ہے مجھ سے۔'' اس نے کیوں کہا۔

''پتا نہیں کیا لگتا ہے، لیکن مجھے تو بڑی ہدایتیں دے کر گئی ہے آپ کے لئے۔''

''وہ سمجھتی ہے کہ اس کی عقلمندی کی ہر جگہ ضرورت ہے، اس کا خرد ماغ باپ بھی ایسا تھا، خود کو ہی عقل کا سمجھتا تھا، پربھات سب کی کیئر کرتی ہے، سب کی بڑی بننے کی کوشش کرتی ہے، آئی بڑی دوائی کا خیال رکھوانے والی، کسی کی نیکی کی قدر کرتے ہیں۔'' شمع نے مڑ کر دیکھا تعجب سے۔

''بڑی بڑی باتیں مت کیا کر، نہ مجھے سمجھانے کی کوشش کر، ماں نہیں ہے تو میری نہ ہی ساس لگی ہے، اپنی حد میں رہ۔'' کہتی ہوئیں بگڑتی نکل گئیں اور اس نے سر جھٹک کر ہنڈیا میں چمچ ہلایا۔

''سب کے سب اپنے نام کے ایک ہیں، یکسر تو جیسے اترا ہی ہمارے خاندان کے لئے تھا۔''

''ایک بد دماغی، خانہ خرابی، پھرانا اور پھر تسلط اور اس کے آگے صرف اندھیرا۔''

☆☆☆

دروازہ کھلا تھا۔

''آج عرصے بعد پھر بت خانہ سجا ہے، آؤ پربھات آؤ۔''

''آپ مجسمہ بنا رہے ہیں؟، وہ بھی عورت کا۔'' اس نے دیکھا۔

وہ ابھی چہرے کو برابر کر رہے تھے، سب سے پہلے ناک کا کٹاؤ اور آنکھوں کی گہرائی، اندر پسلیاں، ابھی پلکیں رہتی تھیں۔

''یہ مجسمہ، کیا اسے بھی توڑنے کے لئے بنایا جا رہا ہے؟''

''نہیں یہ مجسمہ نہیں ٹوٹے گا اب۔''

''یہ سکھاں کا مجسمہ ہے؟''

''تم پلٹ کر نام کیوں لیتی ہو جھٹ سے۔'' وہ جیسے ہل سے گئے۔

''یہ سکھاں کا نہیں ہے۔'' اس نے آنکھوں میں دیکھا، میلی آنکھوں میں عجیب حرکت کا احساس تھا۔

''یہ سکھاں کا نہیں ہے، اس کی آنکھوں کا غرور کچھ اور بتا رہا ہے، نام نہیں لیتی، نام مت لینا۔'' وہ پھر سے پراسرار سے دکھ رہے تھے بڑے دنوں بعد، آنکھوں کی چمک جیسے لوٹ آئی تھی۔

''آپ نے پھر سے مراقبہ کیا ہے؟''

''ہاں، بہت تڑپ تھی، قرار آیا ہے۔''

''کیا ملا؟ وہ بظاہر مجھے کو دیکھ رہی تھی؟ لیکن توجہ ان پر تھی۔''

''کس سے؟''

''مراقبے سے۔''

''اس کا چہرہ۔''

''کس کا؟''

''سکھاں کا۔'' ان کا لہجہ ڈوب سا گیا۔

''اب تک بڑھیا سے عشق کرتے ہیں؟''

''اب تو بڈھے ہو گئے ہیں۔'' وہ اس کی بات پر نم آنکھوں سے بے ساختہ ہنس دیئے تھے، جیسے روتے روتے بندہ ہنس پڑتا ہے اور پھر ہنسنے لگے۔

''بڈھا ہو گیا ہوں، ہاں بڑھیا سے عشق کرتا ہوں، لیکن پربھات تمہیں پتا ہے۔'' وہ اب کی اس کی طرف دیکھنے لگے۔

''تمہیں پتا ہے، کیا ہے، اس نے مجھے آزاد کرنا چاہا ہے۔''

''کہتی کیا ہے؟''

''کہنے لگی معاف کیا، تم بھی کر دینا۔'' وہ لفظوں کی الٹ پھیر کے علاوہ بات سو فیصد سچ کہہ گئے، پربھات حیران ہوئی۔

''آپ کو پتا لگ گیا؟''

''ہاں لگ گیا، اس کی آواز، اس کا چہرہ، اس کا لہجہ، سب نظر آیا۔''

''ہاں سب دکھا اک جھلک میں سب دکھا۔''

''آپ واقعی اچھے لوگوں کی اولاد ہیں۔''

''اور تم اچھے آدمی کی اولاد نہیں ہو؟''

''میں بہت اچھے آدمی کی اولاد ہوں۔'' وہ مسکرائی۔

''تمہارا خون بھی ان سے ملتا ہے، جو انا والے کہلائے جاتے ہیں، لیکن بڑے گہرے لوگ ہیں، بڑے سچے، سیدھے جانتی ہوں، یہ بتائیں خوش ہیں۔''

''اس کے رہا کرنے سے، اس کے معاف کرنے سے۔''

''تمہیں پتا ہے پرہ، اس نے مجھے صرف معاف نہیں کیا، بلکہ اس نے مجھے آزاد کر دیا ہے۔'' وہ کہتے ہوئے رو پڑے۔

برش گر گیا، کانٹا پلیٹ میں جا گرا۔

''اس نے مجھے اپنے عشق سے آزادی کا پروانہ دیا ہے۔''

''وہ مجھے چھوڑ رہی ہے، سمجھو کہ چھوڑ دیا۔'' انہوں سر میز پر دھر دیا۔

''آزادی کا مطلب رہا کرنا، معافی کا مفہوم چھوڑ دینا ہوتا ہے۔''

(جاری ہے)

☆☆☆

عید کی شام

شمسہ الطاف زندگی

''مما...... مما مجھے شاپنگ کرنے جانا ہے، دیکھیں منیب بھائی کو پاپا لے گئے ہیں شاپنگ کروانے اور ایک آپ ہیں کہ مجھے لے کے ہی نہیں جا رہیں، مما چلیں ناں پلیز۔'' عینا صبح سے اسی بات کے پیچھے پڑی ہوئی تھی۔

''عینا بیٹا ابھی بہت دن ہیں عید میں اور پھر تمہارے پاپا بھی منیب کو ساتھ لے کر شاپنگ کرنے تھوڑی گئے ہیں وہ لوگ تو بکرا خریدنے منڈی گئے ہیں۔'' مما نے کہا۔

''او ماما جی صرف ون ویک رہ گیا ہے اور بعد میں رش ہوتا ہے بہت، مجھے آج ہی جانا ہے بس، میں اور کچھ نہیں جانتی۔'' عینارہ اپنی ضد پر اڑی ہوئی تھی۔

''اچھا میری ماں، چلی جاؤ آج ہی لیکن میں نہیں جا سکتی مجھے ابھی راجو سے بکرے کا کمرہ بھی صاف کروانا ہے ابھی تمہارے پاپا اور بھائی آتے ہی ہونگے بکرا لے کر اور پھر تمہارے پیچھے مال میں گھومنا میری بوڑھی ہڈیوں کے بس کا روگ تو ہے نہیں، لہٰذا تم میرا جنم دن بخشو اور مناہل سے فون کر کے کہو وہ چلی جائے تمہارے ساتھ۔'' مما نے جان بخشش کروائی۔

''اوکے سر ایسا ہی کر لیتے ہیں، آپ پھر ایک عنایت کریں کچھ کرارے نوٹ میرے حوالے کر دیں، میں ابھی آتی ہوں۔'' عینارہ کہہ کر کمرے کی جانب مڑنے لگی۔

''سر نہیں میڈم۔'' مما نے اس کی تصحیح کی۔

''او ہاہ میڈم۔'' وہ ہنستے ہوئے روم میں گھس گئیں اور مما بھی اس کی بچوں جیسی حرکتوں پر ہمیشہ کی طرح مسکراتے ہوئے اپنے کام میں لگ گئیں اپنی انہی باتوں کی وجہ سے وہ سب گھر والوں کی جان تھی۔

عینارہ چونکہ گھر میں چھوٹی تھی اور دو بڑے بھائیوں کی اکلوتی بہن تھی اس لئے گھر بھر کی لاڈلی ہونے کے باعث ضد منوانا اس کی عادت تھی، وہ عید کے موقع پر ہمیشہ ہی بہت اہتمام کرتی چاہے عید ہو یا بڑی اور اس بار تو عید اور بھی خاص تھی کہ اس کا بھائی حسیب بھی اپنی سٹڈیز مکمل کر کے واپس پاکستان آ رہا تھا اس لئے وہ بہت خوش تھی، فوراً کمرے میں گئی اور مناہل کو فون لگا دیا۔

☆☆☆

''السلام وعلیکم!'' مناہل کے گھر میں داخل ہوتے ہی جس پہلے فرد سے اس کا تصادم ہوا تھا وہ خاصا خوبرو نوجوان تھا، عینارہ پہلے بھی مناہل کے گھر چند ایک چکر لگا چکی تھی مگر سامنے موجودہ شخصیت کو یہاں دیکھنے کا اتفاق پہلی بار ہی ہوا تھا، لیکن اسے اندازہ تھا کہ غالباً وہ مناہل کا بھائی ہے۔

''وعلیکم السلام۔'' سلام کا جواب دیتے ہوئے ضرار نے اجنبی نگاہوں سے اس کا استقبال کیا تو وہ فوراً اپنا تعارف کروانے لگی۔

''جی مجھے عینارہ کہتے ہیں۔'' اس سے پہلے وہ مزید بولتی ضرار نے اس کا جملہ اچک لیا۔

''کون کہتے ہیں؟'' ضرار نے ایک ہاتھ سینے پر باندھا اور دوسرا ٹھوڑی کے نیچے رکھتے ہوئے پوچھا، آنکھوں میں اجنبیت کی جگہ شرارت ابھرنے لگی تھی۔

''ظاہر ہے لوگ کہتے ہیں، بیل بوٹے، درخت تو کہنے سے رہے۔'' ضرار نے اسے کنفیوژ کرنا چاہا مگر وہ شکل سے جتنی معصوم لگتی تھی دماغ سے اتنی ہی تیز تھی۔

''ہوں نائس۔'' وہ متاثر ہوئے بنا ناں رہ سکا۔

''آیئے مس کنارہ تشریف رکھیے۔'' ضرار

نے ڈرائنگ روم میں رکھے صوفہ سیٹ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

”ایکسکیوزمی میرا نام کنارہ نہیں عینارہ ہے اور آپ پلیز مناہل کو میرے آنے کی اطلاع کر دیں۔“ عینارہ وہیں ایستادہ رہی۔

”اوکے مس ستارہ جو حکم۔“ ضرار نے زیر لب مسکراتے ہوئے ایک بار پھر اسے غلط نام سے پکارا، وہ مناہل کو بتانے جانے ہی لگا تھا کہ اس پری وش کے مخاطب کرنے پر رک گیا۔

”او ہیلو مسٹر آپ سچ مچ ثقل سماعت کا شکار ہیں یا جان بوجھ کر غلط سننے کی سعی کر رہے ہیں۔“ عینارہ کو اس پر حیرت بھی ہوئی اور غصہ بھی آنے لگا وہ مسلسل اسے زچ کر رہا تھا۔

”میرا نام ضرار ہے میڈم ستارہ، اینڈ سیکنڈلی یہ کہ آپ کو دیکھنے کے بعد مجھے بہرہ بننے کی ضرورت نہیں واقعی بے حس و حرکت سا ہو گیا ہوں۔“ ضرار نے ذو معنی انداز میں کہا، اس کا نام سن کر عینارہ کو یقین ہو گیا کہ وہ مناہل کا بھائی ہی ہے۔

”کیا مطلب؟ میں کوئی بھوت پریت ہوں کیا جو مجھے دیکھ کر آپ پتھرا گئے ہیں۔“ عینارہ نے اس کے الفاظ کی گہرائی میں جائے بنا استفسار کیا۔

”نہیں بھوت پریت نہیں بلکہ چڑیل ہیں مگر بہت حسین چڑیل ہیں آپ ویسے۔“ عینارہ نے مناہل سے ضرار کے مزاج کے متعلق کافی سن رکھا تھا، وہ فیس ٹو فیس اسے نہیں جانتی تھی مگر عادات و اتوار کے بارے میں مناہل نے بتایا تھا کہ وہ کافی ہنس مکھ بندہ ہے اور اس طرح کی حرکتیں اس کا مشغلہ ہیں، اس لئے عینارہ اب تنگ ہونے کے بجائے لطف اندوز ہو رہی تھی، ہاں اگر اس وقت ان دونوں کے بیچ عینارہ کو پریشان کرنے والی اگر کوئی بات تھی تو وہ ضرار کی نگاہیں تھیں، بہت کچھ جتاتی نگاہیں جنہیں عینا فی الحال سمجھنے سے قاصر تھی۔

”آپ کی اطلاع کے لئے عرض ہے کہ خوبصورت چڑیلیں نہیں بلکہ پریاں ہوتی ہیں، اپنے تئیں۔“ عینارہ نے اس کا جملہ درست کیا تھا۔

ضرار نے جواب دینے کے لئے لب وا کیے ہی تھے کہ مناہل زلزلے کی طرح روم میں انٹر ہوئی تھی۔

”ارے عینی تم آ گئیں؟“ وہ آتے ہی محبت سے اس کے ساتھ ملی اور پوچھا۔

”ہاں کافی دیر ہوئی۔“ عینا نے جان بوجھ کر لہجے میں اکتاہٹ کو عیاں کیا تھا۔

”اچھا تو کھڑی کیوں ہو بیٹھو ناں۔“ منی نے صوفے پر بیٹھتے ہوئے اسے بھی ساتھ بٹھایا۔

”بس تفتیش ہی ختم نہیں ہوئی جو کوئی بیٹھنے کا بھی بول دیتا، شکر ہے تم آ گئیں ورنہ میرا تو آج بھیجا فرائی ہو جانا تھا۔“ عینا نے کن اکھیوں سے اس کے چہرے کے بگڑتے زاویوں کو دیکھا تھا۔

”بھائی۔“ مناہل نے خفا خفا سی نگاہوں سے اسے گھورا اور کچھ کہنا چاہا مگر وہ پہلے ہی صفائی دینے لگا۔

”سوری منی، لیکن میں نے مس کنارہ کو بیٹھنے کا بولا تھا مگر انہوں نے خود ہی گریز برتا شاید انہیں ہمارے صوفے پسند نہیں آئے اسی لئے۔“ اس نے معصومیت طاری کرتے ہوئے کہا، عینارہ کا جی چاہا اس بات پر کشن ہی اٹھا کر اسے دے مارے۔

”ہاہاہا...... ہاہاہا...... ہاہاہا۔“ مناہل کی ہنسی چھوٹ پڑی تھی اور وہ دونوں ہونقوں کی طرح اسے دیکھتے رہے۔

چند لمحوں پر خود پر کنٹرول کرتے ہوئے مناہل بولی۔

''عینارہ نام ہے اس کا کنارہ نہیں ہاہاہا، اینڈ ان صوفوں پر یہ پہلے بھی کئی بار بیٹھ چکی ہے۔'' ضرار جھینپ سا گیا اور عینارہ کیا کہتی وہ تو ساری کہانی جانتی تھی کہ وہ شرارت کررہا ہے۔

''اچھا خیر، عینارہ تم کچھ لوگی؟'' وہ دوبارہ اس کی طرف متوجہ ہوئی۔

''نہیں بس چلو، مجھے دیر ہورہی ہے واپس گھر بھی جانا ہے ٹائم سے۔'' اس نے بے تکلفی سے جواب دیا۔

''چلو ٹھیک ہے۔'' منی بھی مان گئی اور ضرار کی طرف رخ روشن کو گھوماتے ہوئے بولی، جو خلاف معمول چپ کھڑا تھا۔

''بھائی وہ...... ڈرائیور تو چھٹی پر ہے اور ہمیں شاپنگ کرنے جانا ہے آپ پلیز لے چلیں گے ہمیں۔'' منی نے لجاجت آمیز لہجے میں کہا۔

''اوکے جناب عالیہ! میں اس قربانی کے لئے تیار ہوں اور کوئی حکم۔'' ضرار نے دل پر ایک ہاتھ رکھا اور سر کو جھکاتے ہوئے جیسے حکم کی تکمیل کا عندیہ دیا تھا، کوئی اور وقت ہوتا تو وہ شاپنگ کے نام سے بھی گھبراتا تھا، مگر اس وقت حالات مختلف تھے اور جذبات بھی۔

''او گوڈ اب بھیجا فرائی کے ساتھ جانا پڑے گا۔'' عینارہ نے بہت دھیمی آواز میں کہا تھا مگر ضرار نے سن لیا، مناہل بیگ لینے روم میں جاچکی تھی۔

''جی مس کنارہ مجبوری ہے۔'' کہہ کر وہ باہر کی جانب بڑھ گیا۔

☆☆☆

''کتنی حسین ہو تم عینارہ، واقعی پریوں جیسی، تمہارے حسن کی کوئی کیا تعریف کرے کہ الفاظ ہی نہیں اس قابل کوئی جو تمہاری تعریف میں کہے جاسکیں۔'' ضرار گاڑی کے بیک مرر سے پچھلی سیٹ پر براجمان حسن کی دیوی کو بڑے غور سے دیکھ رہا تھا اور دل ہی دل میں اس کی تعریفوں کے پل باندھ رہا تھا۔

عینارہ کو مسلسل کسی کی نگاہوں کی تپش محسوس ہورہی تھی غیر ارادی طور پر اس کی نظر مرر پر پڑی، ایک لمحے کے لئے نظروں کا تصادم ہوا وہ مسکرارہا عینارہ نے نظروں کا زاویہ بدل لیا تھا۔

''ضرار بھائی کیا ہوگیا ہے روکیں گاڑی مال آگیا۔'' ضرار نے جھٹکے سے گاڑی روکی اور خوبصورت خیالوں کی دنیا سے باہر آیا تھا۔

وہ دونوں گاڑی سے نکل کر مال کی جانب بڑھ گئیں اس نے بھی بلاوجہ ہی ان کی پیش قدمی کی۔

☆☆☆

نا چاہتے ہوئے بھی عینارہ کا دھیان بار بار اس کی طرف جارہا تھا وہ اس کی طرف خصوصی توجہ رکھے ہوئے تھا، یہ من چلا سا لڑکا عینارہ کے جی کو بھانے لگا تھا، وہ وجہ بے وجہ اس کے معاملات میں دخل اندازی کرتا تو بظاہر وہ اسے گھورتی مگر دراصل اس کے ساتھ رہنا، بات کرنا اسے اچھا لگنے لگا تھا ''ضرار'' عینارہ نے زیر لب اس کا نام دہرایا، جیسے تلوار، او واؤ نائس نیم تلوار، مسٹر ضرار اب تم کہنا مجھے مس کنارہ، عینارہ اپنے خطرناک عزائم پر خود ہی مسکرانے لگی۔

واپسی کا سفر بھی بہت اچھا گزرہ تھا، مناہل کو گھر چھوڑ کر طے یہ ہوا کہ عینارہ کو بھی وہی ڈراپ کرے گا، ضرار نے اس ذمہ داری کو بسر و چشم نبھانے کا عندیہ دیا۔

عینارہ مناہل سے ملتی اور چاہت کی خوشبو کو دل کے ہزار پردوں میں چھپاتی بظاہر خود کو لاتعلق

ظاہر کرتے ہوئے فرنٹ سیٹ پر اس کے پہلو میں بیٹھ گئی تھی، ضرار کا دل خوشی سے پھولا ناں سما رہا تھا قسمت سے اسے کچھ وقت اور اس کے ساتھ گزارنے کا موقع مل گیا تھا اگر عینارہ جاتے ہوئے اس کے گھر سے ڈرائیور کو واپس بلانے کا حکم نامہ ناں پیش کر دیتی تو شاید یہ لمحے ہاتھ ناں آتے۔

گاڑی اس کے گھر کی طرف رواں دواں تھی کچھ دیر دونوں کے درمیان خاموشی کا راج رہا، پھر بالآخر ضرار نے لب وا کیے اور ابتدائے گفتگو کا فریضہ انجام دیا۔

''مس کنارہ۔'' ہلکی رفتار پر مہارت سے گاڑی ڈرائیو کرتے ہوئے وہ گویا ہوا۔

''جی مسٹر تلوار۔'' عینارہ کی بھی شرارتی رگ جاگ اٹھی تھی۔

''تلوار؟'' وہ ایک پل کو حیران ہوا تھا۔

''جی بالکل دو منہ والی تلوار۔'' عینارہ نے سنجیدگی طاری کرتے ہوئے کہا۔

''ہاہاہا۔'' ضرار کا قہقہہ بے اختیار تھا۔

''واؤ مس کنارہ کیا لقب بخشا ہے مگر سنیئے، بچ کے رہیے گا اس تلوار سے۔'' ضرار نے راز دارانہ انداز اپناتے ہوئے کہا۔

''جی یہی کوشش ہے میری، اس لئے گزارش ہے برائے مہربانی گاڑی روک دیں میرا گھر آ گیا ہے۔'' عینارہ دوبدو بولی۔

''واٹ اتنی جلدی۔'' ضرار کو حیرت کا جھٹکا لگا کیونکہ اس کی سنگت میں وقت گزرنے کا پتہ ہی اں جلا تھا۔

''ویس مسٹر تلوار خاں صاحب، امریکہ تو ہیں جا رہے تھے آپ جو اس قدر حیران ہو رہے یں اور یہ اپنا غار جتنا منہ بند کر لیں لومڑی گھس ائے گی اپنا گھر سمجھ کر۔'' ضرار کی حیرت اور قہقہوں کے ملے جلے تاثرات پر عینارہ نے شرارت سے کہا اور اپنا سامان اٹھا کر باہر نکلی۔

''او کے مسٹر تلوار تھینک یو اینڈ اللہ حافظ۔'' عینارہ نے بے تکلفی سے کہا اور گھر کی جانب مڑنے لگی۔

''ارے او بے مروت حسینہ۔'' ضرار نے اسے مخاطب کیا۔

''فرمایئے۔''

''بڑی بے تکلفی سے تھینک یو اینڈ اللہ حافظ کہنے کی فارمیلٹی پوری کر کے چلتی بنی میڈم، بندہ جھوٹے منہ ہی سہی کسی کو اندر آنے یا ایک کپ چائے کی آفر کر دیتا ہے۔'' شکوہ کیا۔

''نہیں ناں مسٹر تلوار......تلوار سے بچ کے رہنا چاہیے۔'' عینارہ نے بڑے خوبصورت انداز میں اسی کا کہا ہوا جملہ دہرایا تھا اور کار کا ڈور بند کر کے چلتی بنی، ضرار اس کے معصومانہ انداز پر مسکراتا ہوا واپس ہو لیا۔

عینارہ مین گیٹ سے اندر انٹر ہوئی تو میں، میں کی آواز سن کر اندازہ ہو گیا کہ گھر میں بکرا صاحب تشریف لا چکے ہیں، مگر اسے حیرت تو تب ہوئی جب اس کی نظر لان کے ایک طرف پڑی جہاں سے آوازیں آ رہی تھیں، اس نے دیکھا منیب بھائی لان کے ایک طرف بکرے کو باندھے اس کے آگے چارہ ڈال کر دو تین ملازموں کی مدد سے اس کی کمر پر عید مبارک، قربانی مبارک وغیرہ لکھنے کی سعی کر رہے تھے۔

''او بھائی یہ کیا ہو رہا ہے؟'' عینارہ تعجب سے گویا ہوئی۔

''ارے بہنا قربانی کے بکرے کی ابتدائیہ سجاوٹ ہو رہی ہے۔'' بھائی نے مصروف انداز میں جواب دیا۔

''ہاہاہا او کے او کے کیری آن۔'' عینارہ نے

ہنستے ہوئے اندر جانے کے لئے قدم اٹھایا ہی تھا کہ ایک جانی پہچانی آواز اس کی سماعتوں میں اتری۔

ابتدائے عید ہے ہنستی ہو کیا؟
آگے آگے دیکھو ہوتا ہے کیا؟

عینارہ نے آواز تعقب کہا تو حیرت سے چیخ ہی تو اٹھی۔

”ارے حسیب بھائی آپ؟“ غیر متوقع طور پر حسیب کو پا کر وہ حیران تھی۔

”جی میں، کیسی ہو؟“ قریب آ کر ملتے ہوئے حسیب نے دریافت کیا۔

”میں تو ٹھیک ہوں مگر آپ کو تو دو دن بعد آنا تھا۔“ خوشی سے اس کے ساتھ لپٹتے ہوئے عینارہ گویا ہوئی۔

”بس میں نے سوچا جلدی جا کر آپ سب کو سرپرائز دوں۔“ حسیب نے اسے خود سے الگ کرتے ہوئے کہا۔

”اوہ مگر بتاتے تو ہم سب ائیرپورٹ پر آپ کو لینے آتے ناں، پتہ ہے میں نے تو ائیرپورٹ، پہن کر جانے کے لئے ڈریس بھی لیا تھا۔“ عینارہ معصومیت سے بولی۔

”کوئی بات نہیں وہ ڈریس پہن کر تم اپنی بھابھی کو ریسو کرنے جانا ائیرپورٹ۔“ حسیب بھائی نے لاپرواہی سے کہہ دیا، مگر عینارہ کو تو جیسے سانپ سونگھ گیا تھا ساری خوشی اڑنچھو ہو گئی تھی وہ یک ٹک بھائی کا چہرہ دیکھے گئی۔

”کیا ہوا؟ انگریز بھابھی کے نام سے خوفزدہ کیوں ہو گئی میرے خیال سے تو تمہاری انگلش اچھی خاصی ہے۔“ وہ اپنی موج میں کہے گیا، مگر عینارہ تو جیسے ساکت ہو گئی تھی۔

”او میرے خدا جب مما پاپا کو پتا چلے گا کہ بھائی ان کی لاعلمی میں شادی کر چکے ہیں تو کیا حال ہو گا ان کا کیسے کیسے غم کے پہاڑ ٹوٹیں گے ان پر۔“ عینارہ بہت دور تک سوچ چکی تھی۔

حسیب نے سوچا تھا نجانے وہ کیا کچھ کہے گی پھٹ ہی تو پڑے گی، مگر وہ تو چپ ہی ہو گئی تھی اسے اس پر رحم آنے لگا اس لئے مزید تنگ کرنے کا ارادہ ترک کر دیا۔

”عینارہ!“ اس نے جھنجھوڑ کر اسے حال میں واپس لایا۔

”کیا ہو گیا ہے یار مذاق کر رہا ہوں، بھلا اتنی آسانی سے تمہیں بھابھی کیسے لا دوں گا جو اتنے سارے جوتے گھر میں تم نے جمع کیے ہوئے ہیں ناں وہ سب بھابھیوں کی تلاش میں ہی پھٹیں گے فکر ناں کرو، تم یقیناً یہی سوچ رہی ہو گی ناں کہ اب ان سب جوتوں کا کیا ہو گا۔“ حسیب نے مزاحیہ انداز اپناتے ہوئے اس کی حالت بحال کی تھی، یہ سب سن کر تو جیسے عینارہ کی جان میں جان آئی تھی رگوں میں زندگی دوڑ گئی تھی آنکھوں میں خوشی کی رمق لوٹ آئی تھی۔

”او مائے گاڈ، آج تو صبح سے ہی حیرتوں کے پہاڑ ٹوٹ رہے ہیں مجھ پر، مگر شکر اللہ سارے واقعات ہی خوشگوار رہے۔“ اس کے ذہن کے پردے پر ضرار کی تصویر جھلمائی تو وہ مسکرانے لگی۔

☆☆☆

عید کا دن حسب معمول بے حد مصروف تھا پاپا اور دونوں بھائی فجر کی نماز کے بعد گھر آئے اور پھر ناشتہ وغیرہ کرنے کے بعد عید کی تیاری کر کے نماز عید ادا کرنے کو چلے گئے، عینارہ نے بھاگ دوڑ کر کام ختم کرنے میں مما کی مدد کی اور سب کے آنے سے پہلے عید کے ملبوسات پہن کر تیار ہو گئیں، واپسی پر پاپا لوگ قصاب کو ساتھ لائے اور قربانی کا فریضہ ادا ہو گیا۔

شام میں عینارہ کے تایا کی فیملی کی آمد متوقع تھی اور مناہل نے بھی کال کر کے بتایا تھا کہ وہ فیملی سمیت آ رہی ہے، عینارہ بہت خوش تھی، اس نے اور مما نے ملازموں کی مدد سے سارے کام وقت پر نمٹا لئے تھے۔

شام کو سارے مہمان آ گئے کھانے کے بعد سب نے عینارہ سے چائے کی فرمائش کی تو وہ کچن کی طرف چل دی۔

ضرار کے پاپا نے مطلب کی بات چھیڑی۔

''بھائی جان ہم لوگ آج دراصل ایک ریکوئسٹ لے کر آپ کے پاس حاضر ہوئے ہیں۔''

''حکم کیجئے ملک صاحب۔'' عینارہ کے پاپا نے گرم جوشی سے کہا۔

''دراصل ہماری خواہش ہے کہ بچیوں کی دوستی کو رشتہ داری میں بدل لیں اور آپ عینارہ کو ہماری بیٹی بنا دیں۔'' اب کے مناہل کی مما نے کلام کیا تھا۔

''عینارہ تو بہت اچھی طرح ہم سب کو جانتی ہے، لیکن آپ لوگ اپنی تسلی کے لئے ہر طرح کی چھان بین کر سکتے ہیں ہمارے بارے میں۔'' ملک صاحب ایک بار پھر گویا ہوئے۔

''نہیں بھائی عینارہ جتنا آپ لوگوں کی تعریفیں کرتی ہے اس کے بعد بھی میرے خیال میں ہمیں کسی قسم کی چھان بین کی ضرورت نہیں۔'' عینارہ کی مما نے جواب دیا۔

''جی بالکل، تو پھر کیا خیال ہے قمر بھائی آپ کا؟'' عینارہ کے والد نے بڑے بھائی سے رائے لینا بھی اہم جانا۔

''بھئی جب آپ لوگ مطمئن ہیں تو بھلا مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔'' عینارہ کے تایا نے خوش دلی سے جواب دیا۔

''بیٹا منیب اور حسیب آپ کی کیا رائے ہے؟'' والد صاحب نے بیٹوں سے پوچھنا بھی لازمی سمجھا۔

ضرار کی فیملی اچھی تھی کھاتے پیتے لوگ تھے اور پھر مما پاپا کو کوئی اعتراض نہیں تھا وہ بھلا کیا کہتے، دونوں نے ہنسی خوشی سب کی ہاں میں ہاں ملا دی۔

''بھئی کوئی عینارہ سے بھی تو پوچھ لے آخر کو زندگی تو اس نے گزارنی ہے۔'' مناہل کے کہنے پر ضرار کے چہرے پہ ایک رنگ سا آ کر گزر گیا۔

''بیٹا عینارہ سے میں پوچھ لوں گی اسے کوئی اعتراض نہیں ہوگا آپ تسلی رکھیں۔'' عینارہ کی مما نے کہا تو ضرار کے حلق میں اٹکتی سانسوں کو راہ فرار مل گئی۔

معاملہ پایہ تکمیل تک پہنچ گیا، سب لوگ بہت خوش تھے اس لمحے عینارہ چائے لے کر اندر آئی تو اندر کا ماحول بدلا ہوا سا محسوس ہوا، مناہل نے چائے کی ٹرالی اس سے تھام لی تھی اور اس کی مما نے عینارہ کو بلا کر پاس بٹھانا چاہا، عینارہ نے مما کی طرف دیکھا تو انہوں نے آنکھوں ہی آنکھوں میں اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا وہ جب چاپ ان کے پہلو میں بیٹھ گئی، ماحول کی رنگینی اسے سب کچھ سمجھا گئی تھی۔

☆☆☆

چائے پیتے ہوئے سب لوگ اپنے ہم عصر لوگوں سے خوش گپیوں میں مصروف ہو گئے، مناہل بھی عینارہ کی کزن کے ساتھ باتوں میں مشغول تھی تو عینارہ چپ چاپ اٹھ کر کچن کی جانب چلی گئی، ضرار بھی سب کی آنکھ بچا کر اس کی تقلید میں آیا تھا۔

''آہم...... آہم۔'' کچھ کے دروازے پر آ کر ضرار نے گلا کھنکار کر اسے اپنی آمد سے مطلع کیا

تھا۔

''آپ یہاں۔'' عینارہ اسے دیکھ کر حیران ہوئی۔

''کیوں جی میں یہاں نہیں آ سکتا، مس کنارہ۔'' ضرار شرارت سے بولا۔

''نہیں وہ میں تو یہ کہہ رہی تھی کہ کچن میں چھری ہے تلوار کی ضرورت نہیں۔'' عینارہ بھی کہاں معاف کرنے والی تھی۔

''اوہ میڈم ذرا شرماؤ مجھ سے میں تمہارا منگیتر بن گیا ہوں۔'' ضرار نے اترا کر کہا۔

''اوہ مسٹر یہ فریضہ آپ خود ہی انجام دیجیے مجھ سے یہ ناٹک نہیں ہوتے، اینڈ بائے دا وے میری مرضی کے بغیر آپ یہ شرف کیسے حاصل کر سکتے ہیں۔'' عینارہ نے کہا۔

''ارے ہاں رہی تو، سب نے مجھے اسی لئے بھیجا ہے کہ میں خود تم سے پوچھ لوں کہ تمہیں اس وومنہ والی تلوار کے ساتھ زندگی گزارنا قبول ہے۔'' ضرار نے تلوار پر زور دے کر کہا۔

''نہیں۔'' عینارہ نے برملا کہا۔

''کیا؟'' ضرار کا خوشی سے جھومتا دل دہل گیا تھا۔

''جی ہاں مجھے تلوار کے ساتھ زندگی گزارنا قبول نہیں البتہ ضرار کے ساتھ زندگی گزارنا میں اپنی خوش قسمتی سمجھوں گی۔'' عینارہ نے کہہ کر اسے امید و بیم کی کیفیت سے نکالا۔

''سچ...... تھینکس گارڈ، میں نے تو سنا تھا محبت آسانی سے نہیں ملتی بٹ آئی ایم لکی مین، واؤ گریٹ، تھینک یو عینارہ مجھے اور میری محبت کو قبول کرنے کے لئے۔''

''محبت۔'' عینارہ نے حیرت سے پوچھا۔

''جی مس کنارہ اسی لئے تو مما پاپا کے ساتھ آپ کے در پر سوالی بن کر آئے ہیں۔''

''او کے مسٹر تلوار اب جائیے یہاں سے۔'' عینارہ نے اپنے جذبات و احساسات چھپانا چاہے ورنہ تو تھی آگ ادھر بھی برابر لگی ہوئی۔

''اب ہم جانے کے نہیں مس کنارہ، اب تو آپ اس تلوار کی زد میں آئیں کہ آئیں۔'' ضرار نے ڈرانا چاہا۔

''ہم ہنسی خوشی اس تلوار کی زد میں آنا چاہیں گے ضرار، ڈونٹ یو وری۔'' اپنی توقعات کے برعکس جواب پا کر ضرار کا جی باغ باغ ہوگیا۔

عید کی شام ان دونوں کے لئے عمر بھر کی خوشیوں اور من چاہی سنگت کے مل جانے کا پیغام لے کر آئی تھی اور بے شک یہ عید ان کی زندگی کی سب سے یادگار عید ہونے والی تھی۔

☆☆ ☆

اچھی کتابیں پڑھنے کی عادت ڈالیئے

ابن انشاء

اردو کی آخری کتاب .... ☆
خمار گندم .... ☆
دنیا گول ہے .... ☆
آوارہ گرد کی ڈائری............ ☆
ابن بطوطہ کے تعاقب میں........ ☆
چاند نگر .... ☆
دل وحشی .... ☆
آپ سے کیا پردہ .... ☆

لاہور اکیڈمی، چوک اردو بازار، لاہور
7321690-7310797

محبت بڑھتی جائے گی

زارا مجرا

وہ کچن میں کیبنٹ میں سر دیئے کھڑی تھی، کیبن کے اندر مختلف مصالحہ جات اور دالوں کے ایئر ٹائٹ پلاسٹک جارز پڑے تھے، اس نے ایک جار اٹھایا، رکھا، پھر دوسرا تیسرا اور اسی طرح تمام ڈبے ٹٹول لئے۔

''مانو! بھئی آج کھڑے مصالحے والی دال ماش ضرور پکانا۔'' سیٹھانی جی نے دور سے ہی ملازمہ کو آواز دی تھی۔

''جی جی صاف کر رہی ہوں دال۔'' اس نے پلٹ کر جواب دیا۔

''د...... د...... دال؟'' لاؤنج میں داخل ہوتی نوریا نے بساط بھر آنکھیں پھیلا کر ہکلاتے ہوئے کہا وہ غالباً ابھی یونی سی آئی تھی اور کھانے میں دال سن کر جی بھر کے بدمزا ہوئی، مانو گلاس میں جوس لے آئی تھی اس نے اماں جانی کے پہلو میں صوفے پر بیٹھتے ہوئے ہاتھ بڑھا کر گلاس پکڑ کر ہونٹوں سے لگاتے ہوئے ملازمہ کو تنبیہ کی۔

''کوئی دال نہیں پکے گی یہاں، جاؤ جا کر یخنی پلاؤ اور بھنڈی گوشت پکانے کی تیاری کرو۔''

''کیوں کیوں دال کیوں نہیں پکے گی؟'' اماں جانی موٹے عدسوں کی عینک سے جھانکتے ترنت بولیں، وہ سفید دوپٹے کے پلوؤں پر کروشیے کی کناری بنا رہی تھیں۔

''اس لئے کہ آپ کی تمام اولاد گوشت خور ہے سو اس بے چاری کا دال چڑھانے کا کشٹ رائیگاں جائے گا۔'' خالی گلاس واپس ملازمہ کو تھماتے ہوئے اٹھلا کر کہا۔

''بالکل نہیں، اس کا یہ کشٹ رائیگاں ہرگز نہیں جائے گا کیونکہ آج سب دال ہی کھائیں گے۔'' اماں جانی نے اپنے کام میں مگن اس کی طرف دیکھے بنا کہا۔

''ٹھیک ہے مگر سب نہیں جس کا دل چاہے بس وہی کھائے گا، اس لئے مانو تم دال کے علاوہ بھنڈی گوشت ہی بنا لو، پلاؤ رہنے دو ورنہ کام زیادہ ہو جائے گا۔'' اس نے بھی اماں جانی کی طرف دیکھنے کی بجائے کچن میں کھڑی ملازمہ کی طرف دیکھ کر کہا۔

''ضد مت کرو نوریا، میں نے کہہ دیا نا صرف دال پکے گی تو اب مزید بحث مت کرو، روز یہی گوشت، بریانی، پلاؤ کھا کھا کے دل ہی اوب گیا ہے میرا تو۔'' انہوں نے دانت سے دھاگہ توڑ کر کہا، تو وہ منہ بسورتی پیر پٹختی کمرے کی طرف چلی گئی آج اسے اماں کی ہی دال گلتی نظر آ رہی تھی۔

☆☆☆

''کہاں ہے بھئی ہماری بیٹا؟'' ابا جانی نے کھانے کی میز پر نوریا کی غیر موجودگی کے متعلق پوچھا۔

''مانو بلانے گئی تھی اسے، مگر نہیں آئی۔'' اماں کی یہ خوبی تھی کہ غصے میں بھی جو بات کرتیں وہ بھی بہت شائستگی سے۔

''کیوں آئی کیوں ہیں؟'' ان کی حیرت بجا تھا کیونکہ اس گھر میں سب سے زیادہ خوش خوراک اور بقول ارسلان کے (کافی پیٹو) نوریا تھی، دوپہر میں اگر بھوک سے زیادہ بھی کھا لیا ہوتا تو رات کے کھانے کی گنجائش پھر نکال لیتی کیونکہ رات کا کھانا ہی ورائٹی لئے ہوتا اور اسی کھانے پر سب گھر والے بھی اکٹھے ہوتے۔

''ابا جانی آج کھانے میں صرف دال ہے۔''

''اسی وجہ سے اس کا موڈ آف ہے۔'' عنبر نے دبے دبے انداز میں بتایا، وہ بیچاری بھی کہاں دال کی شوقین تھی اور ارسلان وہ بھی تو بیزار لگ رہا

تھا مگر وہ دونوں نوریا کی طرح نہ ضد کرتے تھے نہ نخرے دکھاتے تھے یہ وصف صرف اسی کے حصے میں آیا تھا شاید اس لئے کہ گھر بھر کی چھوٹی اور لاڈلی تھی، ماں باپ بہن بھائی اس پر جان چھڑکتے تھے مگر آج اماں جانی بھی نجانے کیوں ضد لگا کے بیٹھ گئیں۔

''حد ہے بھئی، جب آپ کو پتہ ہے بچے دالیں وغیرہ شوق سے نہیں کھاتے تو آپ کم از کم ساتھ کچھ اور بھی بنوا لیتیں۔'' ابا جانی نے ڈونگے سے ڈھکن اٹھا کر دیکھا پھر رکھ دیا اور باقی سب بھی خالی پلیٹوں کو گھور رہے تھے کیونکہ کھانا ہمیشہ ابا جانی ہی شروع کرتے تھے اور وہ تو آج نوریا کا انتظار کر رہے تھے۔

''سیٹھ صاحب آپ بھی ان کو شہہ دیتے ہیں۔'' اماں جانی نے سر جھٹکا۔

''بچوں کو سادا کھانے کی بھی عادت ڈالنی چاہیے اور پھر یہ کہ جو پکا ہو وہی شکر ادا کرتے ہوئے کھانا چاہیے۔'' ان کی بات تو سو فیصد سچ تھی اور ابا جانی بھی متفق تھے مگر اس وقت کی بدمزگی کو دور کرنا ضروری تھا سو انہوں نے خود نوریا کو آواز دی، برے برے منہ بناتی وہ وہاں آ تو گئی مگر کھڑی رہی۔

''بیٹھ جاؤ سب تمہارا انتظار کر رہے ہیں۔'' اماں جانی نے کوفت سے کہا تو ابا جانی نے انہیں گھورا، نوریا کی آنکھوں میں موٹے موٹے آنسو آ گئے اور یہی واحد ہتھیار تھا جو اس کی طاقت اور باقی سب کی کمزوری تھا، سب کے ہاتھ پاؤں پھول گئے حتیٰ کہ اماں جانی بھی دہل گئیں۔

''ارسلان جاؤ تم فوراً نوریا کی پسند کا چائنیز لے آؤ اور ساتھ آئس کریم۔'' ابا جانی نے اسے اپنے برابر کی کرسی پر لا بٹھایا، ارسلان بھی سر ہلاتا تیزی سے اٹھ کر چلا گیا کیونکہ وہ اس کی بھی بے حد لاڈلی تھی اور اس کے آنسو اسے بھی پریشان کر گئے تھے اور عنبر اس کے ساتھ تو نوریا کی مثال یک جان دو قالب کی سی تھی اور نوریا کی خوشی اسے اپنی ذات کی خوشیوں سے بڑھ کر تھی۔

☆☆☆

''لیکن یہ سب اس وقت تک تھا جب تک وہ نوریا ضیاء تھی سیٹھ ضیاء محی الدین کے گھر کی رونق اور اجالا۔''

پھر زندگی میں اک نیا موڑ آیا اور وہ نوریا ضیاء سے نوریا اسد بن گئی، زندگی کا اک نہایت روشن باب بند ہوا اور اک نیا باب کھل گیا تھا، اک زمانہ تمام ہوا تھا اور اک نیا زمانہ شروع ہو گیا تھا جس میں قدم رکھتے ہی اسے احساس ہو گیا تھا کہ وہ نخلستان سے نکل کر صحرا میں آ گئی ہے اور اب تپتی لو، جلتی ریت، بھوک اور پیاس اس کا مقدر ہے، وہ پریشان نہیں تھی، اس کے قدم مضبوط ہوئے تھے اور عزم پختہ، اسے صحرا کو گلستان بنانا تھا، ہر حالت میں اور ہر قیمت پر۔

☆☆☆

اسد اس کا کلاس فیلو تھا، یونی میں اس نے کبھی کسی لڑکے سے زیادہ بات چیت نہیں کی تھی، لیکن اسد احمد کی پرسنالٹی نے پہلی نظر میں ہی اسے بہت متاثر کیا تھا، کچھ عرصہ تو اس نے اپنے جذبات کو بمشکل قابو میں رکھا تھا پھر ایک دن دل کے ہاتھوں ہار مانتے ہی بنی۔

لائبریری میں ان دونوں کے سوا کوئی نہیں تھا اس نے اسد سے کسی کتاب کے متعلق پوچھا تھا اور پھر ادھر اُدھر کی باتیں کرتے نمبر بھی ایکس چینج کیا تو باقاعدہ رابطہ شروع ہو گیا اور وہ بہت اچھے دوست بن گئے لیکن یہ کیسے ممکن تھا جو جذبہ نوریا کی آنکھوں میں تھا وہ اسد کے دل میں نہ اترتا اور اس جذبے کا انکشاف ہی نوریا کے لئے

اتنا حسین تھا کہ اس نے اپنی تمام حیات اسد احمد کے نام کر دی۔

☆☆☆

''نوریا، یہ تو سراسر حماقت ہے، تم اچھی طرح جانتی ہو کہ پھپھو کی نظر ہمیشہ سے تم پر ہے اور وہ کئی بار اشارتاً اماں جانی کے سامنے کہہ بھی چکی ہیں اور پھر ہر تہوار یہ تمہارے لئے جو بطور خاص تحائف لاتی ہیں اس کا مطلب تو صاف ہے کہ وہ تمہیں بھتیجی کے علاوہ کچھ اور بھی سمجھتی ہیں اور دیکھو حد یہ ہے بھی ماشاءاللہ کتنا قابل۔'' یونی سے فارغ ہوتے ہی اس نے محسوس کیا تھا کہ اسے گھر والوں کو اسد کے متعلق بتا دینا چاہیے، پیشتر کہ کہیں اور بات بن جائے، اس نے عنبر کو سب کچھ بتا دیا مگر عنبر کا ردعمل خلاف توقع تھا، وہ جو سوچ رہی تھی کہ عنبر ہی اس کی وکالت کرے گی اور اماں جانی اور ابا جانی کو بھی قائل کر لے گی وہی اس کی مخالفت کر رہی تھی اور الٹا اسے قائل کر رہی تھی، لیکن وہ قائل ہونے والوں میں کب تھی وہ تو نوریا ضیاء تھی جس کی آج تک کوئی بات اس کے ابا جانی نے رد نہیں کی تھی ہر خواہش پوری کی تھی اسے پورا مان تھا کہ اب اس کی یہ خواہش بھی پوری ہوگی۔

اماں جانی نے اسے بہت سمجھایا ارسلان تو حق دق تھا، اسے یقین ہی نہیں ہو رہا تھا کہ اس کی گڑیا جیسی بہن اتنی بڑی ہو گئی ہے جو اتنے بڑے بڑے فیصلے تن تنہا کرنے لگی۔

ابا جانی کے لئے تو یہ بات کسی صدمے سے کم نہیں تھی، شاید یہ سب ان کی توقعات کے برعکس تھا، اور وہ خود یہ سوچ سوچ کر ہلکان ہو رہی تھی کہ اس کی پسند کی مہنگی سے مہنگی چیز دلانے والے اس کے اپنے اس کی ہر خواہش پوری کرنے والے، وہ سب اس کی اس خواہش کو پس پشت کیوں ڈالنا چاہتے ہیں۔

اس نے روٹھ کر رو کر سب کو احساس دلانا چاہا مگر بے سود، ابا جانی کا مٹھاس بھرا لہجہ اب غضب ڈھاتا تھا وہ ان کی گرج سے کانپ جاتی تھی مگر اپنے موقف سے پیچھے نہیں ہٹتی تھی۔

''میں اسد کو پسند کرتی ہوں، یہ آپ لوگ سوچ سکتے ہیں مگر حقیقت یہ ہے کہ میں اس سے محبت کرتی ہوں۔''

''محبت میں دھوکے نہیں ہوتے اماں جانی نہ فریب، میں باقی سب کو راضی رکھنے کے لئے اس کے ساتھ دھوکا نہیں کر سکتی نہ ہی وہ عہد توڑ سکتی ہوں جو میں نے اس کے ساتھ کیا ہے۔''

''زندگی میں پہلی بار اپنی گلابی گال پر تھپڑ سہا تھا اس نے۔'' یہ الگ بات کہ اس بات پر اماں جانی بعد میں کتنا پچھتائی تھیں۔

''نوریا وہ لڑکا جس کا اسٹیٹس فی الوقت محض ایک بے روزگار نوجوان ہے جو اپنی ماسٹرز کی ڈگری لئے روز کئی دفاتر کی خاک چھانتا پھر رہا ہے، سوسائٹی میں اس کی حیثیت بالکل صفر ہے، گلستان میں رہنے والے خار دار راستوں پر کبھی نہیں چل سکتے، سو تم اس کا خیال دل سے نکال دو اس کا، بھیک گراؤنڈ بھی بہت کمزور ہے اپنی ذمہ داریوں سے منہ چھپاتا کئی کئی ماہ تک وہ اپنے گاؤں نہیں جاتا، ایسے شخص سے تم کیا توقع لگا رہی ہو۔'' اماں جانی ہر طرح سمجھا چکی مگر اس کی ضد اپنی جگہ تھی۔

پھر سب ہار گئے اور وہ جیت گئی، دلہن بن کر اسد کے سنگ رخصت ہونے سے پہلے ابا جانی کی نحیف مگر سخت آواز اس کے ہوش اڑا گئی تھی۔

''آج سے اس گھر کے دروازے تم پر بند، اس گھر کے کسی فرد سے تمہارا اب کوئی تعلق نہیں ہے، تمہاری زندگی سہل ہے یا مشکل ہمیں اس

سے کوئی سروکار نہیں۔" وہ گرتے گرتے بچی تھی عنبر نے تھام کر گاڑی میں بٹھایا تھا اور پھر اس کے باپ کے گھر کا دروازہ اس پر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے بند ہو گیا تھا۔

"میں نے کچھ غلط نہیں کی۔"

"کسی اور کو دل میں بسا کر کسی اور کا گھر آباد کرنے جیسی بددیانتی نہیں کر سکی تو اس کے عوض مجھے سزا مل گئی، چلو یہ سزا قبول مجھے مگر بددیانتی کسی صورت قبول نہیں تھی۔" اس نے خود کو مطمئن کر لیا تھا۔

☆☆☆

پلاسٹک کا اک ڈبہ اس کے ہاتھ سے چھوٹا تھا اور وہ جست لگا کر ماضی سے حال میں آئی تھی آنکھوں میں اک طوفان برپا تھا، اس نے دوپٹے کے پلو سے چہرہ صاف کیا تھا اور خود کو نارمل فرش پر گرا ڈبہ اٹھا کر واپس کیبن میں رکھا تھا، تمام ڈبے خالی تھے دال تک نہیں تھی گھر میں نمک تھا نہ چینی نہ کوئی اور مصالحہ سب کچھ کئی دنوں سے ختم ہو گیا تھا۔

اکثر ایسا ہوتا تھا جب راشن ختم ہوتا تو کئی کئی دن تک اسد راشن نہ لا پاتا، وہ نوریا کے سامنے بے حد شرمندہ ہوتا، رنجیدہ ہوتا مگر وہ ہمیشہ اس کی ڈھارس بندھا دیتی مایوسیوں کے اندھے کنویں میں گرتے اپنے محبوب کو ہاتھ بڑھا کر تھام لیتی اور اسد کے دل میں اس کا مقام اور بڑھ جاتا، وہ اتنے ناز و نعم میں پلنے والی نوریا اب کئی کئی دن تک خشک روٹی کو پیاز کے ساتھ کھاتی اور گھنٹوں کا سفر بھی اسد کے ساتھ پیدل کر لیتی لیکن نہ تو اس کی محبت میں کمی آئی اور نہ اس کے قدم ڈگمگائے۔

نجانے کوئی سزا تھی، امتحان یا آزمائش، جو پوری ہونے میں نہ تھی اسد کو کسی پرائیوٹ ادارے میں اگر چھوٹی موٹی نوکری مل بھی جاتی تو دیرپا نہ ہوتی دو سالوں میں وہ کتنے دفاتر میں دھکے کھا چکا تھا لیکن خواری ہی خواری تھی وہ اپنے والدین کو شہر میں رکھنا چاہتا تھا مگر اس کے گھر میں تو کئی کئی دن فاقے رہتے تھے، گاؤں میں دوسرا بھائی کم از کم انہیں اچھا کھلا پلا تو رہا تھا اور وہ بھی اسد کے لئے دل سے دعائیں کرتے تھے۔

وہ کچن سے نکل کر باہر آ گئی، کیونکہ پکانے کو کچھ تھا ہی نہیں، وضو کیا اور مصلیٰ بچھا کر بیٹھ گئی، نجانے کس کی دعا قبول ہوئی تھی، اسد دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا تھا اور اس کے پاس آ کر بیٹھ گیا، نوریا نے دعا سے فارغ ہو کر محبت بھری نظر اپنے محبوب کے چہرے پر ڈالی تھی، جہاں آج غم مایوسی اور اداسی کا کوئی رنگ بھی نہیں تھا، اسد کے ہونٹوں پر مسکان تھی مگر آنکھیں بھیگی تھیں۔

"مجھے میری من پسند نوکری مل گئی ہے نوریا۔" اس نے نوریا کے ہاتھ پکڑ کر آہستہ سے کہا۔

"ت...... تم...... امتحان پاس کر گئے اسد؟" نوریا شادی مرگ کی کیفیت میں آ گئی۔

"میں نہیں...... تم...... تم امتحان پاس کر گئی نوریا، میری محبت میرا ساتھ تمہارے لئے کڑا امتحان بن گئی تھی نوریا، لیکن تم نے جس صبر اور شکر سے یہ امتحان پاس کیا ہے مجھے لگتا ہے یہ اسی کا انعام ہے۔" اس نے خاکی لفافے میں محکمے سے ملنے والے نوکری کے آرڈر اس کے سامنے کیے۔

بیک وقت دونوں کی آنکھوں سے موتی گرے اور وہ دونوں سجدہ شکر ادا کرنے لگے کہ پریشانیوں کے بادل چھٹ گئے تھے اور اب خوشیاں ان کی ہمقدم تھیں اس لئے اب ان کی ہر راہ سہل نظر آ رہی تھی۔

☆☆☆

کہاں دعا

قرۃ العین سکندر

ناولٹ

صبح کی اولین کرنوں نے دھرتی پر اپنے قدم جمانے شروع کر دیئے تھے، فیروز آباد کے اس قدیم ترین محلے کے خستہ حال مکانات میں زندگی کی رمق عود کر آئی تھی، صبح نور تڑکے کام کے لئے روانہ ہونے والے مزدور، خواتین کا صبح سویرے اپنے شوہر حضرات کے لئے پیٹ پوجا کا انتظام کرنے کے لئے کچن کا رخ کرنا اور کچھ نوزائیدہ بچوں کی رونے کی صدائیں، ٹریفک کا اژدھام اور اس ٹریفک میں موٹر سائیکل کی گڑگڑاہٹ، کریانہ سٹور کے سامنے ہی اندر کی اشیاء بوتلوں کے بڑے کین اٹھا اٹھا کر باہر سجاوٹ کی جا رہی تھی، اس طرح پاس روٹیاں لینے کی صدا کباڑیا سے بلند ہوئی تھی، الغرض زندگی عروج پر تھی، ایک نئی صبح نے اپنے پر کھول دیئے تھے اور تمام انسان اس نئی صبح کو ایک نئے عزم سے جینے کی تگ و دو میں مصروف عمل تھے، اس گلی کے نکڑ پر موجود مولوی کرامت علی صاحب کا بھی آشیانہ تھا، مکان خستہ حال تھا اور بے حد بوسیدہ دیواریں رنگ و روغن سے دور اپنی سفید پوشی کا بھرم تک رکھنے میں ناکام ٹھہریں تھیں، لکڑی کا دروازہ جو پرانے وقتوں کی دین تھا اور دروازے کے باہر ہی مٹیالے رنگ کا بوسیدہ حال پردہ لٹک رہا تھا جو ماہ و سال کے تھپیڑے سہتے سہتے ہوئے بھی اپنی خستہ خالی پر ماتم کناں تھا، بارش کے بعد وہ جا بجا ملگجا اور کسی جگہ سے پھٹنے کے عین قریب تھا، مگر گزارہ تو کرنا تھا، سو چل سو چل کا وہی دور تھا، مولوی صاحب کے تین بچے تھے، بڑا بیٹا تھا عدنان، اس کے بعد منجھلی بیٹی ساجدہ اور چھوٹی بیٹی عابدہ تھی، مولوی صاحب اہل محلّہ کو اپنی وعظ و نصیحت سے راہ راست پر لانے کے لئے کوشاں اور سرگرداں رہا کرتے تھے، ان کو سب سے زیادہ اعتراض حال ہی میں

یہاں اس گلی میں دوسرے نمبر والے مکان میں شفٹ کر جانے والی فیملی پر تھا، رستم نامی وہ لڑکا جس نے ان کی گلی کے نکڑ پر ان کے گھر کے عین سامنے بنی ہوئی دکان کو کرائے پر لے رکھا تھا اور وہاں پان شاپ ان کا منہ چڑا رہی تھی، رات گئے وہاں لوفر لفنگے لڑکے کھڑے سگریٹ کے کش لگاتے اور کبھی کبھی پان کھاتے گانے کے بولوں کو برملا اونچی آواز میں گاتے ہوئے ٹھرک نما انسان معلوم ہوتے تھے، وہ بچیوں والے تھے اور اپنی بیٹیوں کی عزت وحمیت کے پاس دار بھی تھے، اس طرح کی حرکات ان کے لئے سخت تضحیک اور اذیت کا سبب بن رہی تھیں۔

اسی وقت دروازے پر دستک ہوئی تھی، مولوی کرامت صاحب نے بڑھ کر دروازہ کھولا تھا، سامنے ہی محلے کے معتبر نامی گرامی ہستی حامد صاحب کھڑے تھے، حامد صاحب چندہ جات میں مولوی صاحب کی خاصی مدد کر دیا کرتے تھے، اس لئے مولوی صاحب کے ان سے خاصے اچھے اور قریبی تعلقات تھے۔

''ارے تشریف لایئے، بیٹھک کا دروازہ کھلواتا ہوں۔''

شوہر کا اشارہ پاتے ہی رخسانہ بیگم نے صحن میں پانی کا جھڑکاؤ کرتے ہوئے بچیوں کو اشارہ کیا تھا، وہ جھٹ پٹ کچن کا رخ کر چکی تھیں، خود رخسانہ بیگم نے بھی سر پہ مزید چادر سرکا کر اندر کمرے کا رخ کر لیا تھا۔

کرامت صاحب تو چند روز سے اندر ہی اندر ابل رہے تھے، گویا دوست کو دیکھ کر اپنے دل کی بھڑاس نکالنے کا ایک موقع مل گیا تھا۔

''توبہ خدایا یہ حیا سوز نظارے یہ چلن پر چلتر، کہاں گیا اسلام؟ اب اگر ان نوجوانوں کو دو الفاظ نصیحت کے کہہ دیں تو الٹا مجھے ہی متعصب اور کینہ پرور قرار دے دیتے ہیں، دقیانوسی اور فرسودہ قرار دیتے ہیں۔'' وہ شروع ہو چکے تھے۔

''ارے امام صاحب خیر تو ہے آج صبح ہی صبح کس کس پر اپنا غصہ نکال رہے ہیں کچھ ہمیں بھی تو خبر ہو کہ ماجرا کیا ہے۔'' حامد صاحب نے اچنبھے سے پوچھا تھا۔

''بھائی صاحب کیا بتائیں جب سے محلے میں یہ نئی فیملی آ کر آباد ہوئی ہے، خرافات سے اہل محلہ کو مزید گمراہی میں مبتلا کر رہی ہے، سر شام ہی واہیات گیت اونچے ڈیک پر لگا دیئے جاتے ہیں پھر یہی کیا کم ہے کہ بانکے سجیلے لڑکے ان دھنوں پر رقص و سرور کرتے پان کھاتے وہیں ہنس ٹھٹھہ مخول کرتے رہتے ہیں۔'' انہوں نے اپنے جلے دل کے پھپھولے پھوڑنا ضروری خیال کیا تھا۔

''ارے امام صاحب یہ تو دنیا کا چلن ہے، ہر جگہ ہر طرح کے لوگ موجود ہوا کرتے ہیں، آپ اپنا کام جاری رکھیں اور دل میلا نہ کریں۔'' حامد صاحب کو شاید جانے کی جلدی تھی، وہ تو محض چندہ کی بابت بات کرنے کی نیت سے آئے بیٹھے تھے، مگر یہاں تو مولوی صاحب لمبا قصہ کھینچ بیٹھے تھے، پھر ایک سچ تو یہ تھا کہ حامد صاحب بھی دین کو بس ضرورت کی حد تک ہی اختیار کر چکے تھے، کون ہر فرمان پر من وعن عمل پیرا ہوا کرتا ہے، پر ان کا اپنا نظریہ تھا۔

''بھائی صاحب کہہ چکے ان سے، ابھی کل کی ہی بات لے لی، کل عین نماز مغرب کے وقت ڈیک پر کسی لڑکی کا بے ہودہ گانا چل رہا تھا، میں جب مسجد کے لئے گھر سے نکلا تو میں نے اس لڑکے رستم کو پکارا، پہلے تو اس دھوم دھڑلے میں میری صدا اس تک پہنچی ہی نہیں، مگر جب پہنچی تو پھر وہ سٹپٹا کر معذرت چچا کہتا ہوا ڈیک بند کر چکا

تھا، مگر برا ہو اس کے ساتھ بیٹھے لڑکے کا کہنے لگا۔"

"کیا لطف آ رہا تھا، مزہ کرکرا کر دیا بڈھے نے۔"

"لو بھلا بتائیں، کیا یہ نفسانی خواہشات کی بے جا طرف داری نہیں۔" مولوی صاحب کا غصیلا ہٹیلا انداز دیکھ کر حامد صاحب نے ٹھنڈی سانس بھری تھی ہاتھ پر گھڑی بندھی دیکھی تھی اور قدرے ٹھہرے لہجے میں بولے تھے۔

"یہ رقم سنبھال لیں اماناً۔" انہوں نے جیب سے ہزار ہزار کا ایک بنڈل نکال کر مولوی صاحب کے سامنے کر دیا تھا، مولوی صاحب نے اس کو احتراماً عقیدتاً تھام لیا تھا۔

"موصوف بیٹھیں تو چائے آ رہی ہے۔" مولوی صاحب بضد تھے۔

"جی اب چلتا ہوں، دیر ہو رہی ہے، پھر کسی وقت حاضر ہو جاؤں گا اور کچھ کہنا تھا مجھے۔" اس بار حامد صاحب کچھ پر سوچ انداز میں اس وقت مولوی صاحب کے چہرے پر ہی نظر جمائے ہوئے تھے۔

"جی جی کہیے، میں تو ہمہ تن گوش گزار ہوں، واللہ سچ کہتا ہوں گرما گرم ناشتہ اور چائے پی لیتے تو میرا جی خوش ہو جاتا، کیسا تکلف برت رہے ہیں۔" حامد صاحب ہولے سے مسکرا دیے تھے، جانتے تھے کہ مولوی صاحب کے اپنے گھرانے کی گزر بسر کس قدر کسمپرسی میں ہو رہی ہے، فاقوں تک کی نوبت آ جاتی ہے، وہ تو جہاں چاہتے کھا پی لیتے، گھر سے چائے تو پی ہی چکے تھے، بس کسی ڈھابے پر ناشتہ حلوہ پوری کر لیتے مگر یہاں ایک بندے کا ناشتہ گویا دو اہل خانہ کے حصے کا نگل جانا، وہ سب جانتے تھے، بخوبی آگاہی رکھتے تھے، جانتے تھے مولوی صاحب کبھی اپنے منہ سے اپنے خراب حالات کا تذکرہ نہیں کریں گے، ان کے لبوں پر فقط اللہ تعالیٰ کے شکر کا کلمہ ہی ہو گا، کیونکہ ان کے لب سے کبھی ناشکری اور اللہ کے حکم عدولی کرتا ہوا کوئی لفظ بھی نہ نکلتا تھا، بس راضی خوشی رہنے والے انسان تھے۔

"مولوی صاحب وہ لڑکا چھڑا چھانٹ ہے، اس کے آگے پیچھے والدین کا آسرا نہیں ہے، ایک بڑی بہن ہے، وہ بھی بیاہی ہے، اس لئے اب لے دے کر اس نے اپنا یہ نیا کاروبار شروع کیا ہے، نام اس کا رستم ہے اور پھر دل کا برا نہیں ہے، مجھے لگتا ہے کہ آپ کی خصوصی شفقت کی اسے زیادہ ضرورت ہے، پھر ایسے بچے ہی تو راہ راست کے طلب گار ہوا کرتے ہیں اور اب آپ بے فکر رہیں، آپ کے لئے خطرہ نہیں بنے گا اور یہ لیں، یہ رقم آپ کے لئے ہے، اسے چندہ جات کا حصہ مت شمار کیجئے گا۔" حامد صاحب نے پانچ ہزار کا کڑک نوٹ الگ سے ان کی ہتھیلی پر رکھا تھا۔

"ارے اس کی ضرورت نہیں ہے، اللہ کا دیا سب کچھ ہی ہے۔" خفت زدہ سا لہجہ جو کسی بھی شریف النفس انسان کا ہو سکتا ہے۔

"پریشانی کی بات نہیں ہے یہ کوئی قرض تھوڑی ہی ہے، بھول جائیں۔" انہوں نے مولوی صاحب کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر گویا تسلی آمیز انداز میں اس کا دباؤ بڑھا دیا تھا، وہ بھونچکے کھڑے تھے۔

پھر حامد صاحب مصافحہ کر کے اٹھ کھڑے ہوئے تھے، مگر دو قدم دروازے کی سمت بڑھتے بڑھتے رک سے گئے تھے اور پھر انہوں نے پلٹ کر دزدیدہ نگاہوں سے مولوی صاحب کو دیکھا تھا اور ہموار لہجہ میں بولے تھے۔

''مولوی صاحب چندہ جات کا ایک خطیر حصہ اس نوجوان رستم نے دیا ہے، مگر اس شرط پر کس کو اس کی اس نیکی کی بھنک بھی نہ ملنے پائے، سب لوگ ایک سے نہیں ہوا کرتے ہیں، آپ بھی وسیع القلبی کا مظاہرہ کریں، اسے خصوصی شفقت کی ضرورت ہے۔'' حامد صاحب انہیں الجھن آمیز انداز میں کھڑا چھوڑ کر باہر کو چل دیئے تھے، وہ تحیر آمیز انداز میں مٹیالے پردے کو ہلتا ہوا دیکھ رہے تھے، گویا کہ جو کچھ حامد صاحب نے کہا تھا، وہ ان کا وہم نہیں تھا، بلکہ بالکل سچ ہی تھا، وہ کچھ عجیب سی اندرونی جذبات لئے بیٹھے تھے، جب رخسانہ بیگم آ گئی تھیں، انہوں نے راشن کے لئے رقم دی تو دونوں ہاتھ اٹھا اٹھا کر انہوں نے جھولی بھر بھر کر دعائیں دی تھیں، یہ ساری دعائیں رستم کے لئے تھیں۔

☆☆☆

وہ جون کی ایک چلچلاتی ہوئی دوپہر تھی، کالج وین سے تمام لڑکیاں اپنے اپنے گھر روانہ ہو جایا کرتی تھیں، مگر عابی کو ایسی کوئی سہولت بھی درکار نہ تھی، وہ اس وقت پسینے سے شرابور کالج کے مین گیٹ سے گزر کر مین روڈ پر آ کر کھڑی ہو گئی تھی، اس وقت وہ شدید پیاسی تھی، اس کے گلے میں پیاس کی شدت سے کانٹے سے گویا اگ آئے تھے۔

''یا اللہ، کوئی بس بھی دکھائی نہیں دے رہی ہے۔'' عابی نے مسمی صورت بنا کر مین روڈ پر ٹریفک کو دیکھا تھا، رکشے چل رہے تھے، گاڑیاں رواں دواں تھیں مگر اس کی مطلوبہ بس ابھی تک نہیں آئی تھی، وہ کچھ ہراساں سی تھی۔

''کاش ہم بھی امیر ہوتے، وہ میمونہ کی بچی کتنی شو آف کرتی ہے اور میرے لباس پر بھی تنقید کرتی رہتی ہے، کب تک یہ یونیفارم چلاؤ گی کہو تو میں لے دوں۔'' اس کی آنکھ نم سی ہو چلی تھی، تضحیک آمیز اس کا رویہ اس کی نگاہوں میں گھوم گیا تھا۔

میمونہ کہنے کو تو اس کی دیرینہ دوست تھی، یہ دوستی صرف کالج تک ہی محدود تھی، ورنہ وہ تو کسی امیر کبیر گھرانے کی پروردہ تھی، جبکہ وہ اس کے برعکس ایک انتہائی نچلے طبقے سے تعلق رکھتی تھی، جہاں سانس تک لینے کا شاید کرایہ لینا جائز قرار دیا جا سکتا تھا۔

اس نے اپنی چادر کو مزید سر پر جما کر اطراف میں دیکھا تھا، تبھی اسی کو ایک میرون شرٹ میں بلیک پینٹ میں ملبوس وہ پر وجیہہ نوجوان دکھائی دیا تھا، جو اس کی جانب ہی دیکھ رہا تھا، ہولے ہولے بائیک لہراتا اس کے عین پاس آ کر رک گیا تھا۔

''آئیں میں آپ کو گھر تک چھوڑ دیتا ہوں۔'' اس نوجوان نے قدرے مہذب انداز میں اسے آفر کی تھی، گرمی اور طوفان بدتمیزی مچاتے ہوئے سورج کو دیکھ کر تو تقاضا یہی تھا کہ وہ چپ چاپ مان جاتی، مگر وہ مولوی کرامت کی بیٹی تھی، جس کی تربیت پر مولوی صاحب نے سالوں صرف کیے تھے اور جہاں کوئی کمی رہ جاتی تھی تو عابدہ کی امی یعنی رخسانہ پوری کر دیتی تھیں۔

''جی مجھے آپ کی مدد نہیں چاہیے۔'' عابدہ نے نفی میں سر ہلا کر اپنے دوپٹے سے چہرے پر آئے ہوئے پسینے کے ننھے ننھے قطروں کو خشک کرنا چاہا تھا، نجانے کیوں عابی کو لگ رہا تھا کہ اس نے اس شخص کو پہلے بھی کہیں دیکھا ہے، مگر اسے یاد نہیں آ رہا تھا۔

''میری بات مانیں میں دیکھ رہا ہوں کہ آپ پچھلے آدھے گھنٹے سے یونہی کھڑی ہیں، میں

صرف آپ کی پریشانی دور کرنا چاہتا ہوں۔'' وہ ٹھوس مضبوط لہجہ میں بولا تھا۔

''اور کیا ملے گا آپ کو میری پریشانی دور کرکے؟ آپ ہوتے کون ہیں؟'' وہ غصیلے انداز میں بولی تھی، بہ ظاہر غصہ کرتی اندر سے بری طرح سے ہراساں تھی، یہاں اسٹاپ پر اکا دکا جو لوگ تھے، وہ بھی اپنے مطلوبہ پوائنٹ میں بیٹھ کر جا چکے تھے، وہ اس وقت دونوں اس جھلساتی گرمی میں اکیلے ہی تھے، اس کے اندر شدید اضطراب اور گھبراہٹ در آئی تھی، اس نے سچے دل سے اللہ کو پکارا تھا، اسے اس پروجیہہ اور مضطرب آنکھوں والے اس اجنبی سے سخت خوف سا محسوس ہونے لگ گیا تھا، وہ الجھن آمیز انداز سے اس کی طرف متوجہ تھا۔

''آپ نے شاید مجھے پہچانا نہیں میں آپ کو بہت اچھی طرح سے جانتا ہوں میں......'' ابھی وہ لڑکا نجانے کیا کیا تاویلیں پیش کرنے والا تھا کہ اچانک ہی اس کی مطلوبہ بس آ گئی تھی، اس میں جگہ بالکل بھی نہیں تھی، مگر اس نے کھڑے ہو کر جانا بہتر سمجھا تھا، کجا یہ کہ وہ اس لڑکے کے ساتھ سوار ہو جاتی، وہ جب ہانپتی کانپتی گھر پہنچی تو اسے گھر میں معمول سے ہٹ کر چہل پہل محسوس ہوئی تھی، گھر میں سجاوٹ سی محسوس ہوتی تھی، ساتھ والے گھر سے نئی کرسیاں منگوا کر بیٹھک میں سجا دی گئی تھیں پردے بھی غالباً مستعار لئے گئے تھے اور کچن سے بھی اشتہا انگیز خوشبو بتا رہی تھی کہ آج کچھ خاص ہوا ہے، یا کچھ الگ سی بات ہے، روزانہ تو ایسا نہیں ہوا کرتا تھا۔

اس نے کمرے میں جا کر اپنا بیگ رکھا تھا اور سیدھا واش روم میں فریش ہونے کے لئے گھس گئی تھی، منہ پہ مسلسل ٹھنڈے پانی کے چھینٹے مارتے اسے اس شخص کا چہرہ خوبصورت کی صورت آنکھوں کے سامنے لہراتا رہا تھا۔

''نجانے کون تھا؟'' وہ سوچ کر رہ گئی۔

وہ لباس تبدیل کر کے باہر نکلی تو اسے ساجدہ نک سک سے تیار کھڑی دکھائی دی تھی۔

''اوہ'' وہ قدرے معاملہ فہمی سے ہونٹ سکیڑ کر بولی۔

خوبصورت خدوخال تو خدا کی دین تھے ہی، اس وقت ذرا توجہ سے کھل سے گئے تھے، اس معاملے میں اللہ تعالیٰ نے خاص کرم کر رکھا تھا، دونوں بہنوں کو ہی خدا تعالیٰ نے صناعی کا انمول پیکر بنایا تھا، وہ دونوں ہی بے حد حسین اور خوبصورت نین نقش کی مالک تھیں، چہرے پر قدرتی بھولپن تھا، ساجدہ کے کئی رشتے آئے تھے، مگر ہر بار انکار محض غربت کی وجہ سے ہوتا تھا، آج سے پہلے تو کبھی ایسا بھی نہ ہوا تھا کہ اماں نے کسی گھر سے ایک پیار بھی مانگی ہو اور آج گھر کی سجاوٹ کے لئے یہ سب آرائش وزیبائش اس کی سمجھ سے بالاتر تھا۔

''تیرے ابا جان، تبلیغی دورے پر گئے ہیں، محلے کی آپا نے ایک رشتہ بتایا ہے، پھر سارے مشورے انہوں نے دیئے، کیا ہرج ہے کہ گھر میں ادھار کی لے کچھ سامان لے لیا جائے، میں قسطوں میں ادائیگی کر دوں گی، پھر جھوٹ بھی نہیں ہوگا۔'' اماں نجانے کسے صفائی پیش کر رہی تھیں۔

''اماں آپ نے درست کیا ہے، ساجدہ آپی کی عمر تو اتنی نہیں ہے، مگر اب ان کی شادی کر دینی چاہیے، آپ بہتر سمجھتی ہیں۔'' عابدہ کو گھر میں سیانی سمجھا جاتا تھا، اس کی دو وجوہات تھیں اول تو یہ کہ بڑا بیٹا اکرام پڑھا لکھا تھا ہی نہیں اور اس لئے وہ اچھی کمائی نہیں کر پاتا تھا، دوسری بیٹی ساجدہ نے رو دھو کر میٹرک کیا تھا اور آخری عابدہ

تھی، جس نے کالج میں داخلہ لیا تھا، اس کو پڑھنے لکھنے کا جنون کی حد تک شوق تھا اور اسی طرح قابلیت کے بل بوتے پر اس کی غربت کا پیوند بھی چھپ جاتا تھا، یہ عیب بھی اس کے ہنر کے سامنے پھیکا پڑ جاتا تھا، وہ دل اور لگن سے ہر سال اعلیٰ ترین نمبرون اور کامیابی سے آگے کی سیڑھی چڑھتی چلی جا رہی تھی، کچھ ایسے موقع ساجدہ کی وجہ سے بھی مل گیا تھا، کیونکہ ابھی تک ساجدہ کا کس جگہ بھی رشتہ طے نہیں ہوا تھا، اگر ساجدہ بیاہی جاتی تو یقیناً وہ گھر بٹھا دی جاتی تھی ابا تو اس کے یوں پڑھنے لکھنے کے حق میں تھے ہی نہیں، انہوں نے تو ہر ممکن کوشش کی تھی کہ وہ آگے نہ پڑھے، مگر اس بار اماں آڑے آ گئی تھیں۔

”کسی ایک کو تو پڑھنے لکھنے دیں، ہمارے بچوں میں سے کوئی تو ایسا ہو جو ہمارا نام روشن کرے۔“ اماں کا فیصلہ حتمی تھا، ابا جان ہنکارا بھر کر بولے تو فقط اتنا۔

”ایسا نہ ہو نام روشن کرتے کرتے ہمارا نام ہی ڈبو دے، تم ذمہ داری لیتی ہو تو ٹھیک ہے۔“

اس کے بعد اس کی پڑھائی کا سفر جاری و ساری تھا، اس نے بھی ہر ممکن جتن کر کے ہر سال اعلیٰ سے اعلیٰ نمبر لے کر اپنا آپ دار دیا تھا۔

”اماں کون لوگ ہیں؟“ اس بار وہ بھی دلچسپی لینے پر مجبور تھی، پھر اماں نے اسے تفصیلات بتائی تھیں، اسی اثناء پر دروازے پر ہونے والی دستک نے آگاہی دی تھی کہ مہمان آ چکے ہیں، اماں نے اس رقم سے خاصا اہتمام کر لیا تھا، کیک، نمکو، سموسے، چائے، ان کے نزدیک تو یہی مرغن و مسلم تھا، جس قدر سادگی سے وہ لوگ زندگی کی گاڑی کھینچتے تھے، اس میں بس دو وقت کی عزت سے دال روٹی تھی پوری کی جا سکتی تھی، عیاشی کی تو گنجائش ہی نہیں نکلتی تھی۔

معمر خاتون اور ساتھ میں دو لڑکیاں، سب سے عجیب صورتحال یہ تھی کہ لڑکا بھی ساتھ ہی تھا، ان دونوں بہنوں نے ڈیوڑھی کے عقب میں نکلتی جالی سے جھانکا تھا، پھر وہ مہمان مہمان خانے میں بیٹھ چکے تو ساجدہ سارا سامان ٹرے میں سجا کر بیٹھک میں لے گئی تھی۔

معمر خاتون اور ان کے ساتھ دونوں ینگ لڑکیاں ان کی طرح ہی کس متوسط گھرانے سے تعلق رکھتی تھیں، مگر بہر حال ان کا لباس اس بات کا اشارہ کرتا تھا کہ وہ بہر حال اچھے حالوں میں تھے۔

”یہ میرا بیٹا ہے الیاس، پہلے تو میں نے سوچا کہ ہم دونوں ہی آ جاتے ہیں، میرا ارادہ تھا کہ الیاس کو بھی آپ دیکھ بھال لیں، ہم بھی آپ کے طرح شریف لوگ ہیں، عظمیٰ بہن نے آپ کی بیٹی کی آپ کی شرافت اور گھرانے کی اتنی تعریف کی کہ ہم نے تو دیکھے بنا ہی ہاں کر دی تھی، اس لئے الیاس کو ساتھ لائی ہوں، آپ دیکھ بھال لیں تو آج کے آج ہی رشتہ پکا کر دیتے ہیں۔“ وہ بے حد خوشگوار لب و لہجہ میں بول رہی تھیں۔

جالی کی اوٹ میں دیکھتی ہوئی ساجدہ اور عابدہ کے دلوں میں خوشی کی لہر دوڑ گئی تھی، عابی نے ساجدہ کے بازو میں چٹکی بھر کے اسے گویا چھیڑا تھا اور عابی کی اس حرکت پر ساجدہ کے گال گلنار ہو چلے تھے۔

”جی وہ سب تو ٹھیک ہے مگر۔“ رخسانہ بیگم نے زیست کے ماہ و سال اپنے شوہر کے سامنے ہی فیصلے کرتے گزارے تھے، اب اچانک سے اپنی بیٹی کو ایک نامحرم کے سامنے کرنے سے گھبرا رہی تھیں، پھر اس صورت کہ گھر میں شوہر بھی نہ تھے۔

‘‘جی آج بات پکی شاید نہ ہو سکے، مگر میں راضی ہوں، دراصل ان کے ابا تبلیغی دورے پر نکلے ہوئے ہیں آپ تو جانتی ہیں کہ فیصلے گھر کے مرد ہی لیتے ہیں۔’’ رخسانہ بیگم نے وضاحتی انداز بنایا تھا، انہوں نے الیاس کو نظر بھر کے دیکھا تھا، قدرے فربہی مائل سا لڑکا تھا سر کے بال کچھ کم سے تھے مگر خوش شکل اور خوش مزاج تھا پھر ان کو بھی شریف اور عزت دار گھرانے میں ہی اپنی بہو بیاہنی تھی سو ان کے دل میں قدرے اطمینان سا تھا، لڑکیاں خاموش تھیں، صرف والدہ ہی بول رہی تھیں۔

‘‘یہ میری بچیاں ہیں، بڑی کی شادی کو سال بھر ہوا ہے اور چھوٹی بیاہ کر جائے گی تو آپ کی بچی بیاہ کر گھر آئے گی۔’’ معمر خاتون نے مسکرا کر کہا تھا۔

‘‘ذرا بچی کو تو بلائیں۔’’ ساجدہ تو پہلے ہی والدہ کی آواز کی منتظر کھڑی تھی، ٹرے سامنے ٹیبل پر رکھے آواز کی ہی منتظر تھی، جیسے ہی رخسانہ نے آواز لگائی وہ سبک روی سے ٹرے اٹھائے بیٹھک میں آ گئی تھی، اکرام اسے آتا دیکھ کر اپنی جگہ سے احتراماً اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

ساجدہ کو یہ بات بے حد بھائی تھی اور یہی بات باہر نظر میں ٹکائے عابی کو بھی اچھی لگی تھی، زندگی بھر کا سفر طے کرنے والے ہم سفر کو کم از کم عورت کی توقیر کا تو عادی ہونا ہی چاہیے۔

‘‘آؤ بیٹی ادھر بیٹھو۔’’ معمر خاتون نے محبت سے اس کا ہاتھ تھام لیا تھا اور اس طرح ہی چھوٹے چھوٹے سوال کرنے لگی تھیں، اکرام یک نیک لڑکا تھا، تبھی اس نے بس دو بار ہی ساجدہ کو دیکھا تھا اور پھر نظر جھکا لی تھی، مگر اس کے چہرے کی روشنی بتاتی تھی کہ اسے وہ لڑکی بے حد اچھی لگی تھی، دھیمے دھیمے انداز میں بولنے والی سبک روی سے چلنے والی وہ لڑکی اچھی لگی ہے۔

اس معمر خاتون کو اپنی ہونے والی یہ بہو اس قدر بھا گئی تھی کہ اس کے گال میں چٹکی بھری تھی۔

‘‘جاؤ بیٹا۔’’ اچانک گہری سانس بھر کر اس کے سر پر دست شفقت رکھتے ہوئے وہ معمر خاتون بولی تھیں۔

ساجدہ نے گزرتے گزرتے ذرا کی ذرا نظر اٹھا کر اکرام کو دیکھا تھا، جو اس وقت پر اشتیاق نگاہیں گاڑے اسے ہی جاتے دیکھ رہا تھا، نگاہوں کا خوبصورت تصادم ہوا تھا اور دل میں اٹک سا گیا تھا، جو محبت کا احساس دلا گیا تھا۔

ساجدہ جب باہر نکلی تو عابدہ نے اسے گلے سے لگا لیا تھا۔

‘‘ہائے آپی میں اتنا خوش ہوں آپ کے لئے سچ کیا بتاؤں۔’’ وہ دونوں بہنوں گلے سے لگ کر بولی تھیں، پرجوش سی عابی تھی، ساجدہ کے گال بھی خوش تمتما رہے تھے، پھر وہ لوگ اپنی دانست میں ہاں کر کے مٹھائی دے کر ہی گئے تھے اور اپنے گھر بھی مدعو کر گئے تھے، ایک جانب سے رشتہ پکا تھا، ابا کا انتظار تھا بس۔

☆☆☆

آج وہ بے تحاشا خوش تھا، اتنا خوش کہ اس کا جی چاہتا تھا کہ اپنی اس خوش کو ہر راہ چلتے سے بانٹ لے، آج اللہ تعالیٰ نے اس کی بڑی بہن کو بیٹے سے نوازا تھا، وہ ماموں بن گیا تھا، ابھی وہ بہن سے ملنے گیا تھا۔

‘‘کاش اماں زندہ ہوتیں تو میں آپ کو گھر لے آتا۔’’ رستم کا لہجہ اداس سا ہو گیا تھا۔

‘‘بھیا اداس نہ ہو، خوشی کے موقع اداسی کی بات نہیں کرتے، پگلا نہ ہو تو۔’’

رستم اس وقت اہسپتال کے ایک پرائیوٹ روم میں موجود تھا، جہاں اس کی آپا اس وقت بیڈ

پر نیم دراز تھی اور ساتھ ہی کاٹ میں ایک نومولود بچہ گہری نیند میں گم تھا، مگر رستم نے اس کا ننھا منھا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے رکھا تھا، اس کے ہاتھ کا یہ ننھا سا لمس اس وقت اسے اندر تک سرشار کر رہا تھا، یہ اس کا اپنا خون تھا، اس دنیا میں وہ دونوں بہن بھائی ہی واحد رشتہ تھے، اب اس میں ایک اور ننھے منے فرد کا اضافہ ہو گیا تھا۔

''آپ ٹھیک کہتی ہیں، مگر اس طرح خوشی کے رنگوں میں ہی کسی اپنے کے رنگ کی کمی زندگی میں ایک عجیب سی آزردگی اور اس گھول دیتی ہے، کیا آپ اماں کو ابا کو یاد کر کے اداس نہیں سچ کہنا آپا۔'' وہ کچھ افسردگی سے بولا تھا۔

''بس بھیا جو قسمت کا لکھا، اب تم ایسا کرو نا، اپنے گھر میں بھی ایک دلہن لے آؤ، بلکہ مجھے اجازت دو ایک سے ایک بڑھ کر خوبصورت لڑکی میری نگاہ میں ہے، تم بس ہاں کرو، تو بات آگے بڑھاتی ہوں، پھر میں آیا کروں گی اور خوب دھڑلے سے تمہاری بیوی سے فرمائشی پکوان پکوایا کروں گی۔'' وہ شرما سا گیا تھا، ایک خوبصورت سی شہ اس کے دل کو گدگدا سی گئی تھی، وہ لڑکی تو اس نے نجانے کب سے ڈھونڈی تھی، مگر اس کی ریل گاڑی آگے بڑھ ہی نہیں رہی تھی، اس نے سر کھجا کر گویا اس موضوع سے پہلو تہی چاہی تھی اور اس کی مسکان بتا رہی تھی کہ وہ کچھ سوچ رہا ہے۔

''کون ہے؟'' آپا نے مسکرا کر استفسار کیا تھا۔

''ہے آپا، وقت آنے پر بتاؤں گا، فی الحال تو مجھے بھی کچھ علم نہیں ہے، کہ اس کے دل میں کیا ہے۔''

''کوئی اتا پتا ہی بتا دو۔'' آپا بضد تھیں۔

''کچھ وقت دیں آپا، میں بتا دوں گا۔'' وہ ہنس دیا تھا۔

''آپ نے تو ہتھیلی پر سرسوں ہی جما دی تھی، اب چلتا ہوں۔'' رستم نے بچے کا ماتھا جھک کر چوم لیا تھا۔

''سنو، مٹھائی کا ایک ڈبہ ان کے گھر دے آؤ، اسی طرح جان پہچان بڑھتی ہے۔'' آپا نے اپنی دانست میں مشورے سے نوازا تھا۔

مشورہ واقعی اچھا لگا تھا اسے، اسی لئے واپسی کی راہ پر گامزن ہوتے اس نے مٹھائی کی دکان پر اپنی بائیک روک دی تھی، پھر اس نے مٹھائی پیک کروائی تھی اور سیدھا گھر کی راہ لی تھی، وہ گھر کے عین سامنے ہی تو رہتی تھی، کون سا دوری پر تھی، اس نے بائیک کے شیشے میں اپنا عکس دیکھا تھا۔

معمول کے مطابق وہ اچھا ہی لگ رہا تھا، اس نے بائیک روکی تھی اور دروازے پر دستک دی تھی، اس کے دل کی دھڑکن معمول سے کچھ بڑھ گئی تھی۔

''کون ہے؟'' اندر سے زنانہ آواز سنائی دی تھی، مترنم سا لہجہ، اسے پہچاننے میں ذرا سی دیر بھی نہ لگی تھی کہ وہ یہ لڑکی ہے، جس کے لئے وہ اتنی شدت سے دل میں تڑپ محسوس کرتا تھا، جس کی اک نظر کے لئے وہ تپتی دوپہروں میں کالج کے گیٹ کے باہر کھڑا رہتا تھا، مگر وہ تو اسے دیکھتی تک نہ تھی، اپنی ہی رو میں سکھیوں سے بولتی ہوئی سیدھا گھر کی راہ لیتی تھی، اس دن جب اس نے اسے روک کر بائیک پر بیٹھنے کی آفر کی تھی، اس دن بھی عالی کی نگاہوں میں پنپتی ہوئی اجنبیت واضح ثبوت تھا کہ وہ اس سے ناواقف ہی ہے۔

''جی میں، یہ مٹھائی لے لیں۔'' اندر سے کچھ دیر کے لئے خاموشی چھا گئی تھی، گویا اس کے متعلق فیصلہ کیا جا رہا تھا کہ اسے اندر بلانا ہے کہ

نہیں، اس وقت رخسانہ بیگم نے دروازہ کھول کر اسے اندر کی جانب اشارہ کیا تھا، وہ مسکرا کر ادب سے گھر کی دہلیز پار کر گیا تھا۔

''آؤ بیٹا، کیا اس گرمی میں باہر ہی کھڑے رہو گے، آؤ بیٹا۔'' وہ حوصلے سے اندر آ گیا تھا، اس نے ادب سے ماتھے تک لے جا کر سلام کیا تھا، اور اس کے بعد مٹھائی کا بڑا سا ڈبہ اس خاتون کو تھما دیا تھا۔

''میں آپ کے محلے میں ہی رہتا ہوں، میرا نام رستم ہے، میں یہ مٹھائی لے کر آیا تھا، میری آپا کے ہاں بیٹا ہوا ہے۔'' اس نے مسکرا کر تعارفی مرحلہ طے کیا تھا، رخسانہ بیگم اگرچہ گھر سے کم ہی نکلا کرتی تھیں، مگر محلے والوں سے خوب واقف تھیں، برسوں کی جان پہچان تھی، کئی گھرانوں کی بچیاں ان کے گھر میں قاعدہ قرآن پاک پڑھنے آیا کرتی تھیں، اس لئے ان کو سب گھرانوں سے سلام دعا رہتی تھی، اس شخص کو بھی انہوں نے پہچان لیا تھا، کہ یہ لوگ اس محلے میں نئے کرائے دار ہیں۔

''اچھا آپ لوگ نئے کرائے دار ہیں۔'' وہ مسکرا دی تھی۔

''جی گھر بہت پسند آ گیا ہے، اس لئے وہ گھر ہم نے خرید لیا ہے۔'' رستم نے مسکرا کر کہا، اچانک ہی رخسانہ بیگم کو احساس ہوا کہ وہ یہ سارے سوال کھڑے کھڑے کر رہی ہیں، انہوں نے مٹھائی کا ڈبہ لیا اور عابدہ کو آواز دی تھی۔

''عابدہ بیٹی چائے بنا لاؤ، یہ لو مٹھائی بھی ساتھ رکھنا۔'' عابدہ کچن سے نمودار ہوئی تھی اور اس کی جیسے ہی اس اجنبی پر نگاہ پڑی تو ٹھٹک کر رک گئی تھی، اس نے سیکنڈ کے ہزارویں حصے میں اس شخص کو پہچان لیا تھا، رستم کی آنکھوں میں بھی محبت کی جوت جل اٹھی تھی اور آنکھوں میں چمک اس کے چہرے کو روشنائی عطا کر گئی تھی۔

''السلام علیکم!'' رستم نے سلام کیا تھا۔

''بیٹھو بیٹا۔'' رخسانہ بیگم نے اسے یہیں صحن میں ایک کرسی پیش کی تھی، ان کو بیٹھک میں مہمان کو بٹھانا شاید مناسب نہیں لگ رہا تھا۔

کونے میں لگے لیموں کے درخت کی مہک سے سوندھی سوندھی خوشبو دامن دل میں لپٹی جا رہی تھی، وہیں ایک کنارے میں موتیا کی خوشبو بھی فضا کو معطر کر رہی تھی۔

''بیٹا دل لگ گیا ہے نئے گھر میں۔'' رستم کی نگاہیں عالی کی پشت پر لہراتی چٹیا سے ہوتے ہوئے رخسانہ بیگم پر پڑی تھیں۔

''جی اللہ کا دیا سب کچھ ہے، ہماری پرکھوں کی اپنی حویلی ہے، سب کچھ ہے، مگر وہاں اتنی بڑی حویلی آپا کے بعد کاٹ کھانے کو دوڑتی تھی، اس لئے میں نے اور آپا نے فیصلہ کیا کہ آپا کے گھر سے قریب ہی یہیں گھر لے لیا جائے، حویلی میں میں جاتا ہوں اکثر اوقات، ساری حویلی سائیں سائیں کرتی ہے، دل اوب کیا تنہائی سے، تو اس لئے یہ چھوٹا سا گھر لے لیا ہے، لیکن اس کو بھی آپا نے اتنا خوبصورتی سے آراستہ کیا ہے کہ وہ بھی کسی حویلی سے کم نہیں لگتا اب۔'' وہ اتنا بولتا تو نہیں تھا، مگر آج جب خوش تھا، پرجوش تھا اور بولنے کا موقع ملا تو بولتا ہی چلا گیا تھا، رخسانہ بیگم کو وہ پروجیہہ سرخ وسفید رنگت والا خوش شکل لڑکا بہت اچھا لگا تھا۔

''آپ بھی کسی دن آئیں ہماری طرف۔'' وہ مسکرایا تھا۔

''ارے اب ہڈیوں میں اتنا دم خم کہاں رہا ہے، پھر یوں بھی گھر سے کم ہی نکلنا ہوا کرتا ہے، کس موقع پہ آئیں گے، تمہاری شادی پر۔'' اپنی شادی کے ذکر پر وہ بری طرح جھینپ سا گیا تھا۔

"ارے اتنی دیر کی سوچ لی آپ نے، فی الوقت تو آپ کو انوائیٹ کر رہا ہوں، بچے کے عقیقے پر آپ لوگ ضرور آئیں۔" اتنی دیر میں وہ پری چہرہ دوبارہ دکھائی دی تھی، اس نے پہلے صحن میں لکڑی کی میز لا کر رکھی تھی، اس کے بعد اس نے ایک ٹرے میں نمکو اور مٹھائی ساتھ میں چائے رکھی تھی۔

وہ بے حد خوش تھا، سحر زدہ سا بار بار پلک جھپکا کر اس کو دیکھتا تھا، مبہوت سا انداز تھا، وہ اس کے عین سامنے چائے کی پیالی رکھ کر جا چکی تھی، اس نے چائے کی پہلی چسکی ہی بھری تھی جب دروازہ کھلا تھا، اور مولوی صاحب کی السلام علیکم کی آواز پر رستم کا منہ چلتے چلتے رہ گیا تھا، رستم کو مولوی صاحب سے ہمیشہ سے ایک خوف سا محسوس ہوتا تھا، یوں بھی وہ ان کے غصے اور مزاج برہمی سے کس حد تک واقف ہو چکا تھا۔

"برخوردار کیسے آنا ہوا؟" سلام کا جواب انہوں نے سر کی جنبش سے دیا تھا، پھر وہ بیٹھا نہیں تھا، دو سیپ بھرتے ہی تیزی سے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

"ارے بیٹا بیٹھو تو مٹھائی تو کھاؤ، نمکو بھی نہیں لی تم نے۔" رخسانہ بیگم فرائض میزبانی ادا کر رہی تھیں۔

"جی پھر کبھی حاضر ہو جاؤں گا، آپ لوگ ضرور گھر آئیے گا، یہ عقیقہ حویلی میں ہوگا وہاں سارا خاندان مدعو ہوگا، آپ کی شرکت سے مجھے خوشی محسوس ہوگی۔" یہ کہتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا تھا، مولوی کرامت اسے تیکھی نگاہوں سے ہراساں ہو کر واپسی کے لئے پر تولتا ہوا لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا باہر نکل گیا تھا۔

"آپ نے یہ کیا کیا؟ اس کے سلام کا بھی سیدھے منہ جواب نہ دیا، مہمان تو اللہ کی رحمت ہوتے ہیں۔" رخسانہ بیگم نے پہلی مرتبہ سرزنش کی تھی۔

"تم ان باتوں کو کیا خاک سمجھتی ہو، دین کی تمہیں کیا سمجھ بوجھ، میں یہاں تبلیغی دورے پر نکلا ہوا ہوں، میرے اپنے گھر کے حالات ایسے ہیں کہ میری بیگم نے جوان بچیوں کی موجودگی میں اس آوارہ لفنگے کو گھر میں گھسا رکھا ہے، افسوس صد افسوس۔" وہ تاسف سے بولے تھے۔

"تم بھی اب کان کھول کر سن لو مجھے یہ سب پسند نہیں ہے۔" وہ مزید گویا ہوئے تھے، رخسانہ بیگم تحیر آمیز انداز سے شوہر نامدار کے یہ نئے تیور دیکھ رہی تھیں۔

"وہ سیدھا سادہ لڑکا ہے اس نے تو بس مٹھائی دی، اس کا بھانجا ہوا ہے۔" رخسانہ بیگم کو تاویل سوجھ ہی گئی تھی۔

"مٹھائی دیکھ کر ہی تم ریجھ گئی، حد ہو گئی اور اس کے سادہ پن کی بھی تم نے خوب کہی ہے، پان کی شاپ ہے اور کوئی کاروبار نہ ملا تھا اس لفنگے کو، اس کے کرتوت سیاہ کا میں گواہ ہوں، تم گھر بیٹھی کیا جانو باہر کی دنیا کیسی ہے؟" وہ مزید بولے تھے لہجہ طنزیہ تھا۔

"جی مجھے واقعی معلوم نہیں ہے، مگر میں ایک بات اچھی طرح جانتی ہوں کہ میں دو دو بیٹیوں کی ماں ہوں، بیٹے کو تو آپ نے روزگار کمانے کے لئے گھر سے نکال باہر کیا ہے، لیکن بیٹیوں کے لئے میں جو بہتر سمجھتی ہوں وہ کروں گی۔"

آج نجانے کیوں رخسانہ بیگم بھی دوبدو بولنے لگ گئی تھی، جو کرامت صاحب کو ایک آنکھ نہیں بھایا تھا۔

"کیا ہو گیا ہے، ایک ہفتے کے لئے میں باہر کیا چلا گیا گھر میں تو ہوا ہی بدل گئی ہے۔" اس بار ان کا انداز بے حد سرد ہو گیا تھا، پھر ان کی نگاہ بیٹھک پر پڑی تھی، ٹھٹک کر رہ گئے تھے۔

"یہ صوفے کہاں سے آ گئے اور یہ پردے؟ کس کے آگے ہاتھ پھیلائے ہیں اری نیک بخت۔" وہ سخت حیرت زدہ غصے سے پوچھ رہے تھے، رخسانہ بیگم نے ٹھنڈی سانس بھری تھی۔

"میرے گھر میں بیٹیاں ہیں اور نئے ناطے کرنے کے لئے میں نے جو مناسب جانا کیا، لیکن کسی کے سامنے ہاتھ ہرگز نہیں پھیلایا ہے۔" وہ دوٹوک بولی تھیں۔

"میں نے رعایتی قیمت پر کروا کر قسطوں میں یہ سامان خریدا ہے کسی کے سامنے دامن نہیں پھیلایا ہے۔" رخسانہ بیگم نے مصالحانہ انداز اختیار کیا تو کرامت صاحب بھی ٹھنڈے پڑ گئے تھے۔

پھر رخسانہ بیگم نے ان کو ساری تفصیلات فراہم کی تھیں کہ وہ لوگ لڑکی کو پسند کر گئے ہیں بس ان کے ہی جواب کے منتظر ہیں، اب اگر وہ لوگ ہاں کرتے ہیں تو جلدی ہی سارے معاملات طے ہو جائیں گے۔

"چلو کوئی تو خوش آئند بات سننے کو ملی ہے، اچھی بات ہے لڑکا کیا کرتا ہے؟" کرامت صاحب نے سوال داغا تھا، رخسانہ بیگم بھونچکی رہ گئی تھیں۔

"ارے یہ تو میں نے پوچھا ہی نہیں کہ لڑکا کرتا کیا ہے؟" اس بار ندامت بھرا لہجہ رخسانہ بیگم کا تھا۔

"کمال ہے آپ بھی حد کرتی ہیں، کیسے معلوم نہیں کیا آپ نے؟" وہ حیران تھے۔

"بہرحال کل چلتے ہیں معلوم کیے لیتے ہیں۔" ابا کا نیم رضا مند سا لہجہ ان کو اندر تک سرشار کر گیا تھا، اندر موجود ساجدہ اور عابدہ نے بھی طمانیت بخش سانس بھری تھی، اگلے روز وہ لوگ جانے کے لئے تیار تھے۔

"اندر سے دروازہ بند کر لو۔" اماں نے تاکید کی تھی۔

"کسی کے لئے بھی دروازہ کھولنے کی ضرورت نہیں ہے۔" یہ ابا تھے۔

"دال چڑھا دینا۔" اماں نے جاتے جاتے ساجدہ کو تاکید کی تھی، یوں اماں ابا کے جاتے ہوئے ہی ساجدہ نے دعا کے لئے ہاتھ اٹھا لئے تھے۔

"یااللہ اب کوئی اچھا ہو جائے۔" وہ بے حد پژمردہ سی دکھائی دے رہی تھی۔

"پریشان نہ ہو آپا سب اچھا ہی ہو جائے گا۔" اس نے اپنی دانست میں تشفی دی تھی۔

"رہنے دو کیا تم نہیں جانتی ہو کہ بھیا کے ساتھ کیا ہوا۔" وہ دکھ سے بولی تھی، اور ماضی میں جھانکا۔

بقول ابا کے۔

"جب لڑکا بالغ ہو جاتا ہے اس پر یہ فرض ہے کہ گھر کا بوجھ اٹھائے اگر تم کام کاج نہیں کر سکتے تو کرو۔" وہ بضد تھے۔

"مگر ابا آپ تو جانتے ہیں کہ میں میٹرک بھی کلیر نہیں کیا ہے، اس لئے مجھے کوئی اچھی جاب نہیں مل سکتی ہے، نجانے کیوں میرا دل پڑھائی میں کبھی لگا ہی نہیں۔" وہ بے حد رنجیدہ سا تھا۔

"تو اب پڑھ لو، اب کون سا عمر گزر گئی ہے، ورنہ ایسا کرو کہ کوئی محنت مزدوری کر لو، وہ لوگ بھی تو ہیں نا، جو اینٹیں ڈھوتے ہیں، تعمیراتی کام کرتے ہیں، تم بھی کسی کام کو چن لو، اب نہ پڑھنے کا فیصلہ سراسر تمہارا اپنا تھا، مگر مجھ سے یہ توقع ہرگز مت کرنا کہ میں تم کو پال پوس کر کھلاؤں گا۔" ابا کا فیصلہ کن لہجہ تھا۔

اور بھیا چپ تھے اس کے بعد ایک دن

انہوں نے غصے میں اسے گھر سے نکال دیا تھا، کہ جاؤ جا کر کما کر لاؤ۔

وہ بھی ان کا ہی بیٹا تھا، ایسا گھر سے نکلا تھا کہ لوٹ کر نہیں آیا تھا۔

نجانے اس کی گزر بسر کیسے ہو رہی تھی، اماں رو رو کر اپنا حال بے حال کر لیتیں تھیں، ایک دن فون کیا تھا اور بھیا نے اپنے متعلق خیریت سے آگاہ کیا تھا، وہ نجانے کیا کام کرتا تھا، لیکن اس نے کہا تھا کہ وہ گھر میں تب ہی قدم رکھے گا جب اس کے ہاتھ میں قسمت کی لکیر عروج پر ہو گی اور جیب میں پیسے ہوں گے۔

اس لئے ماں بھی ہر دم اس کے لئے دعا گو رہتی تھی، اب بیٹے سے بھی کوئی توقع نہ رہی تھی، تو وہ چاہتی تھیں کہ ایک ایک کر کے اپنی بیٹیوں کے فرض سے سبکدوش ہو جائیں۔

ساجدہ دال پکا رہی تھی اور عابدہ باہر چڑیوں پرندوں کو دانہ ڈال رہی تھی، جب دروازے پر دستک ہوئی تھی۔

''اتنی جلدی ابا تو نہیں لوٹ کر آ سکتے۔'' عابدہ نے حسرت سے سوچا تھا، خیر اس نے اپنا دوپٹہ اچھے طریقے سے سر پر جمایا تھا اندر دروازے تک آئی تھی۔

''کون ہے؟'' اس نے پوچھا تھا۔

''میں ہوں رستم، یہ میں کچھ دینے آیا تھا۔'' رستم نے ملتجی آواز میں کہا تھا، اندر سے ساجدہ بھی آ گئی تھی اور اس نے بھی رستم کی آواز سن لی تھی۔

''ایسا کرو دروازہ کھول کر پوچھ لو۔'' ساجدہ نے بھی اچھے طریقے سے دوپٹہ اوڑھتے ہوئے کہا تھا، عابدہ ہچکچا رہی تھی، تب ساجدہ نے ہی لپک کر دروازہ کھول دیا تھا، سامنے ہی لائیٹ بلیو کلر کی شرٹ میں ملبوس رستم ان کے سامنے کھڑا دروازے میں منتظر نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔

عابدہ نے دیکھا اس کے ہاتھ میں بڑے بڑے شاپر تھے، ان میں ایک باؤل تھا اور دوسرے میں نجانے کیا تھا۔

''یہ نیاز دلائی ہے، یہ آپ کے لئے۔'' شاپرز کو اس نے تھمایا تو ساجدہ کو دیکھا تھا مگر دیکھا عابی کی طرف تھا۔

وہ مہر بہ لب تھا، مگر اس کی نگاہیں اس کے دل کا احوال بیان کرتی تھیں، اس کی نگاہوں کا مرکز و محور عابدہ تھی، جو اس وقت پینک کلر کے شلوار قمیض میں بے حد نکھری نکھری سی لگ رہی تھی، اگرچہ اس شلوار قمیض کا رنگ کسی کسی جگہ اڑا اڑا سا لگ رہا تھا مگر عابدہ کے چہرے کے گلابی پن نے اس رنگ کو بھی قوس وقزح میں گویا بدل کر رکھ دیا تھا۔

ساجدہ نے شکریے کے ساتھ وصول کر لیا تھا اور اندر کچن میں رکھنے چل دی تھی، جب عابدہ دروازہ بند کرنے لگی تھی، تو اس وقت وہ بولا تھا۔

''بات سنیں میں اپنی آپو کو بھیجوں گا، آپ نے پلیز میرے حق میں فیصلہ کرنا ہے۔'' اس کا انداز ملتجی سا تھا اور چہرے پر بکھری ہوئی پریشانی اس کے اندرونی خلفشار کی ترجمان تھی۔

''میں سمجھی نہیں۔'' وہ حیران رہ گئی تھی، اس کو واقعی یہ لفظ سن کر بھی سمجھ نہیں لگی تھی۔

''عابی کیا ہر لفظ کہنا ضروری ہوتا ہے، کیا میرا ہر ہر انداز آپ کو نہیں بتا رہا کہ میں آپ کے لئے کتنا سنجیدہ ہوں۔'' وہ ایک دم ہی سنجیدہ سا ہو گیا تھا۔

''اور ہاں میں اس وقت صرف نہاری پلاؤ دینے نہیں آیا ہوں میں نے آپ کے والدین کو جاتے دیکھا تھا، اس لئے میں آپ سے ایک بار کہنا چاہتا تھا کہ پلیز میرے بارے میں سوچیں۔'' اس کا انداز بے حد لگاوٹ بھرا تھا، اس

وقت عالی کے تو ہاتھوں کے گویا طوطے ہی اڑ گئے تھے، ہتھیلیاں پسینے میں بھیگ گئی تھیں۔

"میں کیا کہہ سکتی ہوں۔" وہ شش و پنج کا شکار تھی۔

اسی وقت گلی میں آہٹ ہوئی تھی تو وہ۔

"اچھا اماں جی کو سلام کہہ دیجئے گا۔" کہتا پلٹ گیا تھا۔

☆☆☆

وسیع و عریض گھر تھا، دونوں اطراف میں بنے ہوئے ایک ہی طرز کے تین تین کمرے تھے، دروازے منقش شدہ اور بھاری لکڑی کے بنے ہوئے تھے، کھڑکیوں پر رنگین شیشے تھے اور ہر شے میں قرینہ جھلک رہا تھا اور خوبصورتی سے آراستہ کیا گیا تھا، کرامت صاحب اور خود بیگم رخسانہ تو گھرانے کا رکھ رکھاؤ دیکھ کر ہی دم بخود رہ گئی تھیں۔

گھر اتنا خوبصورت تھا اور اس پر ہر شے کی فراوانی تھی جی ہی جی میں رخسانہ بیگم نے اپنی بیٹی کو اس گھر میں چلتے پھرتے دیکھا تھا اور دل سے دعا نکلی تھی۔

"ہمیں تو معلوم ہی نہیں تھا کہ آپ اتنے کھاتے پیتے گھرانے سے ہیں۔"

"جی اللہ کا دیا سب کچھ ہے، بس ایک بیٹی کی ضرورت ہے اور وہ آپ کی بیٹی کی صورت مل جائے گی۔" کتنا معصوم سا انداز تھا ان کا۔

"جی بس۔" وہ کچھ بول ہی نہ سکی تھیں، جی تو چاہ رہا تھا کہ فوراً سے پیشتر ہاں کر دیں، مگر وہ جانتی تھیں کہ اس وقت ان کے ساتھ ان کے شوہر نامدار بھی موجود ہیں۔

مہمان خانے میں بٹھایا گیا تھا، دبیز خوبصورت پردے میرون کلر کے اور اس طرح کے وال پیپر لگائے گئے تھے، ہر شے میں نفاست جھلک رہی تھی، کرامت صاحب بھی متاثر دکھائی دے رہے تھے اور رخسانہ بیگم خوش تھیں۔

ان کی چھوٹی بیٹی جس کا نکاح ہو چکا تھا رخصتی کا ارادہ تھا، وہ ان کے سامنے ٹرالی دھکیلتی ہوئی لائی تھی۔

ٹرالی میں رنگا رنگ بسکٹ مٹھائی، اور سموسے کچوریاں تھیں، چائے پیش کرتے ہوئے اس بچی نے ادب سے سلام کیا تھا، اس وقت بیٹا بھی آ گیا تھا، اس نے مودب انداز میں سلام کیا تھا۔

"ہمیں صرف آپ کی نیک نامی اور بچی کی پیاری صورت نے متاثر کیا ہے روپے پیسے کی ریل پیل ہے، کسی شے کی حاجت نہیں آپ اپنی بیٹی کو چاہے دو جوڑے میں بھی رخصت کریں، یہاں وہ شہزادی بن کر رہے گی، ہمیں جہیز کی طلب نہیں۔"

ایسا رشتہ تو انسان ڈھونڈے بھی تو نہیں ملتا، رخسانہ بیگم کے آنکھ کا کنارہ بھیگ سا گیا تھا۔

انہوں نے اشارے سے شوہر کو ہاں کرنے کی کہا تھا، مگر وہ لب بستہ بیٹھے تھے۔

"برخوردار کرتے کیا ہیں؟" کرامت صاحب نے براہ راست لڑکے سے پوچھا تھا۔

"جی میں......" اس نے گلا کنگھارا تھا۔

"چھوٹی سی شاپ ہے جہاں ایل ای ڈی بکتی ہیں اور ساتھ ہی کیبل آنر ہوں۔" اس نے مسکرا کر کہا تھا، مگر مولوی صاحب کے تو جیسے قیامت گزر گئی تھی، کپ ان کے ہاتھوں سے چھوٹتے چھوٹتے بچا تھا۔

"میرا خیال ہے اب ہم چلتے ہیں، جواب فون پر بتا دیں گے۔"

مولوی صاحب کا انداز ایک دم بیگانہ سا ہو چلا تھا، جس پر سب ہی حیران رہ گئے تھے۔

"آپ ابھی ابھی تو آئے ہیں۔" وہ حیران پریشان سی تھیں۔

"جی بس بچیاں گھر پر اکیلی ہیں، گھر بار دیکھ لیا لڑکا سے مل لیا، کافی ہے۔" کرامت صاحب نے غصیلی نگاہوں سے اپنی بیگم کو دیکھا تھا جو قدرے تسلی سے ابھی بھی بیٹھی ہوئی تھیں۔

سارے ماحول پر گویا اوس پڑ گئی تھی مگر کرامت صاحب نے گھر آ کر دم لیا تھا، رخسانہ بیگم سارے راستے چپ رہی تھیں، ان کا موڈ آف ہو چلا تھا، شوہر کو نجانے اب کیا بات گراں گزری تھی جو یوں اچانک گھر کی راہ لی تھی یہ عقدہ تو گھر آ کر کھلا تھا۔

"قہر خدا کا، کچھ تو خوف خدا کرو، اپنی بچی کی شادی اس نانہجار ناعاقبت اندیش شخص سے کرنے چلی تھی۔" وہ بے حد غصے میں تھے۔

"ایسی کیا قباحت ہے اس رشتے میں، ذرا میں بھی تو سنوں۔" رخسانہ بیگم کا بھی پارہ ہائی ہو چلا تھا، برسوں اس شخص کی چاکری کرتے کرتے اب وہ تھک چکی تھیں، وہ شخص اپنے موڈ مزاج کے حساب چلتا تھا، باقی سب کی خوشی گئی بھاڑ میں۔

"ابھی تک یعنی قباحت کا معلوم ہی نہیں ہو سکا ہے، حد ہی ہو گئی۔" وہ تاسف سے بولے تھے۔

"وہ لڑکا کیبل آپریٹر ہے اور پھر اس نے کتنے لوگوں کو اس کام سے بے راہ روی کا شکار کیا ہوگا، ذرا سوچو، اور ٹی وی میں کیسے کیسے پرزے لگتے ہیں، کیا ٹی وی دیکھنا حرام نہیں ہے۔" وہ اپنی دانست میں دور کی کوڑی لائے تھے، گھر میں سناٹا چھا چکا تھا کسی نے بھی کرامت صاحب کے ان دلائل کی نفی نہ کی تھی، مگر کسی نے ان کی حمایت بھی نہ کی تھی۔

☆☆☆

وہ صبح کالج پہنچی تو اس کا دل بے حد اچاٹ سا ہو چلا تھا، چپ چاپ سوگوار سی۔

"کیا بات ہے میں صبح سے دیکھ رہی ہوں کہ تمہارے چہرے پر بارہ بجے ہوئے ہیں، ایسی کون سی آفت آ گئی ہے؟" میمونہ نے حیرت سے پوچھا تھا، پھر اس نے ساری بات گوش گزار کر دی تھی۔

"تمہارے ابا نے تو حد ہی کر دی ہے، نجانے کس صدی میں جی رہے ہیں، مجھے تو لگتا ہے کہ تمہارے ابا تم لوگوں کی شادیاں کرنا ہی نہیں چاہتے ہیں، ساری عمر دہلیز پر ہی بٹھا کر رکھنا چاہتے ہیں۔"

وہ کیا جواب دیتی دل مسوس کر رہ گئی تھی۔

اسی طرح سارا دن سوگواریت بھر گزرا تھا، جب چھٹی کے وقت وہ کالج سے باہر نکلی تھیں، تو اس کی نگاہ سب سے پہلے چھ فٹ لمبے پر وجیہہ اور دل آویز نقوش کے مالک رستم پر پڑی تھی، اس کی نگاہیں بے حد سرانگیز تھیں اور عابی کو لگ رہا تھا ان نگاہوں نے اس کو اپنا اسیر بنا رکھا ہے۔

"یار میں بہت دن سے دیکھ رہی ہوں کہ یہ بندہ تمہیں تاڑتا رہتا ہے، کوئی چکر ہے تو بول، میری کوئی مدد چاہیے تو۔" اس مرتبہ میمونہ نے بھی دوٹوک انداز میں کہا تھا، وہ گھبرا گئی تھی۔

"ایسا کچھ نہیں ہے، میں اسے نہیں جانتی ہوں کہ کون ہے؟" وہ دونوں اس کے پاس سے ہو کر گزرنے لگی تھیں، جب رستم نے ایک قدم آگے بڑھا کر عابدہ کو پکارا تھا۔

"عابی ایک منٹ میری بات سنیں۔" رستم کے منہ سے عابی کا نام سن کر میمونہ بھرپور طنزیہ نگاہوں سے پلٹ کر عابی کو دیکھا تھا، وہ لب بھینچ کر رہ گئی تھی، میمونہ تو رکی نہیں تھی عابی سے الگ ہو کر تیزی سے کالج وین میں چڑھ گئی تھی، عابی بھی تیز تیز قدم لئے اسٹاپ پر آ گئی تھی، مگر نجانے

رستم بھی اس وقت کسی ترنگ میں تھا کہ اس کے عین سامنے آ گیا تھا۔

"آپ کو شرم آنے چاہیے مجھے اس طرح سرراہ پکارتے ہوئے۔" عابی کا لہجہ سرد ہو چلا تھا۔

"ابا ٹھیک ہی کہتے ہیں کہ آپ ایک نمبر کے لفنگے اور بدمعاش ہیں۔" اس نے دل کی بھڑاس ابا کے لفظوں کی صورت میں نکالی تھی۔

اس نے دیکھا کہ رستم نجانے اس سے کون سی ضروری بات کہنا چاہتا تھا، دوبارہ اس نے لب کھول کر بند کر ڈالے تھے، اس کا چہرہ لفظ غنڈے پر ایک دم ہی تاریک ہو چلا تھا اور اس کے چہرے پر بھی سرخی سی چھا جاتی تھی، جیسے اپنے آپ کو کوئی سخت سا جملہ ادا کرنے سے روکنا چاہتا ہو، پھر چپ چاپ واپس لوٹ گیا تھا، عابی نے اسے بائیک پر بیٹھتے اور اسٹارٹ کرتے زوں سے اپنے سامنے سے لے جاتے ہوئے دیکھا تھا، اس کے جاتے ہی نجانے کیوں عابی کو سارا منظر ایک دم دھندلایا ہوا سا معلوم ہونے لگا تھا، دراصل یہ تو اس کی آنکھ کا پانی تھا جو اس کے دل کو چیر کر آنکھ سے ٹپکا تھا۔

☆☆☆

کرامت صاحب اس وقت چندہ جات کو جمع کروانے کی غرض سے بینک گئے تھے، بینک میں خاصا رش تھا، اور وہ اپنے چرچی بیگ میں ساری نقدی کو تھامے بیٹھے تھے۔

یوں اپنے کلیجے سے لگا رکھا تھا جیسے کہ گویا کوئی نوزائیدہ بچہ ہے، جس کو ایک لمحہ کے لئے بھی خود سے جدا کیا تو وہ گم ہو جائے گا۔

اسی وقت ان کی نگاہ رستم پر پڑی تھی، رستم نے عقیدت مندی سے ان کو سلام کیا تھا، مگر انہوں نے قدرے بے رخی سے منہ پھیر لیا تھا، ایسے لوگوں سے سلام دعا بھی ان کی شان کے خلاف ہی تھی، کجا یہ کہ وہ اس کے ساتھ گپ شپ کرتے رہتے۔

رستم نے دل مسوس لیا تھا، وہ جتنا اس بزرگ کے سامنے عاجزی اختیار کرتا تھا وہ اس سے اتنا ہی کتراتے رہتے تھے۔

دروازے میں ایستادہ چوکیدار اس وقت اپنی ڈیوٹی چابکدستی اور تندھی سے نبھا رہا تھا، ہر آنے جانے والے کو بغور دیکھ رہا تھا اور نظر رکھ رہا تھا، اسی وقت ایک نوجوان لڑکا ایک برقع پوش لڑکی کے ہمراہ بینک میں داخل ہوا تھا اور پھر اس کے بعد اچانک ہی کیشئر کے پاس جا کر اس نے کچھ کہا تھا۔

رستم دوری پر تھا اور سن نہ سکا تھا، مگر اس نے اس شخص کے چہرے کی رنگت متغیر ہوتے صاف دیکھ لی تھی، اچانک برقع پوش جو کرسی پر براجمان عین چوکیدار کے سامنے بیٹھی تھی، اس نے اپنی جیب سے پسٹل نکال کر چوکیدار کی کنپٹی پر رکھ دی تھی۔

یہ سب اتنا اچانک ہو گیا تھا کہ سب اپنی اپنی جگہ پر دم بخود سے رہ گئے تھے۔

کسی کے بھی ذہن میں نہیں تھا کہ ایسا بھی ہو سکتا ہے، اچانک ہی کیشئر کے سر پر بھی زوردار وار کیا اور وہ لڑکھڑا گیا تھا۔

"چپ چاپ سارا کیش اس تھیلے میں ڈال دو۔" دراز قامت آدمی نے سرد لہجے میں کہا تھا، اس وقت برقع پوش بھی اپنا نقاب الٹ چکا تھا، نقاب کے اندر مردانہ وجود تھا چوکیدار کے گرتے ہی اس نے اچانک ہی دلچسپی سے کرامت کے سینے سے لگے چرچی بیگ کو دیکھا تھا۔

"یہ بیگ ہمیں دے دو۔" برق پوش نے درستی سے کہا تھا۔

"نہیں نہیں یہ امانت ہے، میں یہ ہرگز نہیں

دے سکتا ہوں۔“ کرامت صاحب نے ہراس ہو کر کہا تھا، ان کی آواز ان کے لہجہ میں دب سی گئی تھی۔

یوں گویا کسی کنویں سے نکل رہی ہو، اچانک برقع پوش نے ایک جھانپڑ رسید کیا تھا، اس کا ارادہ پسٹل سیدھی کر کے کرامت صاحب کو ٹارگٹ کلنگ کرنا تھا، مگر پھر بھی وہ ذرا کی ذرا لڑکھڑا کر سنبھل گئے تھے، ان کی گرفت اپنے بیگ پر اس طرح سے سختی لئے ہوئے تھی۔

وہ کسی صورت بھی بیگ سے نبرد آزما ہونے کو تیار نہ تھے۔

”میں کہتا ہوں بیگ میرے حوالے کر دو، ورنہ بڈھے جان سے جاؤ گے۔“ برقع پوش نے کہا تھا۔

اسی وقت جو کچھ ہوا وہ منٹوں سیکنڈوں میں ہو گیا تھا، رستم نے اس برقع پوش کو پیچھے جا دبوچ لیا تھا اور پسٹل کھینچنے کے لئے پوری قوت صرف کر دی تھی، اسی کھینچا تانی میں گولی چل گئی تھی گولی رستم کے بازو کو چھو کر نکل گئی تھی، کراہنے کی آواز کے ساتھ ہی اس نے ایک زوردار مکا اس برقع پوش کے ناک پر رسید کیا تھا، خون کی پتلی سی لکیر اس نقاب پوش کے منہ سے نکلی تھی۔

اس کی نکسیر پھوٹ گئی تھی، خون کا بہاؤ بے حد تیز ہو چکا تھا، اس افتاد ناگہانی سے دوسرا ساتھی اس قدر ہراساں ہو گیا تھا کہ اس کو خیال ہی نہیں رہا کہ کب عملے نے مل کر اس کو قابو میں کر لیا تھا، پولیس کو کس نے جھٹ فون کھڑکا دیا تھا اور پولیس بھی سائرن کے ساتھ آ موجود ہوئی تھی۔

کرامت صاحب لپک کر رستم کے پاس پہنچے تھے، جس کے زخمی بازو کو تھامے ہوئے وہ پژمردہ سا کھڑا ہوا تھا۔

”بیٹے گھبراؤ مت، جلد ہی ایمبولینس آتی ہو گی۔“ کرامت صاحب نے پہلی مرتبہ اس کے سر پر دست شفقت رکھا تھا، کرامت صاحب کی آنکھیں چندھا سی گئی تھیں جب انہوں نے پولیس کی تحویل میں اپنے لال کو کھڑے دیکھا تھا۔

باہر گاڑی میں بیٹھا اپنے ساتھیوں کا منتظر تھا۔

پولیس نے بتایا تھا پھر دونوں ساتھی بھی پولیس نے ہتھکڑی پہنا کر ساتھ لے گئے تھے، کرامت صاحب کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئی تھیں۔

مولوی کے گھر میں جنم لینے والا ان کا سپوت اس وقت کس قدر آلودہ کام کرنے جا رہا تھا جبکہ رستم کو انہوں نے ہمیشہ نفرت اور تحقیر کی نگاہ سے دیکھتے تھے، اس نے آج ان کی عزت اور لاج رکھ لی تھی۔

ورنہ وہ کمیٹی کے سامنے بے حد شرمندہ ہو جاتے اور اس کی وجہ سے وہ سر اٹھا کر کھڑے تھے۔

اس واقعے کے بعد کرامت صاحب کا اندر کا باطن بدل چکا تھا۔

کام کوئی برا نہیں ہوتا ہے محض لگن اور تندہی سے محنت کی کمائی سے کیا جانے والا ہونا چاہیے، چوری چکاری سے حاصل کیا دھن دولت تو حرام ہے مطلق حرام۔

پولیس نے یہ جاننے کے بعد کہ وہ مولوی صاحب کا اپنا خون ہے، اسے معاف کر دیا تھا، مولوی صاحب کی ضمانت پر رہا کر دیا گیا تھا، مگر پولیس نے جاتے جاتے کرامت صاحب کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا تھا۔

”مولوی صاحب برا مت مانیں تو ایک عرض ہے، اصلاح کا آغاز اپنے گھر سے کرنا

چاہیے، پہل ہی اپنے گھر سے ہو تو پھر اصلاح معاشرہ بھی ہو ورنہ تو وہی محاورہ بیٹھیے گا۔"

"دوسروں کو نصیحت خود میاں فصیحت۔" اور وہ نادم کھڑے رہ گئے تھے۔

رستم ہسپتال سے چھٹی لے کر گھر آ گیا تھا اور مولوی کرامت اپنی بیگم کے ہمراہ اس کی عیادت کی غرض سے گئے تھے، رستم نڈھال سا بستر پر لیٹا ہوا تھا، ڈاکٹرز کا کہنا تھا کہ بہت سا خون بہہ جانے کی وجہ سے وہ نقاہت محسوس کر رہا تھا۔

"آپ کا بہت بہت شکریہ کہ آپ عیادت کے لئے تشریف لائے ہیں۔" وہ بے حد خوشی سے بولا تھا۔

"بیٹا تمہارا احسان ہے اگر تم نہ ہوتے تو نجانے کیا ہو جاتا۔" بیگم رخسانہ نے احسان مندی سے کہا تھا۔

"میرا بھائی بہت اچھا ہے، نیک خصلت، سید زادہ ہے نا۔" اس کی آپا کے منہ سے یہ لفظ سنتے ہی کرامت صاحب کا سر شرم سے جھک گیا تھا۔

"برخوردار اور پھر یہ کاروبار معذرت کے ساتھ۔" ان کو تو جیسے لفظ ہی نہ مل رہے تھے جسے وہ لفنگا کہتے نہ تھکتے تھے وہ کیسا اعلیٰ نسب والا نکلا تھا۔

"جی انکل میں نے تو کریانہ سٹور کھولا ہے، رنگ برنگے لڑکے آ جاتے تھے پان شاپ بھی تھی ساتھ ہی، مگر اب صرف کریانہ سٹور ہی ہے، پان شاپ بند کر دی ہے، دوسری دوکان میں میں نے بچوں کے کھلونے رکھ لئے ہیں۔" کرامت صاحب نے آگے بڑھ کر اس کے سر پر ہاتھ رکھا تھا۔

"جیتے رہو۔"

"انکل آپ سے ایک گزارش ہے۔" وہ تحمل سے بولا تھا۔

"ارے تمہارے تو زیر بار ہیں کچھ بھی مانگ لو۔" کرامت صاحب نے محبت سے کہا تھا۔

"انکل آپ کی بڑی صاحبزادی کا رشتہ میرے کزن نے مانگا ہے، مجھے معلوم ہوا تھا، کیبل آپریٹر ہونے کی وجہ سے آپ نے اس رشتے سے انکار کر دیا ہے، جبکہ آپ اگر اس کی جانچ پڑتال کریں اس کے کردار کے حوالے سے آپ معلومات حاصل کریں تو آپ کو اس کی خوبیاں ہی خوبیاں سننے کو ملیں گی۔"

"جی بیٹا میری سوچ بدل چکی ہے، محنت کی کمائی کا لقمہ برا نہیں ہے، مجھے ساجدہ بیٹی کے لئے اس کا رشتہ منظور ہے۔"

"تو لگے ہاتھوں میرے بھیا کے لئے بھی ہاں کر دیں آپ کی چھوٹی بیٹی کے لئے میں آپ کے سامنے ہاتھ پھیلاتی ہوں۔" آپا نے اچانک ہی دوپٹہ پھیلا لیا تھا۔

"ارے ارے کیوں شرمندہ کرتی ہیں، مجھے تو رستم بہت اچھا لگا ہے، یہ تو میری خوش قسمتی ہوگی کہ یہ میرا داماد بنے۔" رخسانہ بیگم نے اچانک ہی پھوٹ پھوٹ کر رونا شروع کر دیا تھا، یہ ایک ماں کے خوشی کے آنسو تھے، جو ناممکن لگ رہا تھا اللہ تعالیٰ کی رضا سے ایک پل میں ممکن ہو چلا تھا۔

☆☆☆

برقی قمقموں سے حویلی کو سجایا گیا تھا، مصنوعی پھولوں سے گھر آراستہ تھا، رستم اور عابدہ کے ولیمے کے موقع پر حویلی کو خوب اچھی طرح سے سجایا گیا تھا، عابدہ کو تو یہ سب ایک خوبصورت خواب کی مانند لگ رہا تھا، عابدہ کے ترش تلخ جملے

کے بعد اسے یقین تھا کہ اب وہ شخص جو اس کی ہمراہی کے خواب دیکھ رہا ہے مایوس ہو جائے گا۔

اس کا رستہ چھوڑ دے گا، اور اس نے واقعی رستہ چھوڑ دیا تھا، مگر دل سے اس کے عکس کو نہیں نکال سکا تھا اور پھر اس نے راتوں میں رو رو کر نجانے کیوں گریہ و زاری سے اس اجنبی کو مانگا تھا، رب العالمین کے در سے مانگنے والے ہر سائل کو نواز دیا جاتا ہے، بے بہا عطا کیا جاتا ہے، اس کو بھی عطا کیا گیا تھا۔

وہ لفنگا اچانک ہی ہیرو بن کر سامنے آیا تھا اور اس نے ابا کا دل جیت لیا تھا، ابا کی سوچ میں بدلاؤ نے گھر کی ہیبت بدل ڈالی تھی، آپا بیاہ کر پیا گھر سدھار گئی تھیں اور وہ رستم کی دلہن بن کر اس گھر میں آ گئی تھی اور بھیا کو رستم نے اپنے ساتھ ہی کام پر لگا دیا تھا، دونوں مل کر اسٹور سنبھال رہے تھے، سب کچھ جادوائی چھڑی کی مانند اچانک جیسے اچھا ہو گیا تھا، مگر اس جادوائی چھڑی چلنے کے پیچھے مسلسل دعاؤں کا سلسلہ تھا، دعا جو ہر ایک کے نصیب میں خوشحالی لاتی ہے، کسی کے نصیب کو کھول کر اس میں گلاب کے پھول راہوں میں قدموں میں بچھا دیتی ہے، سب مہمان کھانا کھلتے ہی کھانے میں محو ہو گئے تھے۔

"عابی تم بھی کچھ کھا لو، صبح سے ڈھنگ سے کچھ کھایا ہی نہیں۔" وہ از خود عابی کے لئے بریانی کی پلیٹ بھر کے لے کر آیا تھا، عابی اس محبت پر نثار ہو رہی تھی۔

ہر لڑکی کی ایک ہی تو آرزو ہوا کرتی ہے کہ اس کا شریک سفر اس پر محبت نچھاور کرنے والا ہو۔

جس کی ہمراہی اس کی زیست میں گلاب کھلا دے۔

"بیٹا میں بہت خوش ہوں کہ میں نے اپنا فیصلہ تبدیل کر دیا اگر میں اپنے فیصلے پر ڈٹا رہتا تو ناحق اپنے بچوں کے روشن مستقبل میں حائل رہتا۔" اچانک عقب سے کرامت صاحب آ گئے تھے۔

"کل ساجدہ بیٹی کا ولیمہ تھا اور آج تمہارا۔"

"تم نے ہر ہر بات میں خیال رکھا ہے، اگر ایک ہی دن دونوں بچیوں کا ولیمہ ہوتا تو دونوں کی خوشی میں شرکت کرنا مشکل ہو جاتا اور رشتے کی شروعات میں ہی اگر ایک دوسرے سے گلے شکوے ہو جائیں تو باقی کی زندگی بہت مشکل ہو جاتی ہے۔" کرامت صاحب نے بے حد محبت سے اس وقت اچانک پر جوش انداز میں رستم کو گلے سے لگا لیا تھا۔

"میں کہتا تو آپ کو انکل ہوں مگر اپنے والد صاحب کی جگہ پر دیکھتا ہوں، مجھے معلوم ہے کہ ساجدہ آپی بڑی ہیں ان کا حق بھی پہلا ہے، پھر اس سے کیا فرق پڑتا ہے کہ کس کا ولیمہ پہلے ہو اور کس کا بعد میں، اہم بات یہ ہے کہ ہم نے بھی ان کی خوشی میں کل شرکت کر لی اور آج وہ بھی ہماری اس خوشی میں شریک محفل ہیں۔" رستم جو بظاہر نا سمجھ دکھائی دیتا تھا، بہت ہی گہری سوچ کا حامل انسان تھا۔

عابی نے فخریہ انداز میں اپنے ہم سفر کو دیکھا تھا، زندگی راہ گزر کتنی خوبصورت ہو گئی تھی۔

☆☆☆

کچھ تو کہیے

قرۃ العین رائے

''افوہ، صوفیہ صبح سے ہلکان ہو رہی ہو، اب بس بھی کر دو یار۔'' احمر نے مستقل کام کرتی صوفیہ کو آخر کار ٹوک ہی دیا۔

''بس احمر تھوڑا سا کام رہ گیا ہے پلیز مکمل کر لینے دیں آپ کو پتہ تو ہے مجھے ہر چیز بالکل پرفیکٹ چاہیے ہوتی ہے۔'' کشن کے کور بدلتی صوفیہ نے مصروف سے انداز میں درخواست کی۔

''جانتا ہوں صبح فجر کے وقت کی تم اٹھی ہوئی ہو اور پورا گھر شیشے کی مانند چمکا کر رکھ دیا ہے اب ذرا اپنا حلیہ دیکھو اور تکان سے تمہارا برا حال ہے اور ابھی تم کہہ رہی ہو کہ کچن میں جا کر کھانے کی تیاری کر کے بھی رکھنی ہے بیمار ہو جاؤ گی یار۔'' احمر نے صوفیہ کو پیار سے ٹوکا تھا۔

''نہیں ہوں گی، آپ کی محبت اور میرے متعلق اتنی فکر مجھے بیمار نہیں ہونے دیتی۔'' مستقل کام کرتے ہوئے وہ محبت سے مسکراتے ہوئے بولی تھی۔

''مما کو دوائی دے دی؟'' احمر نے بیڈ پر نیم دراز ہوتے ہوئے پوچھا وہ جانتا تھا صوفیہ اب اپنے تمام کام سمیٹ کر ہی فارغ ہو گی۔

''جی بالکل دوائی دے دی کھانا کھلا دیا، بچے بھی دادو پاس سو گئے بس اب آپ بھی آرام کریں میں ذرا کچن کے کام نپٹا آؤں۔'' صوفیہ نے اپنے بیڈروم پر ایک طائرانہ نظر ڈالتے ہوئے جواب دیا۔

''ہوں جانتا ہوں تمہارے ذرا سے کام اوکے میں تو سونے لگا ہوں، بہت نیند آ رہی ہے صبح جلدی اٹھنا ہے فلائیٹ کا ٹائم چھ بجے کا ہے، صبح کا الارم لگا دینا کہیں ہم سوتے ہی ناں رہ جائیں اور جس مہمان کی آمد پر تم اتنی بھرپور تیاریاں کر رہی ہو وہ ہمارے انتظار میں ائیر پورٹ پر ہی ناں سوکھ جائے۔'' احمر نے جمائی لیتے ہوئے صوفیہ سے کہا۔

''اوکے میں لگا دیتی ہوں ایسا بالکل ناں ہو، ورنہ پہلا امیج ہی بہت غیر ذمہ دارانہ پڑے گا اور میں ایسا ہرگز نہیں چاہتی۔'' صوفیہ نے سائیڈ ٹیبل پر پڑے موبائل پر ساڑھے چار بجے کا الارم لگایا اور بیڈروم کی لائٹ آف کرتی ہوئے کمرے سے باہر نکلتی چلی گئی۔

جسم پر تھکاوٹ طاری تھی اور آنکھیں نیند سے بوجھل تھیں مگر اسے صبح ناشتے کی تیاری ابھی سے کر کے رکھنی تھی تاکہ غلطی کی کوئی گنجائش باقی نہ بچے ہر چیز وقت پر اور بہترین ہونی چاہیے وہ اپنے مہمان کو اپنی سلیقہ مندی دکھانے کے لئے بے چین تھی اس لئے اپنا آپ بھلائے وہ ایک ربورٹ کی مانند بس صبح سے کام کیے جا رہی تھی۔

☆☆☆

''اف توبہ کب سے الارم بج رہا ہے مجال ہے کوئی اسے بند ہی کر دے، ارے گڑیا خدا کا خوف کھاؤ اٹھ جاؤ سورج سر پر چڑھ آیا اور یہ الارم کا ڈھونگ تو کم از کم بند کر دیا کرو۔'' ضوفشاں پھپھو نے سر تک چادر اوڑھے وجود کو گھورتے ہوئے گھڑی کا الارم بند کیا تھا۔

''اچھا ضوفی پھپھو اٹھ جاتی ہوں۔'' دوسری جانب کروٹ لیتے ہوئے وجود نے نیند بھری آواز میں جواب دیا تھا اور ضوفشاں پھپھو بس اسے گھورتے ہوئے کمرے سے باہر نکل گئی تھی۔

''تمہاری بیٹی کو سدھارنا گویا بھینس کے آگے بین بجانا ہے۔''

''یہ نہیں بسنے والی افشاں باجی کے گھر میں بتا رہی ہوں کیوں تم سب مل کر اس کے بیٹے کی زندگی کو جہنم بنا رہے ہو۔'' ضوفشاں پھپھو نے باہر لاؤنج میں سبزی بناتی اپنی بھابھی رقیہ پر اس کی

ٹی کی حرکت کا غصہ اتارا تھا۔

''تو وہ کون سا نہیں جانتے اس کی حرکتوں کے بارے میں، اس کے باوجود تمہاری بہن پنے بیٹے کا رشتہ گڑیا کے ساتھ کروانے پر بضد ہے میں نے تو صاف صاف کہہ دیا تھا بھئی گھر ھر کی بے حد لاڈلی اور اکلوتی بیٹی ہے باپ سے لے کر دادا، دادی، چاچا، چاچی کے دونوں بڑے ھائیوں اور بھابھیوں نے بس لاڈ ہی اٹھائے یں مجال ہے جو کسی کام کو ہاتھ بھی لگانے دیا ہو، طبیعت میں بچپنا اور انداز میں لاپرواہی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے اور تم ہو اکلوتے بیٹے کی ں تمہیں اور تمہارے گھر کو ایک ایسی بہو چاہیے و سلیقہ مند ہو پر ناں جی تمہاری چھوٹی بہن ہے فشاں نہیں مانی منگنی کر کے ہی چھوڑی اب دو ہینے بعد شادی اور محترمہ گھوڑے گدھے بیچے سو ہی ہیں، ہر روز سمجھاتی ہوں کچھ تو کام سلیقہ سیکھو، مہاری پھپھو کے گھر تو نوکر بھی نہیں اور یہاں پر الم یہ ہے کہ اٹھ کر پانی بھی نہیں پیتی کجا کچن میں ا کر کام کرنا پورے گھر کی شہ حاصل ہے سب کہتے ہیں چھوڑو جب سر پر پڑے گی کر لے گی پر جھے تو یہ نیا پار لگتی نظر نہیں آ رہی، تم بھی تو کتنی وششیں کر چکی ہو سدھارنے کی مگر مجال ہے کان ر جون بھی رینگی ہو آ جا کر میری ہی ناک کٹوائے ی سب کہیں گے یہ تربیت کی ماں نے۔'' بھابھی قیہ تو گویا بھری بیٹھی تھیں بولتی ہی چلی گئیں۔

''لکھوا لوں بھابھی یہ گھر نہیں بسانے والی یک مہینے کے اندر اندر شادی کے بعد میکے آ کر نہ ٹھ گئی تو مجھے کہنا، افشاں تو افشاں اس کا پورا اندان بے حد سلیقہ مند ہے اب تو چلو ذاکر بھائی ل وفات کے بعد افشاں اور احمر ہی رہتے ہیں ں بڑے سے گھر میں لیکن مجال ہے کہیں گرد بھی ظر آ جائے احمر بہت منظم اور سلیقے والا بچہ ہے، جاب بھی کرتا ہے ماں اور گھر کی دیکھ بھال بھی کرتا ہے۔'' ضوفی پھپھو نے ٹانگ پر ٹانگ دھرتے ہوئے جواب دیا تھا۔

''اللہ مالک ہے بہن اس کا بھی اور اس کے سسرال کا بھی۔'' رقیہ بھابھی یہ کہہ کر سبزی بنانے میں مصروف ہو گئیں، ضوفی پھپھو جو کالج میں لیکچرار تھیں نوٹس اٹھا کر اپنے لیکچر کی تیاری کرنے لگیں اور گھر پر خاموشی طاری ہو گئی اور یہ خاموشی اس وقت تک طاری تھی جب تک وہ ہنگامہ خیز ہستی اٹھ ناں جاتی جس کے متعلق دونوں نند بھاوج کی ایک رائے تھی کہ اس لڑکی کا گھر اس کی حرکتوں کی وجہ سے بسنے والا نہیں۔

☆☆☆

''بس اتنا سا؟ میں نے سب کچھ آج آپ کی مرضی کا بنایا ہے۔''

''ارے جانی صبح آتے ہی تم نے اپنے ہاتھوں سے بنے حلوہ پوری کا ناشتہ کروایا اور اب دوپہر کو مٹن پلاؤ، شامی کباب، کوفتے، زردہ، ہاں۔'' انہوں نے لمبا سانس کھینچتے ہوئے میز پر سجے کھانوں کا نام پکارا۔

''ارے خالہ ابھی تو اور بہت سی ڈشز آپ کے پیٹ کی منتظر ہیں، کل سے ہلکان ہو رہی ہے آپ کی خاطر مدارت کرنے کے لئے۔''

''اوہ تھینک یو میری جان لیکن اتنا زیادہ تکلف کی ہرگز ضرورت نہیں تھی، اب پلیز اور کوئی تکلف مت کرنا بس رات کا کھانا ہلکا پھلکا۔'' انہوں نے پیار سے مسکراتے ہوئے کہا۔

''کوئی تکلف نہیں ہے پھپھو آپ پتہ ہے میرے گھر سات سال بعد پہلی بار آئیں ہیں میرا دل چاہ رہا ہے آپ کی خاطر مدارت میں کوئی کسر نہ چھوڑوں، اچھا اب آپ آرام کر لیں گیسٹ روم تیار کر دیا ہے میں نے، میں ذرا افشاں پھپھو

کو دیکھ لوں کھانا تو میں نے انہیں کھلا دیا ہے اب تھوڑا سا مساج کر کے سلا آؤں، بچوں نے بھی کھانا کھا لیا ہے، اب سب قیلولہ کریں گے۔" صوفیہ نے میز سے برتن سمیٹتے ہوئے جواب دیا۔

"ارے انہیں میرے پاس سلا دوں ہم سب کہانیاں سنتے سناتے سو جائیں گے۔" ضوفی پھپھو نے پیار سے چار سالہ اور چھ سالہ احمد اور حامد کو دیکھتے ہوئے کہا جو اپنی اتنی گریس فل سی نانو کے ساتھ لیٹنے کا سن کر خوش ہو گئے تھے۔

"ارے پھپھو یہ آپ کو تنگ نہ کریں۔"

"تمہارے بہن بھائیوں کے بچے بھی میرے پاس ہی سوتے ہیں اور تم لوگ بھی میرے پاس ہی دوپہر کو سویا کرتے تھے ناں میں کبھی تنگ ہوئی نہ تم لوگ، یہ کیوں کریں گے بھلا مجھے تنگ۔"

"چلیں ٹھیک ہے میں یہ برتن کچن میں رکھ کر افشاں پھپھو کی طرف جا رہی ہوں۔" کھلی کھلی سی صوفیہ مسکراتے ہوئے برتن تھامے کچن کی جانب بڑھ گئی۔

"ویسے احمر یقین نہیں آتا کہ یہ وہی لاپرواہ، نکمی، سست اور بدھو سی گڑیا ہے تمہارا گھر تو اس نے سنوار کر رکھ دیا ہے میں تو جب سے آئی ہوں حیران ہوئے جا رہی ہوں ہر چیز اپنی جگہ پر صاف ستھری دو بچوں اور ایک فالج زدہ مریض کے باوجود پورا گھر شیشے کی مانند چمک رہا ہے اور جسے انڈہ تک نہیں ابالنا آتا تھا اتنے لذیز کھانے۔" ضوفی پھپھو نے احمر سے کہا جو ان کی بات مسکراتے ہوئے سن رہا تھا۔

"جی خالہ یہ وہی ہے پتہ ہے اس بدھو کو میں نے ایک شادی کی تقریب میں دیکھا اور بس تہیہ کر لیا تھا کہ اسی سے شادی کروں گا آپ سب لوگوں نے کتنی مخالفت کی تھی حتی کہ صوفیہ کے امی ابو تک نے یعنی ماموں مامی نے بھی کہہ دیا تھا کہ بھئی ہماری لڑکی بے حد پھوہڑ اور لاڈلی ہے پر دل کی کیا کرتا جو کسی اور کا تصور کرنے کو بھی تیار نہیں تھا ارو اب دیکھیے میرا گھر ایک جنت کی طرح ہے اس نے میری زندگی میں سکون اور محبت کوٹ کوٹ کر بھر دیا ہے، امی کو دو سال ہو گئے ہیں فالج کا اٹیک ہوئے تب سے یہی سنبھال رہی ہے اور اسی کی محنت اور لگن سے اب وہ تھوڑا بہت اٹھ بیٹھ جاتی ہیں صبح سویرے اٹھتی ہے اور مشین کی مانند رات تک چلتی ہے اور اب تو لاک ڈاؤن کی وجہ سے ہم سب لوگ گھر ہوتے ہیں انجوائے بھی کرتے ہیں اور اس کے لئے کام کا اضافہ بھی پھر اس وبا کی وجہ سے میں نے میڈ بھی ہٹوا دی تھی بلکہ اس نے خود ہی منع کر دیا تھا پورے گھر کا کام اب اس پر ہی ہوتا ہے۔"

"اللہ تم سب کو صحت و تندرستی دے دل بہت خوش ہوا تم سب کو مطمئن اور خوش دیکھ کر جا کر بتاؤں گی بھائی جان اور بھابھی کو ان کی گڑیا بہت سیانی اور سگھڑ ہو گئی ہے۔" ضوفی پھپھو نے کرسی سے اٹھتے ہوئے کہا۔

☆☆☆

"کہانی تو مکمل ہے میری جان اب اس میں بظاہر سننے اور پڑھنے کو کچھ نہیں ہے تم ایک آئیڈیل فیملی ہو اور اس فیملی کو آئیڈیل بنانے میں تمہارا اہم کروار ہے۔" ضوفی پھپھو نے پیار سے اپنے پاس نیچے بیٹھی صوفیہ کے بالوں میں تیل لگاتے ہوئے بات کا آغاز کیا وہ گزشتہ چار روز سے یہی پر تھیں اور پرسوں انہیں چلے جانا تھا، جو کانٹا انہیں اس پرسکون گھر میں چبھا تھا آج وہ اسے نکال پھینک دینا چاہتی تھیں۔

"ارے نہیں پھپھو اس میں سب سے زیادہ ہاتھ احمر کا ہے انہوں نے میرا بہت ساتھ دیا ہے

یہ ان کی محبت اور مزاج کا دھیما پن ہے جو پھوہڑ سی گڑیا آج سگھڑ صوفیہ بن گئی ہے۔" صوفیہ نے مڑ کر جھٹ جواب دیا۔

"میری جان تم نے بہت محنت سے بلکہ تم دونوں نے محنت اور محبت سے ہر چیز بہت اچھی اور بہترین کر رکھی ہے، وقت کا صحیح استعمال کر رہی ہو تم اپنی سلیقہ مندی سے آج کا کام کل پر چھوڑتی نہیں ہو چاہے تھکی کیوں نہ ہو اپنے آپ کو بھلا کر تم نے یہ گھر جنت بنا ڈالا ہے میں بہت خوش ہوں۔" وہ سانس لینے کو رکی تھی اور صوفیہ جو اپنی پھپھو سے بے حد پیار کرتی تھی اور متاثر تھی ان کے منہ سے اپنے متعلق اتنی تعریفیں سن کر پھولے نہ سما رہی تھی برسوں کی محنت اور جدوجہد کا انعام مل گیا تھا گویا اسے۔

"لیکن سب کچھ پرفیکٹ اور مکمل ہونے کے باوجود کچھ کمی ہے اور وہ کمی مجھے بہت بری طرح سے کھل رہی ہے، سمجھو اس گھر کی ہر چیز اپنی جگہ پر ہے اور متوازن ہے آنکھیں بند کیے آپ کوئی بھی چیز ڈھونڈ سکتے ہیں اتنے توازن میں کچھ تو غیر متوازن ہے۔" پھپھو کی اگلی بات نے صوفیہ کو پریشان کر ڈالا تھا۔

"کچھ کمی ہے اور میں حیران ہوں میری اتنی عقل مند، باشعور اور سمجھدار بیٹی کو وہ کمی نظر ہی نہیں آئی، احمر نے تمہارا بہت ساتھ دیا تمہاری شخصیت نکھارنے میں یقیناً تم ہیرا تھی جسے احمر نے تراش کر کوہ نور بنا دیا لیکن حیران ہوں کہ اسے تمہاری یہ کوتاہی کیوں نظر نہیں آئی۔" پھپھو دلگرفتہ سی بولی تھیں۔

"کمی، کوتاہی، کیسی کوتاہی پھپھو؟" صوفیہ نے سراسری آواز میں پوچھا تھا۔

"میری جان گھر کو جنت بنانے میں عورت کا اہم کردار ہوتا ہے، وہ اپنے خاندان کے لئے خود کو یکسر فراموش کیے رات دن ایک کیے بس ان کی خاطر جیئے چلی جاتی ہے اور بس یہی سے وہ کمی شروع ہوتی ہے۔" کچھ وقفے کے بعد وہ پھر گویا ہوئیں، صوفیہ ہمہ تن گوش تھی۔

"اور یہ کمی اس کی روح کی کمی ہے تم ہر کام وقت پر کرتی اور نماز کے لئے پانچ دس منٹ بھی نہیں ہیں حیرت ہے۔" صوفیہ کی نگاہیں شرمندگی سے جھکی تھیں۔

"تمہیں احمر کے جمعہ کے کپڑے تو پریس کر کے تیار رکھنا یاد ہے لیکن خود نماز پڑھنا نہیں میری جان یہ کوتاہی تم تک تو محدود نہیں رہے گی تمہارے بچے بھی ایسا ہی کریں گے تب روزِ محشر

اچھی کتابیں پڑھنے کی عادت ڈالیئے

ابن انشاء

اردو کی آخری کتاب .... ☆
خمار گندم .... ☆
دنیا گول ہے .... ☆
آوارہ گرد کی ڈائری .... ☆
ابن بطوطہ کے تعاقب میں .... ☆
چلتے ہو تو چین کو چلیئے .... ☆
نگری نگری پھرا مسافر .... ☆
خط انشاجی کے .... ☆
طیف غزل .... ☆
طیف اقبال .... ☆

لاہور اکیڈمی، چوک اردو بازار، لاہور
فون نمبرز 7321690-7310797

تمہاری سلیقہ مندی، وفا شعاری اور سمجھداری پر تو گڈ لگا دیا جائے گا لیکن تمہارے بچوں کی دینی تربیت اور خود تمہاری اپنی دینی کاوش پر ایک سوالیہ نشان ہوگا تب کیا کرو گی، ایک سمجھدار بیوی اور سلیقہ مند ماں کا یہ فرض ہے کہ وہ اپنے بچوں کی تعلیم و تربیت دینی خطوط پر استواء کرے اور دین سمجھانے اور اس پر عمل کروانے کے لئے خود باعمل ہونا بہت ضروری ہے، بس تمہارے اس جنت بھرے گھر میں یہی ایک کمی محسوس ہو رہی ہے۔''

''سوری پھپھو اب آئندہ ایسا نہیں ہوگا سچ ہے نماز پڑھنے میں کتنی دیر لگتی ہے اور ہم خواتین تو زیادہ تر کام پانی کے ساتھ ہی کرتی ہیں کام کرنے کے دوران وضو کریں اور نماز پڑھ لیں واقعی مجھے اپنی روح کے بارے میں بھی سوچنا چاہیے یہی وجہ ہے کہ اس گھر کے سکون کو بنانے کے لئے میں دن رات ایک کیے رکھتی ہوں لیکن دل کی بے چینی اور بے سکونی مجھے بعض دفعہ بہت تنگ کرتی تھی یقیناً اللہ کو بھلا دینے سے دلوں کو چین نہیں مل سکتا۔''

''ارے اب کہاں چلی؟'' صوفیہ نے بات ختم کر کے اٹھتے ہوئے آخری جملے بولے۔

''پھپھو عصر کا ٹائم ہے نماز پڑھنے لگی ہوں پھر سب کے لئے مزے دار سی چائے بناتی ہوں۔'' صوفیہ کے جواب پر پھپھو کے چہرے پر پرسکون سی مسکراہٹ نمودار ہوئی۔

''چلو ٹھیک ہے میں نے تو عصر پڑھ لی ہے میں افشاں کے کمرے میں جا رہی ہوں سب وہیں چائے پئیں گے فالج کی وجہ سے افشاں زیادہ بول تو نہیں پاتی لیکن میری باتیں سن کر خوش ہوتی ہے، پرسوں میری روانگی ہے بس اب سارا وقت میری بہن کا ہے جانے تک میں اسی کے پاس رہوں گی۔'' ضوفی پھپھو نے بھی اٹھتے ہوئے کہا۔

صوفیہ اثبات میں سر ہلاتے ہوئے اپنے کمرے کی جانب بڑھ گئی۔

''تھینک یو سوچ خالہ کہ آپ میرے کہنے پر آئیں میں جانتا تھا صوفی صرف آپ ہی کی بات مانے گی کتنے عرصے سے میں اسے پانچ وقت نمازوں کی پابندی کا کہہ رہا ہوں ایک دو دن ایک آدھ پڑھتی تھی پھر ناغے آپ تو پورے خاندان میں اپنے باا‌ثر دلائل سے مشہور ہیں بھٹکے ہوؤں کو راستے دکھانے والا جگنو ہیں آپ خالہ۔''

صوفیہ کے بڑھتے قدم کمرے کے باہر ہی کچھ پل کو رک گئے تھے، وہ جو چائے کی ٹرے تھامے افشاں پھپھو کے کمرے میں جا رہی تھی سب کے لئے چائے لے کر احمر کی بات سن کر ایک پل کو تھم سی گئی۔

''احمر کو میری کتنی فکر ہے دنیا کے ساتھ ساتھ آخرت میں بھی مجھے اچھا دیکھنا چاہتے ہیں، احمر اپنے رب کے ساتھ ساتھ میں آپ کو بھی خوش رکھنے کی کوشش کروں گی، انشاء اللہ، اللہ مجھے ثابت قدم رکھے آمین۔'' دل میں تہیہ کرتی وہ کمرے کی جانب بڑھتی چلی گئی۔

یہ کہانی تو ختم ہوئی لیکن ضوفشاں پھپھو جیسے باعمل نیک اصول پسند اور ٹھنڈی چھاؤں جیسے بزرگ ہماری زندگی میں کتنے ضروری یہ تو آنے والی کہانیاں ہمیں بتاتی ہی رہیں گی اور ایسی ہی کہانیوں میں ہمیں ضوفشاں پھپھو کی کہانی بھی تو جاننی ہے۔

☆☆☆

حاصل مطالعہ

تحریم محمود

حدیث نبویؐ

حضرت جابر بن عبداللہؓ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

''رات گئے قصہ کہانیوں کی محفلوں میں نہ جایا کرو کیونکہ تم میں سے کسی کو بھی خبر نہیں کہ اس وقت اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق میں سے کس کس کو کہاں کہاں پھیلایا ہے اس لئے دروازے بند کر لیا کرو، مشکیزوں کا منہ باندھ لیا کرو، برتنوں کو اوندھا کر دیا کرو اور چراغ گل کر دیا کرو۔''

(بخاری، الادب المفرد)

رابعہ علی، فیصل آباد

اقوال حضرت علی المرتضیٰؓ

O اللہ تعالیٰ سے ڈرو، اس نے تمہارے گناہوں کو اس طرح چھپایا کہ گویا بخش دیا۔

O اللہ پاک کے نزدیک اور غلطی جو تمہیں تکلیف دے اچھی ہے، اس خوبی سے جو تمہیں مغرور بنادے۔

O معافی دینے کا حق اسی کو ہے جو سب سے زیادہ سزا دینے پر قادر ہو۔

O جب عقل پختہ ہو جاتی ہے تو گفتگو کم ہو جاتی ہے۔

O جو تم کو بری بات سے ڈرائے وہ تم کو خوشی کی بشارت دیتا ہے۔

شازیہ رفیق، اسلام پورہ لاہور

ایوانِ صدر

خلیفہ دوم حضرت عمر فاروقؓ سادگی، قناعت پسندی اور عجز و انکساری میں اپنی مثال آپ تھے ایک مرتبہ ایک غیر ملکی وفد آپؓ سے ملنے آیا آپؓ کا خادم انہیں شہر سے باہر لے گیا، آپؓ اس وقت حسب معمول دوپہر کے کھانے کے بعد ایک درخت کے نیچے آرام فرما رہے تھے وہ لوگ آپؓ کے خادم سے کہنے لگے۔

''ہم آپ کے خلیفہ سے ملنے آئے ہیں۔''

اس شخص نے جواب دیا۔

''یہ ہیں ہمارے خلیفہ اور جہاں آپؓ آرام فرما رہے ہیں یہ ہی جگہ ہمارا ایوان صدر ہے۔''

طاہرہ آصف، ساہیوال

آپ بھی سنیے

O کچھ لوگ ہوا کی مانند ہوتے ہیں چپکے سے زندگی میں آتے اور چپکے سے زندگی کو اپنے ساتھ لے جاتے ہیں۔

O انسان کو فنا ہے لیکن محبت کو نہیں، تو کیا مرنا محبت کے لئے اختتام کا نام ہے؟

O محبت پربتوں کے دامن سے پھوٹنے والے چشمے کی طرح اپنی سمت اور اپنا راستہ خود بنا لیتی ہے لیکن کچھ محبتیں درگاہ پہ تقسیم ہونے والی نیاز کی طرح ہوتی ہیں جنہیں خالی ہاتھوں سے اپنے قدموں پہ خود چل کر حاصل کرنا پڑتا ہے۔

O کچھ دعائیں بڑی بے ساختہ ہوتی ہیں، اچانک ہی دل کے مندر میں گھنٹیوں کی طرح بجنے لگتی ہیں۔

O محبت کی کشتی میں پہلا سوراخ شک کا ہوتا ہے۔

O اتنے غلط انسان نہیں ہوتے جتنے غلط رویے ہوتے ہیں۔

O کچھ لوگ گھروں کی طرح ہوتے ہیں کتنے ہی دور کیوں نہ ہوں دل ان کی روح میں سمٹ جانے کو بے چین رہتا ہے۔

O کچھ لوگوں کو اپنی نفرت پر بڑا مان ہوتا ہے تو سنیے نفرت کا کوئی بھروسہ نہیں ہوتا، نہ جانے کب آنسو بن کر بہہ جائے اور آنکھوں کے پردوں پر چھپی ہوئی چاہت اپنے پروں کو کھول کر جھلملانے لگے، لہٰذا مان اس پہ کرو جو قابل بھروسہ ہو۔

O کچھ دل بہت نازک ہوتے ہیں ان پر لفظ استعمال کرنے سے پہلے ان کے حوصلوں کو جان لو، ورنہ یا وہ دل ٹوٹ جائے گا یا تم خود۔

عافیہ رحیم، سکھر

اختیار کی ایک کوشش

اگر بن میں رہنا مقدر ہے
اور یہ ایک طے شدہ امر بھی ہے
کہ ہر بن میں بس بھیڑیے منتظر ہیں مرے
تو یہ سوچتی ہوں
کہ اس صورت حال میں
کیوں نہ پھر!
اپنی مرضی کے جنگل میں جا بسوں!

واجدہ امبر، حیدر آباد

یہ کھلا

دل یہ کعبہ ہے یا گھر موت کا ہے
کچھ بھی لیکن اسے ڈر موت کا ہے
جسے سفر زیست جان کر طے کیا ہم نے
طے کر کے پھر کھلا یہ سفر موت کا ہے

سعدیہ سرور، ملتان

برجستگی

تیمور لنگ نے سمرقند فتح کیا تو مال غنیمت میں دوسری چیزوں کے ساتھ کچھ خواتین بھی آئیں ان میں ایک اندھی عورت بھی تھی، جب اسے تیمور کے سامنے پیش کیا گیا تو اس سے پوچھا۔

”تمہارا نام کیا ہے؟“

”دولت۔“ عورت نے جواب دیا۔

تیمور ہنس کر بولا۔

”دولت اندھی بھی ہوتی ہے کیا؟“

عورت نے برجستہ کہا۔

”اگر دولت اندھی نہ ہوتی تو تم جیسے لنگڑے کے گھر کیوں آتی۔“

فاطمہ محمود، لیہ

وہ لفظ جو دل پہ اثر کریں

☆ لوگوں سے بے رخی اختیار نہ کرو اور نہ ہی زمین پر اترا کر چلو کیونکہ اللہ کسی اترانے والے شیخی خور کو پسند نہیں کرتا۔

☆ کوئی تم سے بے اعتنائی سے پیش آئے تو جواباً اس سے محبت سے پیش آؤ اپنے رویے کی مٹھاس سے اس کو شرمندہ کرو۔

☆ پیار سے کہی گئی ایک بات نفرت اور غصے سے کہی گئی سو باتوں سے بہتر ہے۔

☆ محبت اور خدمت نہ ہو تو ایسی کوئی ایلفی ایجاد نہیں ہوئی جو کسی رشتے کو جوڑ سکے۔

☆ دیواریں صرف کمروں کی نہیں ہوتیں دل کے گرد بھی ہوتی ہیں، کئی خواب کئی خیال ان ہی میں قید رہ جاتے ہیں۔

عابدہ خان، راولپنڈی

☆☆☆

بیاض

تسنیم طاہر

شازیہ رفیق ---- اسلام پورہ لاہور

ضبط کرتا ہوں تو ہر زخم لہو دیتا ہے
آہ کرتا ہوں تو اندیشہ رسوائی ہے
دیکھتا ہوں تو ہزاروں سے شناسائی ہے
سوچتا وہیں تو وہی غم وہی تنہائی ہے

....

پہاڑ اپنی جگہ ساکت کھڑا ہے
مگر یہ جبر بھی کتنا کڑا ہے
میں اس سے روٹھنا چاہوں بھی کیسے
کہ وہ میرے لئے مجھ سے لڑا ہے

....

کسی نے دی نہیں آواز مجھ کو
مگر پھر بھی یہاں رکھنا پڑا ہے
بہت چاہا . مگر کب مانگ پائی
کہ وہ میری دعاؤں سے بڑا ہے

طاہرہ آصف ---- ساہیوال

شہر کراچی یاد ہے تجھ کو
تیرے شب بیداروں میں
مرزار سا چغتائی بھی تھا
یاد ہمارا یاروں میں

....

میری خطا پہ سنگ زنی کیجئے مگر
اپنے گناہ تول کر پتھر اٹھایئے

....

پھر دیے رکھ گئیں تیری پرچھائیاں
آج دروازہ دل کا کھلا دیکھ کر
اس کی آنکھوں کا ساون برسنے لگا
بادلوں میں پرندہ گھرا دیکھ کر

عافیہ رحیم ---- سکھر

پھر کون بھلا داد تبسم انہیں دے گا
روئیں گی بہت مجھ سے بچھڑ کر تیری آنکھیں
میں سنگ صفت ایک ہی رستے میں کھڑا ہوں
شاید مجھے دیکھیں گی پلٹ کر تیری آنکھیں

....

کسی بھی بات پر اب بھیگتی نہیں آنکھیں
کہ اپنا حال بھی سوکھے چناب جیسا ہے
کسے سناؤں میں اس دل کی داستاں واثق
شب فراق کا ہر پل عذاب جیسا ہے

....

تھی جاں بہت عزیز مگر درد درد تھا
حد سے بڑھا جو درد تو جاں سے گزر گئے
تقدیر کا یہ حسن توازن بھی خوب ہے
بگڑتے نصیب اپنے کسی کے سنور گئے

واجدہ امبر ---- حیدرآباد

پھولوں کے نشمین میں رہا ہوں صدا سے
دیکھو کبھی خاروں سے میرا ذکر نہ کرنا
وہ میری کہانی کو غلط رنگ نہ دے دیں
افسانہ نگاروں سے میرا ذکر نہ کرنا

....

نرم لفظوں سے بھی لگ جاتی ہے چوٹیں اکثر
دوستی ایک بڑا نازک سا ہنر ہوتی ہے

....

دل میں نے کبھی جھانکا نہ مساکین کو دیکھا
تسبیح کے دانوں میں خدا ڈھونڈ رہے ہیں

یہ میرا حوصلہ ہے تیرے بغیر
سانس لیتا ہوں بات کرتا ہوں
سعدیہ سرور ---- ملتان
کتنے ستم ظریف ہیں یاران خوش مذاق
آواز مر گئی تو مجھے ساز دے دیے

....

ہوئے جاتے ہیں کیوں غم خوار قاتل
نہ تھے اتنے بھی دل آزار قاتل
مسیحاؤں کو جب آواز دی ہے
پلٹ کر آ گئے ہر بار قاتل

....

ہر اک شہر کا ماحول ایک جیسا ہے
تو اس دیار میں کتنے مکان بدلے گا
فاطمہ محمود ---- لیہ
آخری بار ملاقات کی حسرت ہے مگر
تم سے کچھ اس کے سوا اب نہیں کہنا مجھ کو
مجھ کو جاتے ہوئے آواز نہ دینا ہرگز
دیکھنا اور فقط دیکھتے رہنا مجھ کو

....

کی تھی محبت میں نے سکون دل کے لئے
وہ سینے میں اٹکا رہا چھن کی طرح
بڑھائے تھے میں نے قدم روشنی کے لئے
وہ جلاتا رہا مجھے بس اگن کی طرح

....

میری دیوانگی پہ اس قدر حیرن ہوتے ہو
میرا نقصان تو دیکھو محبت گم شدہ میری
عابدہ خان ---- راولپنڈی
ہمارے دل بہت زخمی ہیں لیکن
محبت سر اٹھا کر جی رہی ہے

....

اب تو تنہائی کا یہ عالم ہے فراز
کوئی ہنس کر بھی دیکھے تو محبت کا گماں ہوتا ہے

....

وہ جس کا ضبط تھا بلند پربتوں کی طرح
کسے خبر تھی روئے گا اک دن بادلوں کی طرح
جانے کیوں گریزاں ہیں مجھ سے احباب میرے
میں تو مخلص تھا ماں کی دعا کی طرح
زینت شیخ ---- کراچی
آنکھیں مصروف ہو جاتی ہیں بھلا دیتے ہیں لوگ
دور بہت دور نکلتے ہیں منزلیں گنوا دیتے ہیں لوگ
دست طلب اٹھا کے مانگتے ہیں محبت خدا سے
جو ہو دسترس میں تو خود ہی گنوا دیتے ہیں لوگ

....

جگر ہو جائے گا چھلنی یہ آنکھیں خون روئیں گی
وصی بے فیض لوگوں سے نبھا کر کچھ نہیں ملتا

....

کچھ اس لئے بھی میں اسے ضرور مناؤں گا محسن
کہ پھر سے روٹھنے والا بھلا نہ دے مجھے
عالیہ وقاص ---- بہاولنگر
مشکل کہاں تھے ترک تعلق کے مرحلے
اے دل مگر سوال تیری زندگی کا تھا

....

تمہیں خبر ہی نہیں کہ کوئی ٹوٹ گیا ہے
محبتوں کو بہت پائیدار کرتے ہوئے

....

نہیں آتی نیند بھی موت بھی چین بھی
نہیں آتا وہ بھی کچھ دنوں سے
ہلکا ہو گیا آج کھل کے رونے سے
بہت بوجھل تھا جی کچھ دنوں سے
رابعہ سعید ---- لاہور
کیوں طبیعت کہیں ٹھہرتی نہیں
دوستی تو اداس کرتی نہیں

☆☆☆

رنگ حنا

بلقیس بھٹی

ایسی حالت

بیکر کا انگوٹھا زخمی ہو گیا، وہ اپنے ڈاکٹر کے پاس گیا تو ڈاکٹر نے انگوٹھے کو دیکھ کر کہا۔

''گھر جاؤ اور انگوٹھے کو دو تین گھنٹے تک ٹھنڈے پانی میں ڈبوئے رکھو۔''

گھر جا کر بیکر نے ڈاکٹر کی ہدایت پر عمل کیا، اسی اثنا میں اس کی بیوی آ گئی اور پوچھا۔

''کیا کر رہے ہو؟'' شوہر نے کہا۔

''میرے انگوٹھے میں تھوڑی سی چوٹ آ گئی ہے ڈاکٹر کا کہنا ہے، اگر میں دو تین گھنٹے تک اسے ٹھنڈے پانی میں رکھوں گا تو ٹھیک ہو جائے گا۔''

''کیسا بے وقوف ڈاکٹر ہے؟'' بیوی نے کہا۔

''زخمی انگوٹھے کو ٹھیک کرنے کا سب سے اچھا طریقہ یہ ہے کہ اسے گرم پانی میں ڈبویا جائے۔''

بیوی کے کہنے پر بیکر نے دو تین گھنٹے تک انگوٹھے کو گرم پانی میں رکھا اور انگوٹھا واقعی ٹھیک ہو گیا۔

کچھ دنوں بعد اس کی ڈاکٹر سے ملاقات ہوئی تو اس نے بتایا۔

''میں نے تمہارے کہنے پر عمل نہیں کیا تھا بلکہ بیوی کے کہنے پر عمل کرتے ہوئے انگوٹھے کو گرم پانی میں ڈبویا تھا جس کی وجہ سے انگوٹھا ٹھیک ہو گیا۔''

''عجیب بات ہے۔'' ڈاکٹر نے حیرت سے کہا۔

''میری بیوی تو ایسی حالت میں ہمیشہ انگوٹھا ٹھنڈے پانی میں ڈبونے کو کہتی ہے۔''

زینب شیخ، کراچی

ٹاس

مچھلی کے شوقیہ شکاری نے اتوار کی صبح دریا میں ڈور ڈالتے ہوئے اپنے ساتھی سے کہا۔

''میں کوئی کام ٹاس کیے بغیر نہیں کرتا اس لئے کبھی ناکام نہیں ہوتا، آج صبح بھی ٹاس کر کے میں نے یہی فیصلہ کیا تھا کہ مجھے شکار کو جانا چاہیے یا چرچ؟''

''اور تم جیت گئے ہو گے؟'' دوست نے حیرت سے پوچھا۔

''بڑا سخت مرحلہ تھا مجھے چھ مرتبہ سکہ اچھالنا پڑا پھر کہیں جا کر شکار کے حق میں فیصلہ ہوا۔''

عالیہ وقاص، بہاولنگر

نشانہ باز

ایک ماہر نشانہ باز کے پاس ایک اخباری نمائندہ انٹرویو کرنے گیا کمرے میں بہت سی آنکھیں بنی ہوئی تھیں اور ہر آنکھ پر صحیح نشانہ لگا تھا اخباری نمائندے نے نشانوں سے متاثر ہوتے ہوئے پوچھا۔

''آخر آپ ایسا اچھا نشانہ کس طرح لگا لیتے ہیں؟''

''یہ کون سا مشکل کام ہے پہلے ہم نشانہ لگاتے ہیں اور پھر اس نشانے پر آنکھ بنا لیتے ہیں۔''

رابعہ سعید، لاہور

درخواست

سمیرا نے اپنی دوست کو بتایا۔

''مجھ سے ہزاروں مرتبہ درخواست کی جا چکی ہے کہ میں شادی کرلوں۔''

''کون کرتا ہے تم سے یہ درخواست؟'' سلمٰی نے تجسس سے پوچھا۔

''میرے والدین۔'' سمیرا نے جواب دیا۔

عاصمہ رضوان، خانیوال

اصلاح

''میں اور میرے بہترین دوست ازمیر نے جب پڑھا کہ تمہارا سچا اور حقیقی دوست وہ ہے جو تمہیں تمہارے عیبوں سے آگاہ کرے، تو ہم اس پر عمل درآمد کرنے کا فیصلہ کیا۔''

''اس سے تم دونوں کو اپنی اصلاح کرنے میں کافی مدد ملی ہوگی۔''

''میں کچھ نہیں کہہ سکتا کیونکہ پچھلے پانچ سال سے ہماری بول چال بند ہے۔''

حنا خان، شجاع آباد

ناقدری

امیر گھرانوں میں عجیب عجیب نسل کے کتے پالنے کا رواج ہوتا ہے، ایک امیر خاتون کا لمبے لمبے بالوں والا چھوٹا سا گول مٹول کتا گم ہوگیا، جو انہیں جان سے زیادہ عزیز تھا، انہوں نے بہت تلاش کرایا، انعام بھی رکھا مگر کتا نہ ملا، آخر انہوں نے بھاری معاوضے پر ایک سراغ رساں کی خدمات حاصل کیں، سراغ رساں کتے کو ڈھونڈ لایا، مگر اس کی حالت اچھی نہیں تھی، وہ گیلا تھا اور مٹی میں لتھڑا ہوا تھا۔

''یہ تمہیں کہاں ملا؟'' خاتون نے کتے کو سینے سے لگا کر روتے ہوئے پوچھا۔

''قریبی مارکیٹ سے۔'' سراغ رساں نے جواب دیا۔

''ایک بلڈنگ کے چوکیدار نے اسے لمبے ڈنڈے کے سرے پر باندھا ہوا تھا اور اس سے کھڑکیاں اور روشن دان صاف کر رہا تھا۔''

ام خدیجہ، پشاور

فہرست

کسی بادشاہ نے اپنے وزیر کو حکم دیا ہے کہ اس ملک کے بے وقوفوں کی فہرست تیار کی جائے۔

وزیر نے عرض کیا۔

''اگر جان کی امان ہو تو سب سے پہلے آپ کا نام ہونا چاہیے، کیونکہ آپ نے اسی ہفتے ایک غلام کو دو لاکھ دینار دے کر دوسرے شہر بھیجا ہے اگر وہ واپس نہ آیا تو......''

''اور اگر وہ خوش قسمتی سے واپس آجائے تو تم کیا کرو گے۔'' بادشاہ نے پوچھا۔

''تب میں آپ کا نام فہرست سے کاٹ کر اس کا نام لکھ دوں گا۔''

صنم حمید، لاہور

☆☆☆

حنا کی محفل

عین غین

رابعہ علی ---- **فیصل آباد**

س: باہر کا موسم اندر کے موسم سے کب ملتا ہے؟

ج: دل کی مراد بھر آنے پر۔

س: اگلے موسم بہار میں بھلا ہم کہاں ہوں گے؟

ج: ''ایک شخص کی لڑکی گھر سے بھاگ گئی۔ دوسرے دن وہ افسوس کرنے والے لوگوں سے کہہ رہا تھا کہ ایک بات ہے کہ میری وہ لڑکی بڑی اللہ والی تھی بھاگنے سے ایک رات پہلے وہ مجھے کہہ رہی تھی کہ ابا دو دن بعد ہمارے ہاں ایک شخص کم ہو جائے گا۔'' اب تم؟

رفعت اسد ---- **خانیوال**

س: ہر شوہر کو بیوی اچھی لگتی ہے مگر دوسرے کی کیوں؟

ج: اسی کو تو کہتے ہیں کہ گھر کی مرغی دال برابر۔

س: آپ کو کبھی کسی نے دن میں تارے دکھائے؟

ج: کیوں تمہارا ارادہ ہے۔

س: اگر انسان ریموٹ کنٹرول سے چلنے لگیں تو؟

ج: لگیں تو کیا مطلب' ابھی بھی چلتے ہیں یقین نہیں آتا تو کسی بھی شوہر کو دیکھ لو۔

رابعہ آرزو ---- **سکھر**

س: نفرت کی زمین پر بھی پیار لکھنے والے لوگ کیسے ہوتے ہیں؟

ج: اس دور میں تو پاگل ہی ہوتے ہیں۔

س: کس موسم کا جادو سر چڑھ کر بولتا ہے؟

ج: جس میں اندر اور باہر کا موسم یکساں خوشگوار ہو۔

شازیہ رفیق ---- **اسلام پورہ لاہور**

س: السلام وعلیکم! جناب کیا کر رہے ہیں؟

ج: آپ کے سوال پڑھ رہا ہوں۔

س: ہمیں تو حنا کی محفل سے محبت ہے اور آپ کو؟

ج: محفل والوں سے۔

س: کبھی غصہ آیا؟

ج: بے تکے سوال پڑھ کر۔

فریحہ ادریس ---- **ملتان**

س: کس بات پر زیادہ غصہ آیا؟

ج: جس بات پر بھی غصہ آیا۔

س: زندگی میں کس چیز کی کمی محسوس ہوتی ہے؟

ج: برا مان جاؤ گی پڑھ کر۔

س: کیا دوستی پیار ہے؟

ج: نہیں۔

فہمیدہ اکبر ---- **شیخوپورہ**

س: کیا زندگی گزارنے کے لئے لو میرج ضروری ہے؟

ج: اچھے بچے ایسی باتیں نہیں سوچتے۔

س: میرے بی اے کے پیپرز ہونے والے ہیں۔ دعا کریں گے۔

ج: کس کے لئے؟ تمہارے لئے یا ممتن کے لئے۔

طاہرہ آصف ---- **ساہیوال**

س: آداب عین غین جی کیسے مزاج ہیں؟

ج: اللہ کا شکر ہے۔

س: میرے بغیر کیسا رہا؟

ج: سچ سچ بتائیں۔ برا تو نہیں مانوں گی۔

س: عین غین جی نو مائنڈ بتائیں؟
ج: بہت سکون رہا۔
س: کیا کہہ رہے ہیں ادھر دیکھیں؟
ج: دیکھ تو رہا ہوں۔ میں ناک پر رومال رکھ لوں۔

عافیہ رحیم ---- سکھر

س: محبت کیا صرف ایک بار ہوتی ہے؟
ج: جی ہاں بعد میں عادت بن جاتی ہے۔
س: مکمل تنہائی کسے اچھی لگتی ہے؟
ج: جسے محبت ہوگئی ہو۔
س: حسن کو چاند کیوں کہتے ہیں؟
ج: اس تک رسائی جو مشکل ہے۔

سدرہ علی ---- فیصل آباد

س: عام طور پر تو شادیاں ہوتی ہیں؟
ج: شادیاں عام طور پر ہی ہوتی ہیں۔
س: محبت کیا ہے؟
ج: کیا تمہیں نہیں معلوم؟
س: روشنی کیا ہے؟
ج: لو یہ بھی بتانا پڑے گا۔

سعدیہ سجاد ---- کراچی

س: محبت میں کامیابی کا راز؟
ج: محبت کیا ہے تمہیں معلوم نہیں اور کامیابی کا راز پوچھنے لگے ہو۔
س: کسی سے پیار ہو جائے تو کیا کرنا چاہیے؟
ج: علاج اپنے ماں باپ کے پاس جا کر۔

عاصمہ رضوان ---- خانیوال

س: میری آنکھوں میں دیکھو؟
ج: تمہیں نیند آ رہی ہے۔
س: اپنوں کی جدائی کیوں برداشت نہیں ہوتی؟
ج: ان کی عادت سی جو ہو جاتی ہے۔
س: زندگی میں انسان کی ہار کب ہوتی ہے؟
ج: جب اس کی مرضی کے خلاف کوئی بات ہو۔
س: انسان اپنی بے عزتی کب برداشت کر لیتا ہے؟
ج: جب اس کے سوا کوئی چارہ نہ ہو۔

فاطمہ سعید ---- ٹاؤن شپ لاہور

س: ایک عورت کے لئے زندگی کا سب سے بھاری بوجھ کون سا ہوتا ہے؟
ج: جب تمہارے جیسے نکمے خاوند کا بوجھ اٹھانا پڑے۔
س: محبت کرنے کے لئے کیا چیز چاہیے؟
ج: دل۔
س: دنیا کی خوبصورت کیا چیز ہے؟
ج: دنیا خود بہت خوبصورت ہے۔
س: زندگی کی اداس راہوں میں؟
ج: خوشیاں بکھیر دو۔

ام خدیجہ ---- پشاور

س: آداب عین جی! تو پھر کیا اظہار ویلنٹائن پر؟ کیا تو کیا ملا؟
ج: روز۔
س: یوں زندگی کی راہ میں ٹکرا گیا کوئی...... اب وہ بیچ راہ میں کہہ رہا ہے ہمیشہ کے لئے ''گڈ بائے'' اب میں کیا کروں؟
ج: راہ بدل لو۔

بشریٰ خالد ---- حافظ آباد

س: ''گھٹیا'' لفظ کا معنی تو لکھ دیں کہ کیا ہے؟
ج: لغت سے استفادہ کر لو۔
س: کیا اپنی محبت کو گھٹیا کہنے والے محبت کر سکتے ہیں کسی سے؟
ج: محبت کبھی گھٹیا نہیں ہوتی۔
س: کیا آپ نے کبھی کسی کی محبت کی توہین کی ہے؟
ج: نہیں۔
س: جب کوئی پیار سے بلائے گا...... تم کو......؟
ج: ایک شخص بہت یاد آئے گا۔

☆☆☆

حنا کی ڈائری

صائمہ محمود

زویا ظفر: کی ڈائری سے ایک نظم

اے عشق ہمیں برباد نہ کر ہم بھولے ہوؤں کو یاد نہ کر
پہلے ہی بہت ناشاد ہیں ہم تو اور ہمیں ناشاد نہ کر
قسمت کا ستم ہی کم تو نہیں یہ تازہ ستم ایجاد نہ کر
یوں ظلم نہ کر بیدار نہ کر
اے عشق ہمیں برباد نہ کر
جس دن سے ملے ہیں دونوں کا سب چین گیا آرام گیا
چہروں سے بہار صبح گئی آنکھوں سے فروغ شام گیا۔
ہاتھوں سے خوشی کا جام چھٹا، ہونٹوں سے ہنسی کا نام گیا
غمگین نہ بنا ناشاد نہ کر
اے عشق ہمیں برباد نہ کر
وہ راز ہے یہ غم آہ جسے پا جائے کوئی تو خیر نہیں
آنکھوں سے جب آنسو بہتے ہیں آ جائے کوئی تو خیر نہیں
ظالم ہے یہ دنیا دل کو یہاں بھا جائے کوئی تو خیر نہیں
ہے ظلم مگر فریاد نہ کر
اے عشق ہمیں برباد نہ کر

سونیا ربانی: کی ڈائری سے غزل

اس دل کے جھروکے میں
اس دل کے جھروکے میں اک روپ کی رانی ہے
اس روپ کی رانی کی تصویر بنانی ہے
ہم اہل محبت کی وحشت کا وہ درماں ہے
ہم اہل محبت کو آزاد جوانی ہے
یاں چاند کے داغوں کو سینے میں بساتے ہیں
دنیا کہے دیوانہ یہ دنیا دیوانی ہے
اک بات مگر ہم بھی پوچھیں جو اجازت ہو
کیوں تم نے یہ غم دے کر پردیس کی ٹھانی ہے
سکھ لے کے چلے جانا دکھ دے کر چلے جانا
کیوں حسن کے ماتوں کی یہ ریت پرانی ہے
ہدیہ دل مفلس کا چھ شعر غزل کی ہیں
قیمت میں تو ہلکے ہیں انشا کی نشانی ہے

ناظمہ احمد: کی ڈائری سے ایک نظم

میرے نام سے پہلے
اب کے اس کی آنکھوں میں
بے سبب اداسی تھی
اب کے اس کے چہرے پر
دکھ تھا، بے حواسی تھی
اب کے یوں ملا مجھ سے
یوں غزل سنی جیسے
میں بھی ناشنا سا ہوں جیسے
وہ بھی اجنبی جیسے
زرد خال و خد اس کے
سوگوار دامن تھا
اب کے اس کے لہجے میں
کتنا کھردرا پن تھا
وہ کہ عمر بھر جس نے
شہر بھر کے لوگوں میں

مجھ کو ہم سخن جانا
دل سے آشنا لکھا
خود سے مہرباں سمجھا
مجھ کو دلربا لکھا
اب کے سادہ کاغذ پر
سرخ روشنائی سے
اس نے تلخ لہجے میں
میرے نام سے پہلے
صرف ''بے وفا'' ہی لکھا

شازیہ علی: کی ڈائری سے ایک نظم

آبلہ
اداسی کے افق پر جب تمہاری یاد
کے جگنو چمکتے ہیں
تو میری روح پر رکھا ہوا یہ ہجر کا پتھر
چمکتی برف کی صورت پگھلتا ہے
اگرچہ یوں پگھلنے سے یہ پتھر، سنگریزہ تو نہیں بنتا
مگر اک حوصلہ سا دل کو ہوتا ہے
کہ جیسے سر سبز تاریک شب میں بھی
اگر اک حوصلہ سا دل کو ہوتا ہے
کہ جیسے سر سبز تاریک شب میں بھی
اگر اک زرد رو، سہما ہوا تارا نکل آئے
تو قاتل رات کا بے اسم جادو ٹوٹ جاتا ہے
مسافر کے سفر کا راستہ تو کم نہیں ہوتا
مگر تارے کی چلمن سے
کوئی بھولا ہوا منظر اچانک جگمگاتا ہے
سلگتے پاؤں میں اک آبلہ سا پھوٹ جاتا ہے

مدیحہ کرن: کی ڈائری سے ایک غزل

یونہی بے سبب نہ پھرا کرو کوئی شام گھر میں رہا کرو
وہ غزل کی سچی کتاب ہے اسے چپکے چپکے پڑھا کرو
کوئی ہاتھ بھی نہ ملائے گا جو گلے ملو گے تپاک سے
نہ نئے مزاج کا شہر ہے ذرا فاصلے سے ملا کرو
ابھی راہ میں کئی موڑ ہیں کوئی آئے گا کوئی جائے گا
تمہیں جس نے دل سے بھلا دیا اسے بھولنے کی دعا کرو
مجھے اشتہار سی لگتی ہیں یہ محبتوں کی کہانیاں
جو کہا نہیں وہ سنا کرو جو سنا نہیں وہ کہا کرو
کبھی حسن پردہ نشیں بھی وہ ذرا عاشقانہ لباس میں
جو میں بن سنور کے کہیں چلوں میرے ساتھ تم بھی چلا کرو
نہیں بے حجاب وہ چاند سا کہ نظر کا کوئی اثر نہ ہو
اسے اتنی گرمی شوق سے بڑی دیر تک نہ تکا کرو
یہ خزاں کی زرد سی شال میں جو اداس پیڑ کے پاس ہے
یہ تمہارے گھر کی بہار ہے اسے آنسوؤں سے ہرا کرو

نمرہ فاطمہ: کی ڈائری سے کی ایک غزل

وہی قصے ہیں وہی بات پرانی اپنی
کون سنتا ہے بھلا رام کہانی اپنی
ہر ستم گر کو یہ ہمدرد سمجھ لیتی ہے
کتنی خوش فہم ہے کم بخت جوانی اپنی
روز ملتے ہیں دریچے میں لئے پھول مجھے
چھوڑ جاتا ہے کوئی روز نشانی اپنی
تجھ سے بچھڑے ہیں تو پایا ہے بیاباں کا سکوت
ورنہ دریاؤں سے ملتی تھی روانی اپنی
دشمنوں سے ہی غم دل کا مداوا مانگیں
دوستوں نے تو کوئی بات مانی اپنی
آج پھر چاند افق پر نہیں ابھرا محسن
آج پھر رات نہ گزرے گی سہانی اپنی

رابعہ علی: کی ڈائری سے ایک غزل

غرور و نازو نخوت چھوڑ کر انسان ہونا ہے
بہت دشوار ہوں اب تک مجھے آسان ہونا ہے
یہ دانائی تو گمراہی کی جانب کھینچ لیتی ہے
اسی سے دست کش ہو کر مجھے نادان ہونا ہے
بہت کچھ جان کر جانا کہ اب تک کچھ نہیں جانا
یہی جانا کہ بہتر جان کر انجان ہونا ہے

☆☆☆

حنا کا دسترخوان

افراح طارق

کھٹا پلاؤ

اشیاء

چاول	ایک کلو
گوشت	ایک کلو
املی	۱۲۵ گرام
نمک	حسب ذائقہ
ادرک، لہسن پیسٹ	دو کھانے کے چمچے
زیرہ	ایک چائے کا چمچہ
لونگ	چار عدد
ثابت سیاہ مرچیں	ایک کھانے کا چمچہ
بڑی الائچی	دو عدد
دار چینی	ایک عدد
پیاز (درمیانے سائز کی)	دو عدد
ہری مرچیں	چھ عدد کٹی ہوئی
دودھ	آدھا کپ
زردے کا رنگ	تھوڑا سا
لیموں (رس نکال لیں)	دو عدد
تیل	آدھا کپ

ترکیب

چاولوں کو دھو کر بھگو دیں، املی کو بھی پانی میں بھگو دیجیے، پیاز کے باریک لچھے کاٹ لیں، ایک دیگچی میں تیل گرم کر کے اس میں پیاز ڈال کر گولڈن براؤن کر لیں، اب اس میں زیرہ، لونگ، بڑی الائچی، سیاہ مرچیں اور دار چینی ڈال کر بھون لیں۔

اس کے بعد اس میں ادرک، لہسن پیسٹ اور نمک ڈال کر اچھی طرح بھونیں، اس کے بعد گوشت اور کٹی ہوئی ہری مرچیں ڈال کر بھونیں جب گوشت کا پانی سوکھ جائے تو دو کپ پانی ڈال کر ڈھکنا بند کر دیں اور پکنے دیں۔

جب پانی خشک ہو جائے اور گوشت گل جائے تو بھگوئی ہوئی املی میں سے بیج نکال کر تمام گودا اور پانی ہنڈیا میں ڈال کر پکنے دیں جب املی کا آمیزہ گاڑھا ہو جائے تو آنچ ہلکی کر دیں۔

اب ایک دیگچی میں ایک تہہ چاولوں کی لگائیں اور پھر اس کے اوپر سارا گوشت مصالحے سمیت ڈال دیں، اب آدھی پیالی دودھ میں تھوڑا سا زردے کا رنگ ملائیں اور اسے چاولوں کی اوپری تہہ پر چھڑک دیں اور لیموں کا رس اس پر چھڑک کر دم پر رکھ دیں پندرہ بیس منٹ بعد لذیذ کھٹا پلاؤ گرم گرم سرو کریں۔

چنے کی دال مصالحہ

اشیاء

چنے کی دال	ایک کپ
نمک	حسب ذائقہ۔
کٹی لال مرچیں	ایک چائے کا چمچہ
لہسن، ادرک پیسٹ	دو چائے کا چمچہ
ثابت گرم مصالحہ	ایک چائے کا چمچہ
پیاز (چوپ کر لیں)	ایک عدد
تیل	آدھا کپ
پودینہ، ہری مرچیں	چوتھائی چائے کا چمچہ
گرم مصالحہ پاؤڈر	چوتھائی چائے کا چمچہ
پیاز (سلائس کاٹ لیں)	ایک عدد

ترکیب

دال کو صاف کر کے پانی میں ڈال کر تیس منٹ کے لئے بھگو دیں ایک پتیلی میں دال ڈال کر اس میں نمک، کٹی لال مرچیں، لہسن، ادرک پیسٹ، ثابت گرم مصالحہ، پیاز اور حسب ضرورت پانی شامل کر کے دال کے گل جانے تک پکائیں، اس کے بعد اس میں پودینہ، ہری مرچیں اور گرم مصالحہ پاؤڈر ڈال دیں۔

فرائنگ پین میں تیل گرم کر کے اس میں پیاز ڈال کر براؤن کریں اور دال پر اس کی بگھار لگا دیں مزے دار چنے کی دال مصالحہ تیار ہے۔

کڑاہی قیمہ انڈے والا

اشیاء

قیمہ (ہاتھ کا موٹا کٹا ہوا)	ایک کلو
ہلدی پاؤڈر	آدھا چائے کا چمچہ۔
انڈے (سخت ابلے ہوئے)	دو عدد
سرخ مرچ (کٹی ہوئی)	ایک کھانے کا چمچہ
ادرک، لہسن پاؤڈر	ایک کھانے کا چمچہ
ٹماٹر	آدھا کلو
قصوری میتھی	ایک کھانے کا چمچہ
ادرک (لمبائی میں کٹی ہوئی)	دو کھانے کے چمچے
ہرا دھنیا، ہری مرچیں	گارنشنگ کے لئے
تیل	ڈیڑھ کپ

ترکیب

سوس پین میں تیل گرم کر کے اس میں قیمہ ڈال کر بھونیں، براؤن ہو جانے پر اس میں نمک، کٹی ہوئی سرخ مرچ، ادرک، لہسن پیسٹ، ہلدی پاؤڈر، ادرک، ٹماٹر ڈال کر دھیمی آنچ پر پکائیں۔

انڈوں کے کٹر سے ٹکڑے کر لیں قیمہ گل جائے تو اسے خوب اچھی طرح بھون کر اس میں قصوری میتھی ڈال کر دو منٹ تک بھونیں اب احتیاط سے انڈے مکس کر کے ڈش میں نکال کر ادرک، ہرا دھنیا اور ہری مرچیں ڈال کر گرما گرم نان کے ساتھ سرو کریں۔

فرائیڈ کرسپی چکن

اشیاء

مرغی (درمیانے ٹکڑے کاٹ لیں)	ڈیڑھ کلو
انڈے	دو عدد
(نمک، مرچ ملا کر پھینٹ لیں)	
میدہ	ایک کپ
نمک	حسب ذائقہ
سیاہ مرچ پاؤڈر	حسب ذائقہ
پیپریکا	ایک چائے کا چمچہ
خشک ساج	آدھا چائے کا چمچہ
سرخ مرچ (کٹی ہوئی)	ایک کھانے کا چمچہ
لہسن، ادرک پیسٹ	ڈیڑھ چائے کا چمچہ
تیل	فرائنگ کرنے کیلئے
پارسلے یا واٹر کریس	گارنشنگ کے لئے
سرکہ	دو کھانے کا چمچہ
ہلدی پاؤڈر	ایک چائے کا چمچہ

ترکیب

مرغی کے گوشت کو دھو کر ایک پیالے میں ڈالیں اس میں نمک، سرخ مرچ، لہسن، ادرک پیسٹ، سرکہ، ہلدی پاؤڈر، ڈال کر خوب اچھی طرح مکس کر کے دس سے پندرہ منٹ تک اک طرف رکھ دیں۔

اس کے بعد گوشت کو ایک چاول چھاننے والی چھنی میں ڈال کر بیس سے پچیس منٹ کے لئے رکھ دیں تاکہ گوشت کا سارا پانی نتھر جائے۔

ایک پلاسٹک بیگ میں سیاہ مرچ پاؤڈر، پیپریکا، خشک ساج ڈال کر مکس کریں گوشت کے

ٹکڑوں کو ایک ایک کر کے اس تیار مکسچر میں کوٹ کر کے پہلے سے گرم تیل میں ڈال کر ڈیپ فرائی کریں اور گولڈن براؤن ہونے پر نکال کر کچن پیپر پر رکھ کر اضافی چکنائی جذب کر لیں، اسی طرح ایک ایک کر کے گوشت کے تمام ٹکڑوں کو کوٹ کرتے ہوئے ڈیپ فرائی کر لیں، مزے دار فرائیڈ کرسپی تیار ہے، سرونگ پلیٹ میں رکھیں اور پارسلے یا واٹر کریس سے سجا کر سرو کریں۔

ہرے مصالحے کی بوٹی

اشیاء

گوشت (بوٹیاں بنا لیں)	آدھا کلو
ہری مرچیں (پسی ہوئی)	دس عدد
پودینہ (پسا ہوا)	چوتھائی کپ
ہرا دھنیا	آدھا کپ
کوکونٹ پاؤڈر	دو کھانے کے چمچے
نمک	حسب ذائقہ
کچا پپیتا (پیس لیں)	دو کھانے کے چمچے
زیرہ	ایک چائے کا چمچہ
لہسن، ادرک پیسٹ	ایک چائے کا چمچہ
گرم مصالحہ پاؤڈر	آدھا چائے کا چمچہ
سرکہ	چوتھائی چائے کا چمچہ
کھانے کا رنگ	چند قطرے
لیموں کا رس	دو کھانے کے چمچے
تیل	تین کھانے کے چمچے

ترکیب

گوشت دھو کر خشک کر لیں، اب اس میں ہری مرچیں، پودینہ، ہرا دھنیا، کوکونٹ پاؤڈر، نمک، پپیتا، زیرہ، لہسن، ادرک پیسٹ، گرم مصالحہ پاؤڈر، سرکہ، کھانے کا ہرا رنگ، لیموں کا رس اور تیل لگا کر دو، تین گھنٹے کے لئے چھوڑ دیں، میرینیٹ کیے ہوئے گوشت کو سیخوں پر لگا کر باربی کیو کر لیں یا سوس پین میں ڈال کر پکا لیں اور بھون کر کوئلے کا دھواں دے دیں، پراٹھے اور چٹنی کے ساتھ پیش کریں۔

اسپائسی چکن ڈرم اسٹک

اشیاء

چکن ڈرم اسٹک	آٹھ عدد
ادرک، لہسن پیسٹ	دو کھانے کے چمچے
ہلدی پاؤڈر	آدھا چائے کا چمچہ
سرخ مرچ پاؤڈر	ایک چائے کا چمچہ
نمک	حسب ذائقہ
سرکہ	آدھا کپ
گرم مصالحہ پاؤڈر	آدھا چائے کا چمچہ
لیموں کا رس	دو کھانے کے چمچے
ہرا دھنیا	دو کھانے کے چمچے
ثابت سیاہ مرچیں	دو کھانے کے چمچے
تیل	حسب ضرورت

ترکیب

ڈرم اسٹک میں ادرک، لہسن پیسٹ، ہلدی پاؤڈر، سرخ مرچ پاؤڈر، نمک، سرکہ اور گرم مصالحہ پاؤڈر ملا کر تین گھنٹے کے لئے میرینیٹ کر کے اسے تیل میں ہلکی آنچ پر شیلو فرائی کر لیں۔

جب براؤن ہو جائے اور آدھی گل جائے تو اس میں لیموں کا رس اور ہرا دھنیا ڈال کر پکائیں آخر میں کٹی ہوئی سیاہ مرچیں ڈال کر دو سے تین منٹ پکائیں، کیچپ کے ساتھ سرو کریں۔

مینس بٹ سیلڈ سوپ

اشیاء

قیمہ	ایک پیالی
یخنی	چھ کپ
سلاد کے پتے	ایک گٹھی